مقامِ فکر!
محمد عزیز سائر
kutubistan.blogspot.com

بسم الله الرحمن الرحيم

درد بھرے احساسات کا

مجموعہ

مقامِ فکر

محمد عزیز سائر

azizsaaer@gmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

✓ کتاب: مقامِ فکر

✓ تالیف و تصنیف: محمد عزیز سائر

✓ تعداد: ۵۰۰

✓ کمپوزر: حبیب اللہ امانی

✓ سالِ اشاعت: ۲۰۱۷ء

✓ دوسرا ایڈیشن: دسمبر ۲۰۱۹ء

✓ قیمت: ۵۰۰روپے

✓ پبلشر: آرٹ پوائینٹ (اسرار شیخ)

صدف پلازہ، محلہ جنگی، پشاور

0300-59782532

artpointpress@gmail.com

انتساب

پیاری بیٹیاں نازیہ عزیز، ذاکرہ عزیز، راحت عزیز

اور

اقبالؒ کے اُن شاہینوں کے نام

جو

ستاروں پہ کمند ڈالتے ہیں۔

روز روتے ہیں کہ ہم خوار ہوئے
خوب ذلت میں گرفتار ہوئے

نہیں پڑتی ہے اپنے آپ پہ نظر
اُن عوامل اور اسباب پہ نظر

جن کے باعث یہ بُرا حال ہوا
جینا عزت سے بھی محال ہوا

●●●

فہرست مضامین

پیش لفظ -- 11
ایک توضیح -- 15
تبصرہ(ڈاکٹر محمد فاروق خان) -- 16
اتمام حجت (مولانا محمد اسماعیل نائب امیر جماعت اسلامی KPK) ---------- 19
تاثرات (شمس الرحمٰن شمس ایڈوکیٹ) -- 22
کاش! ہم عقل کے ناخن لیں (موسیٰ گل گل) -- 30
مقام فکر دعوت فکر کا ساز گار میدان (حیدر علی اخون خیل) ---------------- 33
فخر اسلام اور فخر پاکستان (پروفیسر ہمایون ہمدرد) -- 36
عالم اسلام کا مستقبل (ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی) -- 38

نمبر (1)

اسلام سے دوری -- 41
اسلام قرآن کی نظر میں -- 46
اغیار کی تصدیق -- 49
اِنحراف اسلام کا منطقی نتیجہ -- 52
نظم -- 54

نمبر (2)

مسلمان اور فرقہ بندیاں -- 57
ترک قرآن کا جُرم -- 68

نمبر (3)

نسلی اور لسانی منافرت ---------------------------- 71

قرآن کا فیصلہ ---------------------------------- 79

شارع اسلامؐ کی مہر تصدیق ------------------------- 79

ابوالاعلیٰ کی عقلی تنقید ---------------------------- 81

نمبر (4)

علم وحکمت کی کمی -------------------------------- 83

حکمت -- 98

نمبر (5)

نصب العین سے فرار ------------------------------ 101

نظم --- 105

نمبر (6)

مزید کمیاں اور خرابیاں ----------------------------- 107

نفس کی غلامی ---------------------------------- 107

انفرادیت کا قیدی -------------------------------- 108

اخلاق اور شائستگی کا فقدان ------------------------- 111

طُرّہ مؤمن ------------------------------------ 122

نمبر (7)

لبرل وسیکولر قیادت ------------------------------ 123

فری میسن تحریک کی سیکولر سازی-یہودی پروٹوکولز کی گواہی ----------- 139

ان کے اہداف ---------------------------- 141
بے جان او-ائی. سی کے ذمہ دار ---------------------------- 160
کمزور اسلامی میڈیا کے مجرم ---------------------------- 162
نفاذ اسلام کی راہ میں سدراہ ---------------------------- 167
اسلامی مبادیات کے دشمن ---------------------------- 170
ان کی نجی طرز زندگی ---------------------------- 172
لبرل ازم کی خود ساختہ تشریح اور حقائق ---------------------------- 173
نظم ---------------------------- 176

نمبر (8)

مغرب پرستی ---------------------------- 177
قرآن کی روک ---------------------------- 177
ایک شکستہ خواہش ---------------------------- 180
اسلام کے ابتدائی ایام اور یہود ---------------------------- 181
یہود کی ایک اذیت ناک شرارت ---------------------------- 185
قتل رسولؐ کی ناکام کوشش ---------------------------- 186
ایک گستاخ یہودی شاعر کی گستاخیاں ---------------------------- 187
تاریخ ساز عہد شکنیاں ---------------------------- 188
یہود صحابہ رسولؐ کے عہد میں ---------------------------- 189
عیسائیوں کی اسلام مخاصمت تاریخ کے ائینے میں ---------------------------- 192
اب ماضی قریب اور حال کی باتیں ---------------------------- 199

عالم اسلام پر ان کی پہلی ضرب ---------------------------- 200
دوران سرد جنگ اور اس کے بعد ---------------------------- 206
پاکستان کا اسلامی تشخص اور مغرب ---------------------------- 217
اسلامی بم اور مغرب ---------------------------- 223
اسرائیل اور بھارت کی پشت پناہی ---------------------------- 237
خون مسلم سے تر مغربی دامن ---------------------------- 242
بلقان کا میدان ---------------------------- 252
اکیسوی صدی کا پہلا شکار افغانستان ---------------------------- 260
خدشات اور اندیشے ---------------------------- 264
سقوط بغداد کا منظر ---------------------------- 266
آئندہ کے ارادے اور عزائم ---------------------------- 268
راقم کا مدعا تحریر ---------------------------- 270
نظم ---------------------------- 271

نمبر (9)

اور اقوام متحدہ ---------------------------- 275
سلامتی کونسل کا قیام، عالمی اعتماد کا پہلا خون ---------------------------- 283
ایک عظیم قوم کے ساتھ عظیم ناانصافیاں ---------------------------- 287
راہ نجات ---------------------------- 291
مجھے حکم آذاں ہے ---------------------------- 300
حواشی و حوالہ جات ---------------------------- 302

پیش لفظ

مطالعے کا شوق مجھے جنون کی حد تک ہے اور اس شوق کی تکمیل کی خاطر اکثر اخبارات، رسائل اور دیگر جرائد و کُتب ہر وقت میرے زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ دوران مطالعہ جب دنیا میں رونما ہونے والے نت نئے واقعات و حالات کے متعلق پڑھتا ہوں تو یقیناً مجھے دلی سکون ملتا ہے، ذہن کو تازگی ملتی ہے اور یوں دنیائے عالم کے حالات سے آگاہی بھی حاصل ہوتی ہے۔

لیکن ہائے قسمت کہ میری یہی سکون والی کیفیت کبھی تادیر قائم نہیں رہتی، بلکہ اُس وقت اچانک ایک ذہنی اِضطراب میں بدل جاتی ہے، جب میری نظریں ان رسائل و جرائد و کتب میں چھپی ہوئی عالم اسلام کے خلاف سامراجی اور طاغوتی طاقتوں کی سازشوں اور عالم اسلام کی اجتماعی بے حسی والی سرخیوں پر پڑتی ہیں۔ اور آج یہ ایک اٹل، مسلمہ اور روز روشن کی طرح عیاں حقیقت ہے۔ کہ دنیا بھر میں مسلمان سخت الام و مصائب میں مبتلا ہے، ہر جگہ دشمن کی سازشوں کا با آسانی نشانہ بن رہا ہے۔ چاہے دنیا کے کسی بھی کونے پر نظر ڈالے، ظلم و استحصال اس بدبخت قوم کا مقدر بنا ہوا ہے۔ ہر جگہ ان کے مذہبی مقامات کی کھلم کھلا اُن کی آنکھوں کے سامنے تضحیک کی جارہی ہے، چاہے وہ فلسطین کا مقبوضہ بیت المقدس ہو،

ہندوستان کی بابری مسجد یا مقبوضہ کشمیر کی درگاہ حضرت بل۔

عصمت مآب مسلمان خواتین کی عزتیں سرِ عام غیر اسلامی طاقتوں کے ہاتھوں تار تار ہو رہی ہیں۔ خواہ وہ کشمیر ہو، فلسطین ہو، بوسنیا ہو، چیچنیا ہو، کوسوو اور برما ہو یا فلپائن، اُنہیں اس بات کی سزا دی جا رہی ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔

ان بے چاریوں کی سسکیاں، آہیں، چیخیں اور آوازیں فریاد کی صورت پوری دنیا میں بڑے زور سے گونج رہی ہیں اور متلاشی نظروں سے ایک نجات دھندے کی راہ تک رہی ہیں۔ لیکن صد افسوس کہ مسلمانوں کے کان اپنی اِن ہم مذہب بہنوں کی آہیں اور چیخیں سننے سے قاصر ہیں۔

کم و بیش چھپن اسلامی ممالک میں حقیقی طور پر کوئی بھی ایسا ملک نہیں جو دلیرانہ انداز میں عالمی سامراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسلمانوں پر ہونے والی اس ظلم و بربریت کی وجہ دریافت کریں، کم از کم ڈیڑھ ارب افرادی قوت رکھنے والی قوم میں سے کوئی بھی ایسا مرد آہن نہیں جو حال کا محمد بن قاسم بن کر غم زدہ و مصیبت زدہ بہنوں اور بھائیوں کی دادرسی اور مدد کرے۔ اُن کے زخموں پر مرہم رکھے اور ظالم کے آگے سینہ سُپر ہو جائے۔

مختصراً یہ کہ مسلمانوں کو بے حسی، لاپرواہی اور غفلت کا ایسا خطرناک اور جان لیوا مرض لاحق ہو چکا ہے، دنیاوی معاملات، لہو لعب اور اپنی عیاشیوں میں وہ اتنے مگن ہیں کہ نہ تو ان کے پاس مسلمانوں اور اسلام کے خلاف دشمنان اسلام کی سازشوں کو سمجھنے کا وقت ہے اور نہ ہی اُن کے دلوں میں اسلام کے لئے کوئی درد، جسے وہ محسوس کریں۔ بلکہ اُن کی مثال اُس یتیم و

بے سہارا بچے کی سی ہے جو مار کھانے کے بعد صرف رونا ہی جانتا ہے۔

فقط میں ہی نہیں، بلکہ مجھ جیسے بہت سے مسلمان جب اُمہ کی موجودہ زبوں حالی اور اُسے رنگارنگ سازشوں کے نرغے میں محصور بے چارگی کی حالت میں دیکھتے ہیں، یا اس کے متعلق پڑھتے ہے، تو اُن پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، ماتھے پر غم و اندوہ کی شکنیں نمایاں ہو جاتی ہیں، چہرے کا رنگ زرد اور سارا جسم کپکپانے لگ جاتا ہے۔ سر کو انگوٹھے اور اُنگلیوں کی آغوش میں دے کر سوچ و بچار کے ایک گہرے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔ آنکھیں پُر نم ہو جاتی ہیں اور حواس باختگی کے عالم میں ہاتھ میں پکڑا ہوا اخبار، رسالہ یا کتاب سامنے پڑی میز پر پھینک دیتے ہیں اور اگر آدمی جذباتی ہو تو بعض اوقات نوبت یہاں تک بھی پہنچ جاتی ہے کہ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر اُسے زمین پر زور سے پٹخ دیتا ہے یا پھاڑ دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اُن کی یہی مشتعل مزاجی ہی مسلم اُمہ کے اجتماعی مسائل کا حل ہے۔ یہ نہیں سوچتا کہ مسلم اُمہ کی موجودہ صورتحال ہم سے کس بات کا تقاضا کرتی ہے اور کس قسم کے غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔

ناچیز نے زیر نظر اس کتاب میں اس سوال کا جواب دینے، مرض کی تشخیص کرنے اور اُن وجوہات و عوامل و اسباب کا کھوج لگانے اور اس کی نشاندہی و احاطہ کرنے کی اپنے تئیں کوشش کی ہے۔ جن کا مسلمانوں اور عالم اسلام کی موجودہ زبوں حالی اور زوال پذیری میں نمایاں کردار ہے۔ اگرچہ یہ ایک ادنیٰ اور معمولی سی کوشش ہے، کیونکہ اس سے قبل بہت سے نامور ہستیوں اور واجب الاحترام قلم کاروں نے بھی اس موضوع پر اپنے قلم کی کرشمہ

سازیاں دکھائی ہیں۔ یقیناً یہ تحریر ان کے سامنے سورج کو دیا دکھانے کے سِوا اور کچھ نہیں۔

مگر پھر بھی اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ راقم کی یہ ادنیٰ اور معمولی سی کاوش بھی اس بیمار قوم (مسلمان) کی شفایابی کے لئے تیر بہ ہدف دوا، ایک مضبوط و ناقابل تسخیر ملت اسلامیہ کی تعمیر میں ایک اہم بنیادی اینٹ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس چمن کی شادابی کے لئے بارش کا حیات نو دینے والا قطرہ ثابت ہو، جو خود مسلمانوں کے اعمال اور کچھ دیگر عوامل و اسباب کے باعث اُجڑ چکا ہے۔ آمین ثم آمین۔

آپ کا بھائی

محمد عزیز سائرؔ

بونیر خیبر پختونخوا۔ پاکستان

ایک توضیح

سب سے پہلے یہ وضاحت کرتا چلوں کہ زیر نظر کتاب جو اَب معمولی تغیر اور اضافے کے ساتھ شائع کی جارہی ہے کئی سال قبل لکھی گئی تھی۔ اور جیسے ہی مکمل ہوئی تھی اس کا ابتدائی ہاتھ سے لکھا ہوا مسودہ ناچیز نے بدست ایک دوست محترم ڈاکٹر فدا محمد اس وقت کے معروف سکالر ڈاکٹر محمد فاروق خان (مرحوم) جو حیات تھے کی خدمت میں بھیج دیا اور ساتھ اس پر کمنٹس لکھنے کی استدعا کی۔ مرحوم نے مسودہ بخوشی قبول کیا اور تین ماہ تک زیر مطالعہ رکھ کر واپس کیا۔ اس کے ساتھ مرحوم نے اپنے جو کمنٹس لکھ بھیجے تھے وہ تبصرہ کے عنوان سے صفحہ آئندہ پر مسطور ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ مرحوم کو اپنی رحمت سے نوازے۔ آمین

تبصرہ

اُمت مسلمہ کی کمزوری اور زبوں حالی کو دیکھ کر ہر حساس انسان کا دل بے چین اور مضطرب ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب ہر ایک فرد اپنے مطالعے، گردو پیش کے حالات، ذہن، افتادِ طبع اور جذبات کے مطابق دیتا ہے تاہم یہ مقام اطمینان ہے کہ بے حسی اور احساس لاچارگی و بے بسی ابھی اس انتہا تک نہیں پہنچی جہاں عقل و ذہن اور سوچ سمجھ کی صلاحیتیں ماؤف ہو کر رہ جائیں اور انسانی عقل پر مکمل مایوسی کا سایہ ہو جائے۔ اسی لئے یہ غور و فکر کا سفر جاری ہے۔

زیر نظر کتاب "**مقام فکر**" کے مصنف محمد عزیز سائر بھی اُن دردمند مگر ہوش مند افراد میں سے ہیں۔ جنہوں نے اس موضوع پر غور و فکر کیا ہے اور اپنے نتائج کو عملی رنگ دے کر قارئین کو اس سوچ میں شریک کیا ہے۔ ان کی کتاب میں بہت قابل قدر مواد موجود ہیں۔ ضروری نہیں کہ اُن کی ہر بات سے اتفاق کیا جائے لیکن مکالمے کے جاری رہنے میں ہی ارتقا پوشیدہ ہے۔

قرآن مجید نے کئی مقامات پر ہماری توجہ اس امر کی طرف دلائی ہے کہ جب بھی کسی گروہ کو دنیا میں شکست و مصائب کا سامنا کرنا پڑے تو اُسے اپنے گریبان میں جھانک کر اپنی کمزوریوں اور خامیوں کا جائزہ لینا چاہئیے۔

"ارشاد ہے" سورہ نساء آیت نمبر ۷۹:

ترجمہ: تمہیں جو بھلائی بھی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو مصیبت بھی تم پر آتی ہے۔ تمہارے اپنے کسب و عمل کی وجہ سے ہے۔

مزید ارشاد ہے سورہ شوریٰ آیت نمبر ۳۰:

ترجمہ: تم پر جو مصیبت بھی آتی ہے، تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے آتی ہے اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی درگزر کرتا ہے۔

درج بالا ارشاد خداوندی کی روشنی میں راقم کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہمیں مقابل ترقی یافتہ طاقتوں کے مظالم، سازشوں، زیادتیوں اور بے انصافیوں کا رونا رونے کی بجائے خود اعتمادی پر توجہ دینی چاہیئے۔ اور اپنی خامیوں کا صحیح تجزیہ کرکے ان کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ پروردگار عادل حقیقی ہے اور اُسکے ہاں بے لاک انصاف ہے۔

کچھ بنیادی چیزوں میں ہم لازماً دوسروں سے پیچھے ہوں گے تبھی تو پروردگار ہمیں باعزت مقام کے قابل نہ سمجھتا ہوگا اور اگر ہم اپنی کمزوریاں دور کرلیں تو پروردگار لازماً ہمیں باعزت اور باوقار حیثیت سے سرفراز کرجائے گا۔ اس راقم کے نزدیک اُمّت مسلمہ بحیثیت مجموعی جمہوری کلچر سے محروم ہے۔ جمہوری کلچر کی وجہ سے ہر انسان اپنے آپکو پوری قوم سے جڑا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اسے خود اعتمادی حاصل ہوتی ہے اور پوری قوم کے اندر احساس یکجہتی ویکتائی موجود ہوتا ہے۔

اس امت کا دوسرا بڑا مسئلہ جذباتیت، بے صبری، حقائق سے فرار، غیر معروضیت، غیر جانبدارانہ، تجزئے سے عاری سوچ، کھوکھلے دعوے اور غیر حقیقی نعرے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارا ہر اقدام بصیرت و حکمت کی بنیاد پر نہیں بلکہ افسانہ طرازی کے انداز میں ہوتا ہے۔ اس لئے پچھلے تین سو سال سے ہمیں بلحاظ مجموعی مسلسل شکست ہورہی ہے۔ ہمارا تیسرا بڑا مسئلہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہماری حد درجہ کمزوری ہے اس میدان میں انتہائی صبر کے ساتھ مسلسل محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس اُمت کا مذہبی طبقہ اسے کار ثواب نہیں سمجھتا اور بااثر طبقہ کو

عیاشی سے فرصت نہیں۔

ہمارا چوتھا مسئلہ بنیادی، اجتماعی اخلاقیات میں ترقی یافتہ ممالک کی نسبت کمزوری ہے۔ ان اجتماعی اخلاقیات میں دو اہم صفات کا پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے۔ جمہوریت اور حقائق کی بنیاد پر سوچ یعنی تدبیر، حکمت و دانش اور سوسائٹی پر مکالمے کا دور دورہ۔ اس کے علاوہ مزید آٹھ اجتماعی صفات یہ ہیں۔ امانت، دیانت، انصاف، میرٹ، محنت، ملکی قانوں کی پابندی، محروم اور کمزور طبقات کی خدمت کا توانا جذبہ، تعلیم اور صحت، یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارا معاشرہ درج بالا معیارات پر دوسرے معاشروں سے بہت پیچھے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ترقی یافتہ معاشروں میں خامیاں نہیں پائی جاتی۔ اُن میں بھی بہت سی خامیاں ہیں لیکن درج بالا پیمانوں میں دوسرے معاشرے ہم سے بہت آگے ہیں۔

چنانچہ اس اُمت کی نجات کا راستہ صحیح مسلمان بننے کے ساتھ ساتھ درج ذیل چار نکات پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ ہم مقابل طاقتوں سے امن کا وقفہ حاصل کریں۔ یعنی ہم اُن سے امن خرید لیں گویا وہی حکمت عملی اختیار کریں، دوسرا یہ کہ ہم جمہوری کلچر اپنالیں، تیسرا یہ کہ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کو اپنا مقصد اولین قرار دیدیں، اور چوتھا یہ کہ ہم جذباتیت سے مکمل پرہیز کرکے بنیادی اجتماعی صفات میں اپنے آپکو دوسری اقوام سے بہتر مقام پر لے آئیں۔ ان گذارشات کی روشنی میں جب آپ محمد عزیز سائر کی کاوش کا مطالعہ کریں گے تو آپ کے سامنے نئے نئے زاویئے آئیں گے اور غور و فکر کے لئے راستے کھلیں گے۔ پروردگار ہمیں صحیح نتائج تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں محمد عزیز سائر کی سلامتی فکر کے لئے دُعا گوں ہوں۔

ڈاکٹر محمد فاروق خان

مردان- ۲۰۰۵ء

اتمام حجّت

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آج کے دور پر فتن میں اسلام کے صریح احکامات کو نشانہ تضحیک بنانے کے ساتھ انہیں مسلمانوں ہی کے ذہنوں میں مشتبہ بنانے کی کوششیں بڑی زور وشور سے جاری ہیں۔ اور اسلام کے دشمن ہر میدان میں اسلام کے مقابلے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ کوششیں ازل سے جاری تھیں لیکن صلیبی جنگوں میں بُری طرح شکست کھانے کے بعد صلیبیوں نے سنجیدگی سے غور کیا تو اسلام کے خلاف اپنے لئے علمی میدان کو منتخب کیا۔ اور فتنہ استشراق کے نام سے اسلام کے خلاف ایک عالمی تحریک وجود میں آئی جو یہود و نصاری دونوں پر مشتمل تھی۔ اس تحریک نے اسلامی علوم کا گہرا مطالعہ کیا اور دنیا کے مختلف حصوں میں انہوں نے یونیورسٹیاں بنائیں۔ جہاں قرآن و سنت کے علوم کو سکھایا جانے لگا۔ آج بھی ہمارے کچھ لوگ یورپ کے انہی یونیورسٹیوں میں جاکر دینی علوم میں سپیشلائزیشن کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ یہ ساری تحقیق کرنے والے وہ لوگ تھے جو مسلمان نہیں تھے لیکن انہوں نے اس علمی میدان کو اسلام کے خلاف خوب استعمال کیا اور ہماری نئ نسل انہی کے سوالات کو دہرا رہی ہے۔

انہوں نے اپنی مرضی اور عربی لغت سے قرآن کریم کے ترجمے اور احادیث کی شروح شائع کیں، جو آج بھی دنیا کی بڑی بڑی لائبریریوں کی زینت ہیں۔

اس سلسلے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ یہ پوری تحریک بڑے زور و شور سے جاری ہے لیکن مسلمان علماء و مفکرین اور دانشوروں نے اس کی طرف کماحقہ توجہ نہیں دی ہے۔ اور حقیقی اسلام کی تشریح کے لئے یورپین زبانوں میں خصوصاً کوئی قابل قدر کارنامہ انجام نہیں دیا گیا۔ جس کی آج بھی بڑی شدید ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ صرف فرانسیسی زبان میں قرآن کے تقریباً ۳۶ ترجمے شائع ہوئے ہیں۔ جن میں زیادہ مشہور (ریجس بلاشیر) Rigis Blachair کا ترجمہ قرآن ہے۔ اور ان تراجم کی اکثریت مستشرقین کی ہے۔ حتیٰ کہ ہمیں تو ابھی یہ فکر لاحق ہے، کہ دینی لحاظ سے ایک حد تک محفوظ خطہ برصغیر پاک و ہند بھی تقریباً اسلام سے عملی بغاوت پر اُتر آیا ہے۔

برادر محترم محمد عزیز سائر صاحب کی کتاب (مقامِ فکر) اس لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ انہوں نے اُمت مسلمہ کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے، اور اُمت مسلمہ کے اُردو دان طبقہ پر عظیم احسان کیا ہے کہ انہیں بیدار کرنے اور اصل اور حقیقی اسلام ان کو سمجھانے کی بڑی مبارک کوشش فرمائی ہے۔

مسلمانوں کو سب سے زیادہ جس چیز نے نقصان پہنچایا ہے۔ وہ آپس کے اختلافات اور فرقہ پرستی اور لسانی، نسلی اور علاقائی بنیادوں پر ان کی تقسیم ہے جس نے مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کو ختم کر کے اُمت مسلمہ کو بالکل کھوکھلا بنادیا ہے حتیٰ کہ ہمارے صدر مملکت نے دعویٰ کیا کہ (سب سے پہلے پاکستان) یعنی وطن دین سے پہلے ہے۔ اقبال رحمہ اللہ نے فرمایا تھا۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو اس کا پیراہن ہے وہ مذہب کا کفن ہے

محترم محمد عزیز سائر نے اپنی اس کتاب میں مسلمانوں کے زوال اور تنزل کے اسباب کا بڑے گہرائی میں اُتر کر جائزہ لیا ہے اور پھر ان کو بالکل نمایاں کر کے قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اب جو آنکھیں رکھتا ہے اور دل و دماغ اور عقل سلیم رکھتا ہے اُس پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ آج کے اس پر فتن دور میں اُس کی ذمہ داری کیا ہے اور زوال و تنزل کی اس حالت سے نکل کر اپنی عظمت رفتہ کو کیسے بحال کیا جا سکتا ہے؟

اور آج ہمارے مسلمان بھائی جو اسلام کو چھوڑ کر سوشلزم، کمیونزم، لبرلزم اور نیشلزم کے پیچھے چل پڑے ہیں، اُن کے لیے یہ کتاب اِتمامِ حجّت کی حیثیت رکھتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمارے بھائی محمد عزیز سائر کو مزید توفیق عطا فرمایے اور اُن کے قلم سے نکلنے والے یہ درد بھرے جملے اور احساسات پوری اُمت کے دلوں میں منتقل فرمادے۔ امین یارب العالمین۔

محمد اسماعیل

ڈائیریکٹر تفہیم دین اکیڈمی۔ حیات آباد۔ پشاور

تاثرات

الحمدللہ! کہ ذاتی، پیشہ ورانہ اور معاشرتی مصروفیات کے باوجود اُس نے اتنا موقع فراہم کیا کہ برادرم محمد عزیز سائر صاحب کی کتاب (مقامِ فکر) سرسری طور پر پڑھ کر اپنے تاثرات سپرد قلم کررہاہوں اور آپ کے حوصلے و ایثار کو دیکھ کر یہ احساس اپنے اندر راسخ پاتاہوں:

نہیں ہے نا اُمید اقبالؒ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرانم ہو تویہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

لکھاری تو قدم بہ قدم ارض پاکستان پر موجود ہیں لیکن میرے علم و اطلاع کے مطابق اپنے صوبہ خیبر پختونخواہ میں اُردو قومی زبان کے لکھاری گنتی کے چندلوگ ہیں اور اکثر اسلامی ادب سے ناشناس ہیں۔ گویابقول اقبالؒ:

تیرے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے
تیرا دم گرمئ محفل نہیں ہے

دنیائے اسلامی ادب میں برادرم کا یہ اضافہ اگرچہ اُونٹ کے منہ میں زیرہ کا مصداق ہے۔ لیکن حضرت یوسفؑ کی بولی میں حصہ لینے والی بوڑھی خاتون نے آپؑ کی قدر و منزلت اور

شان عقیدت کی جھولی میں اپنا حصہ ڈال کر آپؐ کے خریداروں میں تاہنوز زبان زدعام ہے اور ان شاء اللہ رہتی دنیاتک یاد ہوتی رہیگی۔ اور دنیاکے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ میں سے کھجور کے دانے لانے والے صحابیؓ کی طرح اللہ کے دربار میں بھی قدر و منزلت کے مقام پر انشاء اللہ فائز ہو گی۔ اسی طرح برادرم نے نہ صرف اُردو اسلامی ادب میں حصہ ڈالا بلکہ مسلمانان دنیا کو بالعموم اور پاکستان کو بالخصوص آئینہ دکھاکر اپنے تاریخی مقام عظمت رفتہ اور زوال مع اسباب زوال، وجوہات، قرآن و حدیث فقہائے کرام و سکالرز کے اقوال کی روشنی میں منظر عام پر لایا اور نہ صرف مرض کی تشخیص کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جان لیوا مرض میں مبتلا اُمّت مسلمہ کے لئے حاذق حکیم کے طور پر نسخہ بھی بتایاہے۔

مصنف و مؤلف نے واضح کیا کہ نبیؐ محترم کی رسالت کا نصب العین کیا تھا؟ اور اب اس سے فرار کے نتیجے میں کیا ہو رہا ہے؟ دراصل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک کسی قبیلے و رنگ، نسل، علاقے اور وطنیت کی تحریک نہ تھی بلکہ امام انسانیت نے اُنہیں تصور اُمّت دے کر جس سے عالمی سطح پر اہل اسلام کو اپنا کردار اور نظریہ جو امن کی ضمانت تھی، اُبھارنے اور اپنا مقدر سنوارنے کا موقع نصیب ہوا۔

مصنف و مؤلف نے مسلمانوں پر واضح کیا کہ ہم نے خود ہی اپنی تباہی کو راستہ دیاہے۔ اس ملک میں روز اول ہی سے سیکولر قیادت اور نظریہ پاکستان کے حامی قائدین کے درمیان اغیار کے اشاروں اور منصوبوں کے طفیل سرد جنگ شروع ہے اور اب حالات یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ کہ کبھی آزادی نسواں بل اور اسلامی پاکستان میں میراتھن ریس میں غیور قوم کے سپوت اپنی ہمشیراؤں کے ساتھ شرکت پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ بلکہ اس پر طرّہ یہ

کہ ماں حوا کی بیٹیاں Ramp پر نخرے دکھاتی ننگ قوم و ننگ دین بنی ہوئی ہیں۔ حتٰی کہ ملک کا وزیر اعظم اور سیکولر قائدین امریکہ سے تھپکی لے کر کولیشن سپورٹ فنڈ کا وعدہ مزید پکا کراتے ہیں۔ اور نفرت کو لیبرل، سیکولر فاشسٹ دیہاڑی داروں نے ہوا دی۔ اور ہر داڑھی رکھنے والے کو کاغذی طالب اور داعش کا سپاہی قرار دینے کی سر توڑ کوششیں شروع ہیں۔

بتوں سے تجھ کو ہیں اُمیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

موصوف نے واضح کیا ہے کہ سارا کھیل اسلام کا کمبل چرانے کو کھیلا جارہا ہے اور مسلمان قوم بحیثیت مجموعی خواب غفلت میں پڑی ہوئی ہے اور سود و زیان سے بے خبر ہے۔

بقول شاعر مشرق:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اور یہ سارے ڈرامے رچانے والے مغربی آقاؤں کی طفل تسلیاں اور سفارت خانوں میں اموات اور زخمیوں کے لئے دعائیں دینا کیا معنی رکھتے ہیں۔ گویا کہ تم ہی نے درد دیا ہے۔ اور تم ہی دوا دوگے۔

یابقول شاعر:

ہوئے تم دوست جس کے - دشمن اس کا آسماں کیوں ہو۔

میں ان کی کتاب پر تاثرات لکھنے کی غرض سے قلم اُٹھا کر یقیناً خود پر کپکپی سی طاری محسوس کرتا ہوں کیونکہ ایک طرف اپنی کم فہمی اور اُردو ادب تو چھوڑ کر زبان اُردو کے معاملے

میں بھی تہی دامن ہوں اور بقول کسے - کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا؟
میں مصنف کی صلاحیت کو دیکھ کر مزید آگے بڑھنے کے لئے دُعا گو ہوں اور بقول اقبالؒ:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کا امتحان اور بھی ہیں

در حقیقت کتاب پڑھ کر یقین نہیں آرہا کہ ایک پختون، افغان لکھاری اور پھر بالخصوص نہایت ہی پسماندہ اور علمی لحاظ سے گھٹاٹوپ اندھیروں کا مسکن علاقہ بونیر کا ایک سپوت اس جانگسل کارنامے کو سرانجام دینے والا بنا۔ اور مسلمان قوم کو احساس دلاتا ہے کہ:

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

آپ نے ہونہاری، جفاکشی، زوال اُمت مسلمہ پر غمگینی اور علم دوستی کی تاریخ رقم کر دی۔

این سعادت بہ زور بازو نیست
کہ نہ بخشند خدائے بخشندہ

حیران ہوں کہ اس ہیرے کو کونسا جوہری کمال فن نے تراش خراش کرکے جگمگایا کہ سلیس مگر با محاورہ، ضرب الامثال، تشبیہات اور بر موقع و محل اشعار سے جیسے اپنے پرانے معشوق کے حسین و جمیل، چاند چمکیلے رخسار پر غازہ سجادیا ہے۔ آپ نے موجود بین الاقوامی حالات اور ماضی کے تناظر میں مسلمانوں کو اسلام سے دوری کے اسباب مثلاً فرقہ بندی، مختلف مسالک پر ایک دوسرے کے حرام خون کو جائیز، حلال اور حصول جنت کا زینہ قرار دینا، نسلی اور

لسانی منافرت قوم و وطن کا فتنہ اور دین محمدیؐ کا تناقص اُمت مسلمہ کا شیرازہ بکھیرنے کی اصل نیو گردانتا ہے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو اس کا پیراہن ہے وہ مذہب کا کفن ہے

علم و حکمت مستقبل کے لئے علاج و پرہیز بھی قرآن و حدیث، اسلامی اصول کی روشنی میں موتیوں کو ہار میں پرونے کے مترادف ترتیب دی ہے۔ علم و حکمت کی کمی، نصب العین سے فرار، غیروں کی تباہی کی منصوبہ سازی، خاندانی نظام کا انہدام اور دیگر غیر حساس طور طریقوں کی نشان دہی، الیکٹرانک میڈیا کا گمراہ کن کردار، یہود و نصاریٰ کی قدیمی اسلام دشمنی سے پُر انگیز حربے، غیر اسلامی مروج قوانین، غیر اسلامی موجود آئینی ارٹیکلز، اسلامی بم کا شورو غوغا، سرمایہ دارانہ نظام کی گرفت، شُتر بے مہار سیاسی، سیکولر خود غرض، انا پرست، مغرب پرست قائیدین، ادیب وغیرہ مضامین، عنوانات پر بے لاگ اور منصفانہ تبصرہ کرکے اُمت مسلمہ کو جگانے کے لئے تنبیہ کی ہے۔ (کہ نماز، روزہ، قربانی و حج یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں) اسی طرح موصوف نے ایک دینی سیاسی جماعت کارکن ہونے کے باوجود سابق بین الاقوامی، مایہ ناز شخصیت اور سابق پاکستانی وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کا کارنامہ ایٹمی پروگرام کو بلاروک ٹوک لوح قلم کے حوالے کرکے ایک مسلمان جج کا کردار ادا کیا اور کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا اور اپنے نظریاتی احساس کے مترادف انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

آ تجھ کو بتاتا ہوں کہ تقدیر اُمم کیا ہے

شمشیر و سنان اوّل طاؤس و رباب آخر

مصنف یہ بھی جانتا ہے اور بہ بانگ دہل کہتا ہے کہ قیادت کی بھاگ کس کے ہاتھوں آئی ہے؟ جس کی وجہ سے اُمت مسلمہ، اور اسلام بدنام ہو کر ذلت و رسوائی کے سیلاب میں تنکے کی طرح بہتا نظر آرہا ہے۔ بقول شاعر:

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن

کتاب، نفس مضامین اور مصنف پر کتابیں لکھی جاسکتی ہیں مگر گوناگوں مصروف زندگی میں لمحاتِ فرصت نصیب کہاں؟

کتاب پڑھ کر مصنف کی کاوشوں و فطانت، حساسیت، شعور، درد زوال مسلم، ذہن پر ایک عجیب سی کیفیت طاری کر دیتا ہے اور نسیم حجازی مرحوم کے ناولوں جیسے اثرات ذہن پر سوار ہو کر بیان کردہ حقائق غیر مرئی ہونے کے باوجود ایک مجسم تصویر بن جاتی ہیں۔
بقول اقبالؒ:

چمک سورج میں کیا باقی رہیگی
اگر بیزار ہوا اپنی کرن سے

میں کماحقہ حق ادا نہ کرسکا کیونکہ اس قابل نہیں۔ بس مصنف کے ازروئے محبت اور نظر شفقت نے مجھے یہ اعزاز بخشا ہے یعنی:

یہ سب تیرا کرم ہے آقا
کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

کوئی صاحبِ دل جسمیں ایمان کا معمولی شرر بھی باقی ہو اس کتاب کے پڑھنے سے حقائق سے ناشناس نہیں رہ سکتا کہ ہم کیسے افراد تیار کر کے معاشرہ کو دیتے ہیں۔

گلہ تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا

کہاں سے آئے صدا لاالٰہ اِلاّ اللہ

موصوف نے معاشرے میں مذہبی لبادے میں ملبوس لیکن اپنے نصب العین سے بے خبر ایجارہ داروں سے دوٹوک الفاظ میں مکالمہ کیا ہے۔ کہ اپنی حیثیت پہچان۔ جو بقول اقبالؒ:

نہ تو زمین کے لئے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اور کبھی کبھی مصنف پر احساس درد طاری ہوتا ہے اور نالۂ دل الفاظ کا جامہ پہن کر کہتا ہے کہ:

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

مصنف نے قیل و قال سے گریز کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں وضاحت کی ہے اور محض دعویداری یا اپنی حیثیت سے بے خبر اُمّت مسلمہ کو یاد دہانی کی ہے کہ:

الفاظ و معنٰی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلا کی اذان اور ہے، مجاہد کی اذان اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضاء میں
کرگس کا جہان اور ہے شاہین کا جہان اور

اور پھر امید کی شکل میں ایک خواہش کی درخواست کی جس میں گلہ بھی ہے اور سبق بھی گویا کہ:

اپنے من میں ڈوب کے پاجا سراغ زندگانی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اللہ رب ذوالجلال برادرم مصنف، مؤلف کی یہی قلمی کاوش، جہاد اُن کے اور ان کے والدین خاندان اور ہم جیسے گناہگاروں اور مسلمانان عالم کے لئے ذریعہ عمل، تحریک اور توشۂ آخرت بنادے اور دنیا میں بھی اُمّت مسلمہ کے لئے خوابِ خرگوش سے جگانے کا وسیلہ بنادے۔ اور دعا ہے کہ اس کاوش سے

جوانوں کو میری آہ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے

آمین

شمس الرحمٰن شمس ایڈوکیٹ
ضلعی صدر اور جوائینٹ سیکرٹری
اسلامک لائیرز موومنٹ صوبہ KPK

کاش! ہم عقل کے ناخن لیں

زندگی ایک رزم گاہ ہے جہاں آپ کو ہر وقت ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا پڑے گا۔یہاں پر ہر گزرتے لمحے کے ساتھ حالات بدلتے رہتے ہیں۔اس جنگ میں انسان اپنے حصے کا کردار ادا کرتا رہتا ہے۔ آج کل اگر ہمارے معاشرے کو ایک جنگل سے تشبیہ دی جائے تو شاید نامناسب نہ ہو گا۔جس طرح جنگل میں ہر جانور کو ہر وقت اور ہر لمحہ ہوشیار رہنا پڑتا ہے،اسی طرح اس معاشرے میں رہتے ہوئے ہمیں بھی نہایت محتاط رہنا پڑتا ہے۔

محترم دوست عزیز سائرؔ کی موجودہ کتاب کا مطالعہ کرکے لاچاری اور بے بسی کے ساحل پر افسردگی کے پانی میں گھٹنوں تک ڈوبا ہوا یہ سوچنے لگا کہ اس دہرتی کے اوپر انسان نے انسان ہی پر نہ جانے کتنے مظالم ڈھائے، کتنے ہنستے بستے گھرانے اجڑ گئے، کتنے سہاگ برباد ہوئے اور کتنے بے ضمیروں نے انسانیت کے جنازے نکالے۔ تاہم تاریخ بے رحم قاضی ہوتی ہے اور ایک ایک واقعہ رقم کیا جارہا ہے اور وقت آنے پر تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی۔

نفسا نفسی کے اس دور میں جبکہ ہر طرف مادیت، کفر و الحاد کی یلغار ہے تو مغربی میڈیا نے ساری دنیا پر اپنی طلسماتی طنابیں کھینچ لی ہے اور اپنی دجالی چادر میں سب کچھ سمیٹا ہوا ہے۔مادی ترقیات نے انسان کو مادیت سے اس قدر جوڑا ہے کہ اخلاق اور فکر عالم کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہ گئی ہے۔ساری دنیا فسق و فجور کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے۔کتاب و قلم سے امت کوسوں دور جارہی ہے لیکن پھر بھی چند ایسے بندگان خدا اس دھرتی کے اوپر رہ رہے ہیں۔ جن کے دلوں میں دین مٹنے پر سوز و فکر اور بے چینی اس امت کے لئے درد، کڑھن اور غم اس درجے میں بھرا ہوا ہے جو اپنی مثال آپ ہے اور اپنی تحاریر سے امت کے

مردہ جذبات اور احساسات کو زندہ کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔

موجودہ کتاب کے سلسلے میں سائر صاحب نے تاریخ کے دریچوں میں نہ جانے کتنی کتب کی ورق گردانی کر کے حالات حاضرہ اور ماضی بعید کا نقشہ کھینچا ہے، ہماری معلومات میں نہایت حیرت انگیز اضافے کے واسطے بہت عرق ریزی کے ساتھ مستند حوالوں سے تاریخی تصنیف و تالیف کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اس سے قبل، میں سائر صاحب کی پشتو شاعری (احساس) سے محظوظ ہو چکا ہوں جس کا تذکرہ میں نے اپنے ساتھی عبد اللہ فریادی کی کتاب (غرسنے مینہ) کے دیباچے میں بھی کیا ہے۔ یہ وہم گماں میں نہ تھا کہ سائر صاحب ضلع بونیر کے ایک شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ پایہ ناثر بھی ہے۔ یہ اندازہ اس وقت لگا جب بونیر ہی میں ایک پبلک سکول کے زیر اہتمام منعقدہ پروگرام میں ان سے ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر میں نے ان کی خدمت میں اپنا افسانوی مجموعہ (مدفن کہاں نصیب) بطور ہدیہ پیش کیا تو اس نے کہا کہ وہ بھی اردو زبان میں شاعری کے ساتھ ساتھ نثر نگاری کر رہے ہیں۔ نہایت مسرت ہوئی کہ ہمارے بونیر میں عزیز سائر جیسے اردو کے لکھاری بھی موجود ہیں۔

اب جبکہ ان کی کتاب کا مسودہ میرے ہاتھ میں ہے، اس کا ملاحظہ کر کے انگشت بدنداں رہ گیا کہ اس نے قومی زبان میں جس فنکارانہ انداز میں اپنے خیالات و احساسات کا اظہار کیا ہے، یقیناً قابل رشک ہے۔ ایک طرف تو یہ مضمون کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے جبکہ دوسری طرف اردو زبان میں تحریری غلطیاں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں پائے۔ سائر صاحب کی موجودہ کتاب اسلامی مضامین پر مبنی ایک انمول موتی ہے جنہوں نے اپنی وسیع مطالعہ اور مستند کتب سے زبوں حال امت کی فکر میں حقائق اسلامیہ اور معارف علمیہ کو بیش از بیش سیراب کرنے کی سعی کی ہے۔ اس دور میں جبکہ دنیا اسلام فکر نظام نو کے تجسس میں ہے محترم سائر کے مضامین نہ صرف دور حاضر کے لئے روشنی کا مینار ہیں بلکہ آنے والے دور کی اُلجھنوں کو سلجھانے میں بھی غایت درجے کے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

زمانے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر کلمہ گو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا پیکر بن کر دنیا کو نیکی کی راہوں پر گامزن ہونے اور برائی سے بچنے کی ہدایت کرے۔ یہ اس امت کی ذمہ داری ہے مسلمانوں کے عروج اور وارث ارض ہونے کی اصل علت بھی یہی ہے کہ وہ دنیا میں اعمال حسنہ انجام دینگے۔ دراصل امم قدیمہ کی گمراہی کا اصل سبب یہ تھا کہ یہ فریضہ علماء اور رؤساء کے قبضہ اقتدار میں رہا۔ ان کی من مانی تھی جب تک وہ حق پر رہتے قوم قائم رہتی، جب وہ گمراہ ہوئے قوم برباد ہوئی۔ اسلام میں اس فریضہ کو ہر فرد کے ذمے قرار دیا۔ ہر مسلمان جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اقرار کرتا ہو وہ اپنی زندگی کو قیام حق اور انسداد باطل کا ذمہ دار ٹھہرائے اور اس امت کی تمام قوتیں صرف اس لئے ہوں گی کہ وہ نیکی کی نصرت کریں اور برائی سے روکے۔ یہ صحابہ کی صفت تھی۔ اب یہ انسان کے اپنے بس کی بات ہے خواہ ہاتھ سے، زبان سے یا کم از کم دل سے ادا کرے۔ ماضی قریب میں اگر یہ فریضہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تحریر سے انجام دیا ہے تو مولانا الیاسؒ نے یہ تقریر تبلیغ سے انجام دیا ہے۔ شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید نے یہ تلوار سے ادا کیا جبکہ مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نے درس و تدریس، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا محمود الحسن نے سیاست اور علامہ محمد اقبال نے شعر و شاعری کے میدان میں نمایاں کوششیں کی ہیں.

اس کڑی میں اس کاروان خیر میں ہمارے ساتھی محترم عزیز سائر صاحب نے اپنے دل کے ٹکڑے ٹکڑے صفحہ ہائے قرطاس پر بکھیر دیے ہیں۔ خدا کرے کہ دعوت حق کے اس علمبردار کی یہ کاوش مظلوم اور بے کس امت کو بشارت سے نوازے اور اپنے بزرگوں کی طرح دنیا کے لئے رحمت و خیر ثابت ہو۔ آمین

موسیٰ گل گل اعوان

جنرل سیکرٹری پشتو ادبی ٹولنہ پیر بابا بونیر

۱۸ مارچ ۲۰۱۶ء

مقام فکر دعوت فکر کا ساز گار میدان

کہاوت ہے کہ چھوٹا منہ اور بڑی باتیں۔ میں بندہ ناچیز عقل کا کورا اور علم سے خالی اور یک ایسی کتاب پر تبصرہ جو نہ صرف دینی اور مذہبی حوالے سے معلومات کا خزانہ ہے۔ بلکہ قومی اور بین الاقوامی تناظر میں تحریر شدہ سیر حاصل بحث کا بیش بہا گنجینہ بھی ہے۔

اس میں وطن عزیز کی محرومیوں کا بلیغ انداز میں عکس بندی کی گئی ہے۔ مسلمانوں کی پستی، کسمپرسی، زوال اور زبون حالی کا تبصرہ بھی موجود ہے۔ اور ساتھ ساتھ اُنہیں خواب خرگوش سے جگانے کے لئے اُن کے دشمن نمبرون کا منحوس چہرہ، اس کی دوستی کے تقاضے اور عہد وپیمان کا پس منظر اور پیش منظر بھی سادہ اور سلیس پیرائیے میں سموئے ہوئے ہیں۔

(مقام فکر) جیسا کہ نام سے واضح ہے۔ اُس میں پسی ہوئی قوموں کے لئے عموماً اور پاکستانی و مسلمان قوم کے لئے خصوصاً درس عبرت اور اُولو الالباب کے لئے واضح منزل کی نشان دہی ہے۔ یہ کتاب غلامی کا بندھن توڑ کر ایک ایسا روڈ میپ مہیا کرتی ہے جو شیشے کیطرح شفاف اور ہموار ہے۔

کتاب کو دلکش جامہ ذیبی سے سجا کر قاری کی توجہ اور دھیان کے تسلسل کو آخر تک برقرار رکھ کر دلوں میں گھر اور جذبوں میں کامیاب منزل کی جانب عملی اُٹھان اور ہیجان پیدا کرتا ہے۔

مصنف و مؤلف موصوف ایک ماہر معالج اور سرجن کی طرح تیسری دنیا اور آج کی اُمّت مسلمہ کے بیمار وجود، گرتے اعصاب، اور بوجھل رگوں کی تشخیص، کامیاب اپریشن اور پرہیز کے سارے رُموز تکنیکی اور فنکاری کا ملکہ رکھتے ہیں اور مذکورہ تینوں مراحل کی اپنی کتاب میں خوب طبع ازمائی کی ہے۔

مؤلف و مصنف محمد عزیز سائر کی شخصیت اپنے نام کا ترجمان ہے۔ وہ سینے میں ایک سچے مسلمان کا دل اور پختہ نظریاتی غیر متزلزل اعصاب رکھتے ہیں۔ جیش محمدؐ کو عزیز اور قرآن اور کیمیائے قرآن کو سارے سماوی وارضی کتابوں پر فائق، لائق او سائرؔ سمجھنا آپ کے ایمان کا جزلاینفک اور نقطہ اول و آخر ہے۔ اوریہی سوغات خداوندی دنیا و عقبیٰ کی کامیابی کے رُموز اور فلسفہ لازوال کی ضمانتیں نہیں تو اور کیا ہے؟

سائرؔ صاحب کو رب کریم نے قلم اور تحریر و تفسیر کے جس میدان سے نوازا ہے۔ وہ نہ صرف اسے بعد از مرگ قرطاس ابیض پر دوام بخشے گا بلکہ انشاء اللہ اُخروی زندگی میں آپ کے لئے وصال جاویدانی کا میٹھا ثمر اور حیات جاویدانی کی سوغات بن کر اُسے دیدار یار سے بغل گیر کرے گا۔

نفسانفسی، خود غرضی اور دنیا و دنیا داری کے اس مشینی اور مادہ پرستانہ دور میں مذہب اور روحانیت کی بات کرنا، انسانوں کی حقیقی تسکین اور خوشحالی کیلئے سبیلیں تلاش کرنا، اور اُن کے حصول کیلئے دو تریاقوں کو ٹھوس اور مربوط سندوں کے طور پر پیش کرکے دعوت عام دینا کہ قرآن و سنت کی دعوت لے کر اُٹھو اور ساری دنیا پر چھا جاؤ صرف اور صرف ملت

اسلامیہ کے متوالوں اور پتنگان محمدیؐ کا وظیفہ و منصب ہی ہو سکتا ہے۔

سائرؔ صاحب خوش قسمت ہے کہ انجمن محمدیہؐ کے رجسٹر میں اپنے نام کے اندراج کی سعادت پاتا ہے۔ آپ کو اس دینی اور تاریخی کاوش پر جتنا ہی داد و افرین دی جائے کم ہو گی۔

آخر میں بارگاہ ایزدی میں التجاء بہ لب ہوں کہ موصوف کی یہ علمی کوشش عالم انسانیت کے لئے عموماً اور مسلمانان عالم کے لئے خصوصاً خودی و خود داری، بیداری اور دینداری کا سبب بن جائے اور اللہ کے حضور شرف قبولیت حاصل کرے۔

آمین یا رب العٰلمین

حیدر علی اخون خیل۔بونیر

مورخہ ۲۲ اپریل ۲۰۱۶ء

فخرِ اسلام اور فخرِ پاکستان

پیارے دوست فضل غفار شیخ کی وساطت ایک ایسے علم دوست لکھاری جسے علم و فن سے انتہائی لگاؤ اور مطالعے کا جنوں کی حد تک شوق ہے کے مطالعے کے مأخذ سے شناسائی ہوئی۔ یہ صاحب علم و نظر جناب محمد عزیز سائر ہے۔

ہوا یوں کہ خوش قسمتی سے موصوف کی کاوش کتاب کی صورت میں زیر مطالعہ آئی اور مطالعے سے پتہ چلا کہ محترم سائر صاحب حقیقت میں ایک سنجیدہ، مخلص اور زیرک (جینس) انسان ہے۔ موصوف نے جس خلوص سے اپنے پسندیدہ موضوع پر قلم اور قدم اُٹھایا ہے یقیناً قابل صد آفرین اور داد و تحسین کا مستحق ہے۔

یہ کاوش دین اسلام، مطالعہ اسلام اور مطالعہ اقوام عالم کا ایک جامع تبصرہ ہے۔ بین السطور مصنف جو عکس بحوالہ قرآن و سنت مسلم اُمّہ کا کھینچنا چاہتا ہے۔ وہ متقاضی حال ہے۔ بظاہر تو یہی کاوش مسلمان ہونے کے ناطے مصنف کا عقیدہ ، نظریہ اور حب الوطنی نظر آرہا ہے لیکن حقیقت میں جو لحہ فکریہ اس کے پیچھے کار فرما ہے وہ قابل تجسس و جملہ استفہامیہ ہے۔ اس لحۂ فکریہ کو مصنف نے (مقام فکر) کا نام دے رکھا ہے اور وہ اس لئے کہ مسلم اُمہ کی بدحالی، بے چینی و بے قراری امروز سب کے سامنے ہے۔ حالات، واقعات اور عصر حاضر کے تمام الام و مصائب کا بوجھ یوں سمجھئے کہ مسلمان کے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔

ان حالات میں کیا ایک باشعور اور باضمیر مسلمان قلم کار صرف خاموش تماشائی بن کر رہے گا۔ اسی سوال کے جواب نے محمد عزیز سائر جیسے ذہین لکھاری کو اکسایا ہوا ہے۔

"مقام فکر" کو ایک جذباتی کوشش نہ سمجھا جائے بلکہ اس کاوش کے پیچھے مصنف کا وہ جذبہ وخلوص کو تلاش کیا جائے جسکی تشفی کے لئے مصنف نے دن رات محنت وریاضت کی ہے۔

ایک عام قاری کی حیثیت سے میں محمد عزیز سائر کی معتبر شخصیت اور علمی مرتبے کو ایک ایسے مقام پر دیکھتا ہوں جس مقام پر فائز ہونے کیلئے لوگ ترستے ہیں۔ جن لوگوں نے دنیا میں عزت و احترام کا مقام پایا ہے اس کے لئے اُنہوں نے دن رات محنت کی ہے تب اُنہوں نے لوگوں کے دلوں میں جگہ حاصل کی ہے۔

محترم سائر صاحب بھی مجھے ان جیسے خوش نصیب لوگوں کی صف میں کھڑا نظر آرہا ہے اور (مقام فکر) مذہبی، علمی، ادبی، فکری اور اخلاقی حوالے سے ایک معتبر مستند حوالہ اور استعارہ ہے۔ دُعا ہے کہ مصنف فخر اسلام اور فخر پاکستان کہلائے۔ آمین

پروفیسر ہمایون ہمدرد

(ممتاز رائیٹر پی ٹی وی و اے وی ٹی خیبر - تمغہ حسنِ کارکردگی)

گورنمنٹ خوشحال خان خٹک کالج اکوڑہ خٹک

۱۳ اپریل ۲۰۱۶ء

عالمِ اسلام کا مستقبل

برادر مکرم محمد عزیز سائر صاحب نے اپنی کتاب کا نام اگرچہ (مقام فکر) رکھا ہے۔ تا ہم اس کا موضوع عالم اسلام کا مستقبل ہی ہے۔ مصنف کا درد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کی امّت اجابت کس طرف جا رہی ہے؟ آگے جو بڑی کھائی یا خندق ہے، جو تباہی اور بربادی ہے وہ اس کو نظر کیوں نہیں آرہی؟ قرآن پاک کے پارہ (١٠) سورۃ (انفال) کی آیت میں صاف طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ ((آپس میں جھگڑے مت ڈالو تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہارا رعب جاتا رہے گا)) یہ تنبیہ مسلمانوں کی نظروں سے کیوں اوجھل ہو گئی ہے؟ اس درد اور فکر نے سائر صاحب کو (مقام فکر) تک پہنچا دیا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اس مقام پر ہونا چاہیئے۔ مسلمانوں کے زوال کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ بنو امیہ کے دور سے اب تک یہی دو وجوہات دیکھی جا سکتی ہیں۔ پہلی وجہ جہالت ہے دوسری وجہ جاگیر داریت اور بادشاہت ہے۔ مسلمان ملکوں میں خام تیل کی ریفائنریاں عیسائیوں اور یہودیوں نے مسلمانوں کی جہالت سے فائدہ اُٹھا کر قائم کی ہیں۔ مسلمانوں کے قدرتی وسائل پر محض مسلمانوں کی جہالت کی بناء پر غیروں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ آج عالم اسلام کو فرقہ وارانہ بنیادوں پر ایک دوسرے سے لڑنے والے عیسائی اور یہودی نہیں ہیں۔ یہ کام بادشاہوں، چوہدریوں، نوابوں، جاگیرداروں اور بڑی بڑی قبروں کے کھرب پتی مجاوروں کا ہے۔ جو پیر اور مخدوم کہلاتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ، احمد بن حنبلؒ، امام غزالیؒ، شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہؒ نے اس طاغوتی نظام کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا تھا۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس شیطانی چکر کو ختم کرنے کے لئے آواز اُٹھائی تھی۔

(مقام فکر) کا مطالعہ کرتے ہوئے ماضی قریب کے دو تاریخی واقعات اور آثار یاد آتے ہیں۔ ۱۳۴۳ سے ۱۳۸۶ء تک ۴۳ سالوں میں یورپ کے اندر ویانا سے لیکر ہائیڈل برگ تک ۴ عظیم یونیورسٹیاں قائم ہوئیں ان یونیورسٹیوں سے نامور سائنسدان نکلے جنھوں نے مزید یونیورسٹیاں قائم کیں۔ اس عرصے میں چودھویں صدی میں شام، مصر، ایران، عراق اور ہندوستان میں ۱۹ قلعے اور مزارات تعمیر ہوئے۔ جن سے مسلمانوں کو ایک پیسے کے برابر فائدہ آج تک نہیں ہوا۔ ہر بادشاہ چاہتا تھا کہ مسلماں جاہل رہیں اور میرے غلام بنیں۔ دوسرا بڑا واقعہ اٹھارویں صدی کا ہے جب ایک پادری کے بیٹے مارٹن لوتھر نے پاپائیت کے خلاف بغاوت کا پرچم اُٹھایا عیسائی مذہب میں پروٹیسنٹ تحریک کو کامیاب کیا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے راستے کھول دیے۔ ورنہ پادریوں نے بلب کی ایجاد کو مذہب سے بغاوت قرار دے کر سائنسدان کو واجب القتل قرار دیا تھا۔ "**مقام فکر**" اصل میں دعوت فکر ہے چراغ سے چراغ جلتا ہے اور روشنی پھیلتی ہے۔ اللہ علم کی روشنی سے عالم اسلام کو منور کردے۔ آمین

ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی

بالیم لاسپور ضلع چترال

نمبر ا

اسلام سے دوری

ظہور اسلام سے قبل ہر طرح کی جہالت زوروں پر تھی اور سب اپنی اس جہالت پر فخر کرتے تھے۔ عرب کی بے آب و گیاہ سرزمین کو حد درجہ ناانصافی کی ظلمتوں نے گھیر رکھا تھا۔ دنگا فساد اور قتل و قتال معمول بن چکا تھا، شراب و کباب کی محفلیں اور زنا سرِ عام تھا اور اس قبیح فعل میں انہیں عار تک محسوس نہ ہوتی تھی۔

سماجی انصاف کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ انسانیت مر چکی تھی اور ہر جا حیوانیت کے مظاہرے عام تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر بھی کُشت و خون کا میدان کارزار گرم ہوتا تھا اور پھر دشمنی کا یہی سلسلہ کئی انسانی پُشتوں تک جاری رہتا۔

یعنی وہ اوصاف وصفات حمیدہ جس کی بدولت حضرت انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ

حاصل ہے سب اُس معاشرے میں ناپید تھے۔ بس ایک جنگل نُما منظر تھا جس میں خون خوار بھیڑئے ہر وقت کمزوروں اور لاغروں کے شکار کے لیے تاک میں رہتے تھے۔ نہ کوئی قانون تھا اور نہ ہی کوئی ضابطہ جو ظلم و جُور کے اس طوفان کا رُخ موڑتا اور کمزور کا محافظ بنتا۔ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کے قاعدے مروج تھے، خواتین کے استحصال کا یہ عالم تھا کہ انہیں حق دینا تو دور کی بات اُنہیں زندہ در گور کی جاتی تھیں۔

ممتاز محقق اور عالم دین محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ قبل از اسلام زمانہ جاہلیت کا نقشہ اپنے الفاظ میں یوں کھینچتے ہیں:

"زمانے پر نظر ڈالیئے تو دنیا ہی کا مرقع نظر آتا ہے۔ ہر چیز غلط شکل یا غلط جگہ پر نظر آئے گی، اس معاشرے میں بھیڑئے کو گلہ کی نگہبانی اور ظالم فریق کو فعل خصومات کا کام سپرد کر دیا گیا تھا۔ اس سوسائٹی میں مجرم خوش قسمت اور اسودہ تھے اور نیک سیرت زحمت و کُلفت میں مبتلا تھے۔ اس معاشرے میں اخلاق کی پاکیزگی اور نیک چلنی سے بڑھ کر کوئی جرم اور حماقت، اور بداخلاقی اور بداطواری سے بڑھ کر کوئی ہنر اور قابلیت کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اس معاشرے کے عادات اور اطوار ہلاکت آفرین تھے، جو دنیا کو ہلاکت کے غار میں دھکیل رہے تھے۔ شراب نوشی، بدمستی، بداخلاقی، جنون، سودخواری، لوٹ کھسوٹ اور مال کی محبت بوالہوسی اور جوع البقر تک پہنچ گئی تھی۔ سنگدلی اور بے رحمی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ لڑکیاں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں اور لڑکے بچپن میں قتل کر دیئے جاتے تھے۔ بادشاہ اللہ کے مال کو ہاتھ کا میل اور اللہ کے بندوں کو خانہ زاد سمجھتے تھے۔ عالم درویش خدا بن بیٹھے تھے، لوگوں کا مال کھاتے اڑاتے اور خدا کے راستے

سے خدا کے بندوں کو روکنے کے سوا اِن کا کچھ مشغلہ نہ تھا"۔ [1]

موصوف مزید آگے لکھتے ہیں:

"منظم قوموں کی جگہ بھیڑوں کے چند گلے نظر آتے تھے، جن کا کوئی چرواہا نہ تھا۔ سیاست شتر بے مہار تھی اور قوت ایک تلوار تھی جو ایک بدمست کے ہاتھ پڑ گئی تھی، جس سے وہ خود اپنے اور دوسروں کو زخمی کر رہا تھا"۔ [2]

ایک اور مؤرخ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے بھی اُس دور جاہلیت کی خوب نقاب کشائی کی ہے اور خاص کر دُختر کشی کے عنوان سے لکھا ہے:

"بنی تمیم اور قریش میں دختر کشی کی رسم سب سے زیادہ جاری تھی۔ اس رسم دختر کشی پر وہ فخر کرتے اور اپنے لئے نشان عزت سمجھتے تھے۔ بعض گھرانوں میں یہ سنگدلی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی، کہ لڑکی جب بڑی ہو جاتی یعنی خوب میٹھی میٹھی باتیں کرتی اور اس کی عمر پانچ چھ سال کی ہو جاتی تب اچھے کپڑے پہنا کر سنگ دل باپ خود لے کر بستی سے باہر جاتا جہاں وہ پہلے سے ایک گہرا گڑھا کھود آتا تھا۔ اُس گڑھے کے کنارے اس لڑکی کو کھڑا کر کے پیچھے سے دھکا دے کر گرا دیتا، وہ لڑکی چیختی چلاتی اور باپ سے امداد طلب کرتی لیکن وہ ظالم باپ اوپر سے

---

[1]: انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، صفحہ نمبر 87-88۔

[2]: ایضا

ڈھیلے مار کر اور مٹی ڈال کر اس کو دبا دیتا اور زمین ہموار کر کے واپس چلا آتا اور اس طرح اپنے لختِ جگر کو زندہ در گور کرنے پر فخر کرتا۔ بنی تمیم کے ایک شخص قیس بن عاصم نے اس طرح اپنی دس لڑکیاں زندہ دفن کی تھیں۔ دختر کشی کی اس ظالمانہ رسم سے عرب کا کوئی قبیلہ پاک نہ تھا، مگر بعض قبیلوں میں یہ حرکت کثرت سے ہوتی تھی اور بعض میں کسی قدر کم"۔[1]

تاہم جب اسلام صبحِ آفتاب کے مانند پورے آب و تاب کے ساتھ نکلا تو جہالت کی یہ تمام تاریکیاں دبے پاؤں کھسکنے لگیں۔ فضاؤں سے خوف و حزن کی گھٹائیں چھٹ گئیں اور دنیائے عرب کے گوشے گوشے میں روشنی پھیل گئی۔ جہنم نما سرزمین جنت نظیر بن گئی، خزان رسیدہ چہروں پر بہار کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اسلام ٹھنڈے پانی کا ایک ایسا چشمہ ثابت ہوا جسے پیاسی خلق خدا سیر ہو کر پینے لگی۔ وہ ظلم و استبداد کی چکی میں پِس رہی تھی اور اسلام ان کے لئے مساوات کا پیغام لے کر آیا۔

ابتدا میں وقت کے فرعون اپنی حیثیت اور رتبہ بچانے کے لئے خالق اور مخلوق کے درمیان تو حائل رہے، مگر اسلام کی روشن تعلیمات نے جب رفتہ رفتہ اپنے خوشگوار اور سحر انگیز اثرات پھیلانا شروع کئے تو بنجر تمدن کے ستائے ہوئے صحرا نشینوں اور گلہ بانوں کے ذہنوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسلام ہی اُن کا اصل محافظ اور نگہبان ہے۔ تو اُٹھے، آگے

---

[1]: تاریخ اسلام، جلد اول، ، صفحہ نمبر 59۔

بڑھے اور امن و سلامتی کا عَلَم اُٹھا کر دیکھتے ہی دیکھتے اطراف عالم کے طول و عرض پر چھا گئے۔

پھر وہی لوگ جو قبل از اسلام صرف ظلم سہنے پر مجبور تھے دنیاومافیہا کے مالک بن گئے اور جن کی دور جاہلیت میں کوئی حیثیت نہ تھی دائرہ اسلام میں داخل ہو کر دنیا کے قابل احترام مقام پر فائز ہوئے۔ پھر اسلام کے من و عن پر عمل پیرا ہو کر پورے اخلاص، لگن اور دیانتداری سے تمام خداداد صلاحیتوں کو استعمال میں لاکر وہ گراں قدر کارنامے سر انجام دیئے اور حسن کارکردگی کے حوالے سے وہ انمٹ نقوش چھوڑے کہ ساری دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔

شمع اسلام سے عالم پر چھائے ہوئے کفر کے اندھیرے بھگا دیئے، عدل و انصاف کے نُور سے ظلم و استحصال کے میکدے منور کر دیئے، اونچ نیچ ختم کر دی اور وہ مثالی معاشرہ تشکیل دیا جس کی دنیا سال ہا سال سے متمنی تھی۔

اس کے بعد آنے والے کچھ ادوار میں بھی جب مسلمان اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے رہے، اسلام کا جو عَلَم اُن کے بزرگوں نے اُٹھایا تھا اُسے ہر حال میں سربلند رکھا اور جو پودا انہوں نے لگایا تھا اپنے خون سے اس کی آبیاری کرتے رہے۔ اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کی جستجو میں دن رات مصروف جہاد رہے اور غرور و تکبر کی آلائشوں سے دامن بچا کر خاکساری کے پیکر بنے رہے تو دنیا میں اُنہیں ایک نمایاں اور منفرد مقام حاصل تھا۔ وہ خدا کے محبوب ترین بندے تھے اور خدا نے اپنی دست رحمت ہر دم ان کے سر پر قائم رکھا۔ بڑی بڑی کفریہ طاقتیں اُن سے خوف زدہ تھیں، یعنی ایک رُعب تھا، ایک دبدبہ تھا، ایک عزت تھی، ایک عظمت تھی، ایک آن تھی اور ایک شان تھی۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب اسلام پر مسلمانوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، مسلمان اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی کھلم کھلا نافرمانی کرنے لگے، اسلام کے گھنے چھاؤں سے نکل کر دیگر ادیان اور مذاہب میں پناہ ڈھونڈنے لگے اور تریاق پر زہر پینے کو ترجیح دی تو بتدریج خدائی رحمتیں بھی قہر و غضب میں تبدیل ہوتی گئیں۔ اور انہیں اس نافرمانی اور اسلامی احکامات سے کھلی بغاوت کی ایسی سزا ملی، کہ ذلیل و خوار ہوئے، عزت و مرتبے کے جس اونچے مقام پر ان کا نشیمن تھا، اس سے منہ کے بل گر کر ذلت و مسکنت کے دلدل میں دھنس گئے۔ اُمت مسلمہ کا مضبوط اور تسبیح کے دانوں کی طرح ایک ہی لڑی میں پرویا ہوا جسد واحد منقسم ہو کر بکھر گیا۔ اُن سے دنیا کی امامت کا قابل احترام منصب چھین لیا گیا اور وہ عظیم اسلامی سلطنت جس کی سرحدیں ہزاروں لاکھوں میلوں پر پھیلی ہوئی تھیں یکدم زمین بوس ہو گئی۔

اسلام قرآن کی نظر میں:

ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد اس بات پر پختہ یقین ہے کہ کائنات واحد خدا کی تخلیق کردہ ہے اور وہی کارساز فطرت ہے اور پھر خالق ہونے کی حیثیت سے انسانیت کی بھلائی کے لئے دین اسلام کی صورت میں جو جامع دین دیا ہے۔ اس نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کا خوب احاطہ کیا ہے اور ہر مسئلے کا حل چاہے وہ مذہبی ہو، سیاسی ہو، سماجی ہو یا اقتصادی بطریق احسن

پیش کیا ہے۔ قرآن کے نزدیک اسلام ہی انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔

اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

(فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٣٠)

"پس اے نبیؐ کے پیرو یکسو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی سمت جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی، یہی بالکل درست اور راست دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

قرآن میں دوسری جگہ اسلام کو دیگر باطل ادیان کے مقابلے میں ایک دین حق اور مسلمانوں کو اس پر چلنے کی ترغیب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَالَّذِيْٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝٣٣ (33:9)

"یعنی وہی ذات پاک ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے"۔

ان بیان کردہ ایات مقدسہ کے علاوہ قرآن میں دیگر مختلف جگہوں پر بھی اللہ رب العزت نے اسلام کی حقانیت اور ہمہ گیریت واضح کی ہے اور مسلمانوں کو بالخصوص زندگی ہی

میں اس کی روشن تعلیمات اور اُصول اپنانے پر زور دیا ہے۔ تاکہ وہ دنیا و اخرت دونوں میں عزت و عظمت کے معراج تک پہنچے اور دنیا کی دیگر اقوام کے مقابلے میں اُن کا ایک نمایاں اور ممتاز مقام ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام سے انحراف اور دیگر خوش نما لبادے میں لپٹے ہوئے مصنوعی نظاموں میں پناہ ڈھونڈنے پر متعدد بار تنبیہ بھی کی اور ان نظاموں کے زہریلے اثرات اور تشنگی سے خبردار بھی کیا۔ ارشاد ہے:

كَسَرَابٍۭ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ ٱلظَّمْـَٔانُ مَآءً حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَهُۥ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا ﴿٣٩﴾ (39:24)

ترجمہ: "چٹیل میدان کے سراب کی طرح جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو کچھ نہیں پاتا"۔

مختصراً یہ کہ قرآن عظیم نے دین اسلام کی بجائے دیگر باطل ادیان کی پیروی کو عالم انسانیت کے لئے بار بار زہر قاتل قرار دیا ہے اور اس کی بدولت معاشرت کو پہنچنے والے مختلف النوع نقصانات سے بھی قبل از وقت خبردار بھی کیا ہے اور یہ بات صراحت کے ساتھ کی گئی ہے کہ اسلام ہی انسانیت کی فلاح کیلئے ایک موزون اور مفید ترین دین ہے۔

اس قرآنی تصدیق کے علاوہ انسانی اور خصوصاً عالم اسلام کی مکمل تاریخ بھی مسلمانوں کے سامنے ہے جو اُنہیں قرن اول کے مسلمان کی اسلام سے گہری وابستگی اور اس کی بدولت ان کی معاشرتی اسودہ حالی و خوشحالی اور بعد ازاں مسلمان کی اسلام سے عملی دوری اور اسی کی

وجہ سے ان کی مسلسل رو بہ زوال و رو بہ انحطاط زندگی کی واضح جھلکیاں دکھاتی ہے۔ مگر ان سب اَٹل اور ناقابل تردید حقائق کے باوجود بحیثیت مجموعی مسلمان کی آنکھیں بند اور عقل پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ خالق فطرت اِسے دنیاو آخرت دونوں میں اسلام کے ذریعے ایک عزت اور احترام دینا چاہتا ہے اور وہ بدستور ذلت و مسکنت کی زندگی جینے پر خوش و شاداں ہے۔ خدائے واحد اُسے روشنی کی طرف کھینچ رہا ہے اور وہ اندھیروں میں بھٹکتے رہنے اور ٹامک ٹوئیاں مارنے پر بضد ہے۔ رب العالمین اُسے واضح ہدایات کے ذریعے دنیاوی زندگی کی پُر خار پگڈنڈیوں میں کھونے اور گم ہو جانے سے بچانا چاہتا ہے اور مسلمان یہ جان کر بھی کہ نجات اور سرخروئی ان ہدایات پر چلنے اور اسلامی مشعل تھامنے میں ہیں۔ اُن باطل اور انسان ساختہ نظاموں سے ناتا جوڑ رہا ہے جس کے پیرؤوں خود ذہنی سکون اور اطمینان کے لئے ترس رہے ہیں اور کسی شجر سایہ دار کی تلاش میں سرگرداں مارے مارے پھر رہے ہیں۔

اغیار کی تصدیق:

اگرچہ وہ ازل ہی سے دین اسلام کے ساتھ گہری مخاصمت اور تعصب رکھتے ہیں۔ مگر اسلام کا کمال دیکھئے کہ اس نے دشمن کو بھی متاثر کر کے اعترافِ حقیقت پر مجبور کیا ہوا ہے اور آج وہ بھی اسلام کو وہ سایہ دار درخت قرار دے رہے ہیں۔ جس کے ٹھنڈے چھاؤں میں رہ کر ہی دنیا روحانی اور مادی تسکین پاسکتی ہے۔ ایک مغربی دانشور جی۔ ڈبلیو لائیٹنز اپنی کتاب

"Muhammadanisam Religious System of the World" میں اسلام کے متعلق کچھ اس طرح لکھتے ہیں:

"دنیا میں بہت سے مذاہب آئے جو اپنی اصل شکل کھو چکے ہیں اور ان کی تعلیمات نیست و نابود و ہو چکی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محمدؐ جو مذہب لے کر آئے اس کی تعلیمات کب تک باقی رہیں گی؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں صرف اور صرف محمدؐ کی شخصیت کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اگر یہ شخصیت اپنے قول و فعل کے اعتبار سے ہر دور میں قابل قبول ہے تو پھر اس شخصیت کے ذریعے دنیا میں جو مذہب آیا اس کی تعلیمات بھی جاری و ساری رہیگی۔ اور اگر یہ شخصیت کسی دور میں ناقابل قبول تسلیم کی جاسکتی ہے تو پھر اس کی تعلیمات کا بھی یہی انجام ہوگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ محمدؐ کی شخصیت اور ذات میں ایسی کشش اور جاذبیت ہے جو کسی دور میں کم نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کشش اور جاذبیت میں بنی نوع انسان کے لئے اضافہ ہوتا چلا جائے گا"۔ [1]

جارج برنارڈ شا "Islam our Choice" میں لکھتے ہیں:

"محمدؐ کے مذہب کو میں نے ہمیشہ اس کی حیران کن قوت اور صداقت کی

---

[1]: بحوالہ روزنامہ شمال، 3 دسمبر، 1994ء۔

وجہ سے اعلیٰ ترین مقام دیا ہے۔ میرے خیال میں محمدؐ کا مذہب دنیا کا واحد مذہب ہے جو ہر دور کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے لئے کشش رکھتا ہے"۔[1]

اسی برنارڈ شا نے پیش گوئی کرتے ہوئے مزید کہا تھا.

"مغربی دنیا اسلام کی طرف آرہی ہے اور مستقبل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین یورپ میں مقبول ہو کر رہے گا. در حقیقت یہ دین آج بھی یورپ میں پسندیدہ ہے. در اصل قرون وسطیٰ میں عیسائی مذہبی طبقے نے اپنی ناواقفیت یا پھر گھناؤنی سوچ اور تعصب کی بناء پر اسلام کی تصویر کو زیادہ سے زیادہ بھیانک بنا کر پیش کیا تھا. میرے نزدیک یہ فرض ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کا نجات دھندہ قرار دیا جائے. مجھے پورا یقین ہے کہ ان جیسا آدمی اگر آج دنیا کی قیادت سنبھال لے تو وہ یقیناً ساری مشکلات کے حل میں کامیاب ہو سکے گا اور دنیا کو امن و فلاح سے بہرہ یاب کر دے گا. آج دنیا ان دونوں چیزوں کی کتنی زیادہ محتاج ہے"[(2)]

ایک اور مغربی دانشور شواگ "Understanding Islam" میں رقم طراز ہے:

"اسلام توازن کا مذہب ہے، کیونکہ محمدؐ کی سیرت حیات توازن کا بہترین نمونہ تھی"۔[3]

1: بحوالہ روزنامہ شمال، 3 دسمبر 1994ء

2- نومسلمات.

3: روزنامہ شمال، 3 دسمبر 1994.

انحراف اسلام کا منطقی نتیجہ:

اغیار کے ان اعترافات کے اندر اگر ایک طرف اسلام کی صداقت و حقانیت تسلیم کرنے کا اعلان ہے، تو دوسری طرف اپنے تباہ کن اور ناقص نظاموں سے اظہار برآت اور مسلمانوں کے لئے عبرت وندامت کا سامان بھی ہیں۔ کیونکہ یہ ایک کھلی، روز روشن کی طرح عیاں اور الم نشرح حقیقت ہے۔ کہ آج جس طرح دنیا کے ہر میدان میں مسلمان ٹھوکر پر ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ اور جس طرح زندگی کی ہر شاہراہ کے ہر چوراہے پر مسلسل ناکامیاں اور نامرادیاں ان کا استقبال کر رہی ہیں۔ اس کی بڑی اور بنیادی وجہ صرف اور صرف ان کی اسلام سے عملی دوری ہے۔

اور اگر آج وہ غالب سے مغلوب بنے ہیں، فاتح سے مفتوح، غربت اور پسماندگی ان کی پہچان بنی ہے اور کافر قوتوں کی چاکری اور خدمت گاری ان کا مقدر، تو ان سب کی وجہ یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی مسلمان کا تعلق اسلام سے محض کلمہ طیبہ کی لفظی ادائیگی تک رہ چکا ہے۔ ورنہ ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے بتائے ہوئے اُصولوں اور قوانین سے ہٹ چکی ہے۔ مسلمان کے دل و دماغ میں اسلام کی محبت مر چکی ہے، اور اگر زندہ بھی ہے تو صرف اس شمع راہ گزر کی طرح ہے جسے ہوا کے تیز جھونکے ٹھیک طرح سے روشن ہونے نہیں دیتے، جو کہ نہ بجھتی ہے اور نہ جلنے کی سکت رکھتی ہے۔ مگر پھر بھی اپنی زندگی اور وجود قائم رکھنے کے لئے ایک ناکام اور سعی لاحاصل کشمکش میں لگی رہتی ہے۔ ابوالاعلیٰؒ نے فرمایا تھا کہ:

"افراط و تفریط کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے والی دنیا کو اگر عدل کا راستہ دکھانے والا کوئی ہو سکتا تھا. تو وہ صرف مسلمان تھا. جس کے پاس اجتماعی زندگی کی ساری

گتھیوں کا صحیح حل موجود ہیں. مگر دنیا کی بدنصیبی کا یہ بھی ایک عجیب دردناک پہلو ہے. کہ اس اندھیرے میں جس کے پاس چراغ تھا وہی کم بخت رتوند کے مرض میں مبتلا ہو گیا. دوسروں کو راستہ دکھانا تو درکنار خود اندھوں کی طرح بھٹک رہا ہے. اور ایک ایک بھٹکنے والے کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے "[1]

تو عرب ہو یا عجم ہوا تیرا لا الٰہ اِلّا
لغت غریب ہے جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

●●●

1- (پردہ)، صفحہ نمبر ۳۱

نظم

اگر کسی کو تلخ لگے میری یہ تلخ نوائی
پر زبان صبح و شام پہ آج یہی ہے سچائی

کہ مومن رہ گیا ہے فقط نام کا مومن
کہاں قرآن کا مومن، کہاں یہ ہے ہرجائی

ظاہر میں مؤحد ہے یہ باطن میں بُت پرست
قائم ہے اس کے دل میں اوروں کی خدائی

چہرہ سجائے رکھا ہے سنت سے مزین
سرتاپا اس بے چارے پہ دورنگی ہے چھائی

کاذب بھی ہے، غاصب بھی ، خائن بھی باکمال
ناپید اُس کی ذات میں کونسی ہے برائی

اعمال کے باعث اس پر دنیا ہے خندہ زن
عالم میں ہرجاء اس کا مقدر ہے رسوائی

یہ تو ہوئی ملت کے ایک فرد کی حالت
کیا تونے کبھی نظر بھی اجماع پہ دوڑائی

وہاں بھی بُرا حال ہے اس حال کے مانند
نفاق کے مرض نے کیا ٹوہ لگائی

زبان سے تو سب ہیں ایک اُمت کے دعویدار
کوئی بنا بہائی تو کوئی ہے مرزائی

قرآن اور سنت کا تصور ہوا اوجھل
ذہنوں پہ کسی اور نے دکان ہے سجائی

بیکار گئی اب تک ہر عاقل کی سرزنش
ہے مست اپنی دُھن میں یہ اسلام کا شیدائی

سائرؔ نے بھی جب دیکھا بے حسی کا یہ عالم
اُس نے بھی کی شروع بے ساختہ سر کی دُھنائی

●●●

نمبر ۲

مسلمان اور فرقہ بندیاں

اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کو اطیعو اللہ و اطیعو الرسول کا حکم دیا تو اس کا مقصد واحد اپنے اس پسندیدہ گروہ اور قوم کو نفاق اور انتشار جیسی آلائشوں سے بچانا اور اُسے ایک توانا، قوی اور مضبوط جسامت کی حامل قوم بنانا تھا۔ کیوں کہ پیغمبرانہ ذمہ داریوں کا جو بار گراں اُن کے کندھوں پر ڈالا گیا تھا۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ براں ہونے کے لئے اُن میں ایک بھرپور توانائی اور قوت کی ضرورت تھی اور یہ تمام اچھی باتیں باہمی اتحاد و اتفاق ہی میں مضمر ہیں۔

اس کے علاوہ انہیں ذلت و رسوائی کے اس جہنم میں گرنے سے بھی بچانا چاہتے تھے جس کی دیگر اقوام اپنی بد اعمالیوں اور خاص کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار اور باہمی عداوتوں، نفاق و افتراق کے باعث ایندھن بن چکی تھیں۔

کچھ عرصے تک مسلمان اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر سختی سے کاربند رہے، اپنی ہر خواہش اورآرزو پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو مقدم رکھا اور پوری یکسوئی کے ساتھ وہ عظیم مشن ساتھ لئے آگے بڑھتے رہے، جسے اللہ نے انہیں سونپا تھا۔ اگر معاملات میں کسی مرحلے پر وہ کسی پیچیدگی کا شکار ہوتے تو فی الفور راہنمائی کے لئے احکام الٰہی اور احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے۔ اور پھر اُنہی ہدایات کی روشنی میں اپنے معاملات کو سدھارتے اور ان ہدایات و تعلیمات کی بجائے اپنے لئے من پسند راہ اپنانے سے گریز کرتے تھے۔

یہ اُنہی تعلیمات کا اثر تھا کہ مسلمانوں میں اتحاد، اتفاق اور باہمی ہمدردی کے جذبات فروغ پائے اور پوری اُمت مسلمہ کو اس جسد انسانی کے مانند بنادیا جو کہ بظاہر اگرچہ مختلف اعضاء کا مجموعہ ہے اور اس کا ہر عضو اپنے ایک الگ فرض مامور ہے۔ مگر پھر بھی ان میں اتنی تڑپ ہوتی ہے کہ ہر وقت ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشکل اور مصیبت پر غم زدہ ہو کر دراصل ایک پر بھاری پڑنے والا بھاری بھر مصائب کا بوجھ باہم تقسیم کر دیتے ہیں۔ یعنی جس طرح پیر کو ٹھوکر لگ جائے تو ہاتھ فوراً مدد کے لئے پہنچ جاتے ہیں، دل و دماغ کی کیفیت اذیت ناک ہو جاتی ہے، آنکھیں پُر آشوب اور بعض اوقات سارا جسم شدت تکلیف سے بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

بالکل اسی طرح ان کی باہمی ہمدردی اور غم خواری کا یہ عالم تھا کہ چاہے دنیا کے کسی بھی کونے میں کسی مسلمان کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچتی تو ایران سے لے کر شمالی افریقہ تک اور اُندلس سے لے کر بغداد تک ساری اُمّت مسلمہ تڑپ اُٹھتی تھی اور اُس وقت تک بے چین اور حالت کرب میں رہتی تھی جب تک متاثرہ مسلمان مذکورہ تکلیف سے نجات نہ پاتے۔

یہ دور اگرچہ قلیل اور نہایت ہی مختصر دور تھا۔ مگر آج بھی اتحاد و یگانگت اور مسلمانوں میں باہمی رواداری کے حوالے سے تاریخ انسانی میں ایک حسین اور بے مثال دور گردانا جاتا ہے۔

تاہم اسے آپ مسلمانوں کی بد قسمتی کہیے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ عذاب کہ مسلمانوں نے اس بہترین اور قابل ستائش دور کے تسلسل کو برقرار نہ رکھا اور صرف کچھ ہی عرصہ بعد اُن میں بے شمار خرابیاں در آئی اور اُن بے شمار خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ تھی کہ وہ اپنے اُس بنیادی فلسفے سے پھسل گئے جس پر اُن کے ایمان کی عمارت کھڑی تھی۔ یعنی خدا اور رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کی بجائے شخصیات کی اطاعت کرنے لگے۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح احکام پر شخصیات کے اقوال کو ترجیح دی گئی اور نزاعی معاملات میں تعلیمات خداوندی اور تعلیمات نبویؐ کی طرف رجوع کو ایک بے کار اور فضول عمل سمجھا گیا۔ اور یہی وہ مرض لاعلاج تھا جس نے اُمت مسلمہ کی مضبوط و ناقابل شکست اتحاد کو پارہ پارہ کیا اور ایک خدا، ایک رسول اور ایک قرآن ماننے والے مسلمان کو کئی گروہوں اور فرقوں میں تقسیم کرکے رکھدیا۔

ان عوامل کے باعث اگر ایک طرف مسلمانوں کے اُس اتحاد بے نظیر کا شیرازہ بکھر گیا جس کے خوف سے اُس وقت کے بڑے بڑے فرعون لرز بر اندام تھے تو دوسری طرف

دعوت حق کے اُس قافلے کی تیز رفتاری بھی متاثر ہوئی جس کی راہ پوری دنیا بڑی بے قراری سے تک رہی تھی۔ کیونکہ وہ اندھیروں میں بھٹک رہی تھی اور اسلام کی چادر اُڑھنے سے انہیں تقدیر بدلنے کی قوی اُمید تھی۔

لیکن جب وہ حقائق دیکھتی ہے اور یہ دیکھتی ہے کہ عدل و انصاف کا پیغام دینے، اخوت اور رواداری کو فروغ دینے، زمین پر مصنوعی خداؤں کی بادشاہت مٹانے اور خدائے واحد کی حاکمیت قائم کرنے والے تو خود آپس میں گتھم گتھا ہیں اور بُغض وعِناد کی گرد میں اَٹے ہوئے ہیں، تو ان کی اُمیدوں پر اُوس پڑ جاتی ہے۔ اور بالاخر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ جو لوگ خود خدا اور رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے پہلو تہی کے مرتکب ہو رہے ہیں، جن میں خود اخوت کا فقدان ہے، اور جن میں سے ہر ایک اسلام کے اندر ہی اپنی ایک الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے کی تگ و دو میں لگا ہوا ہے، ان کا پیغام بھلا دنیا میں کیا انقلاب لائے گا۔

لہٰذا اُن پر ایک مایوسی طاری ہو جاتی ہے اور اُس مایوسی کے عالم میں اکثر واپس اس باطل کی گود میں نہ چاہتے ہوئے دوبارہ جا گرتی ہے۔ جس کے انگ انگ میں زہر بھرا ہوا ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک چھوٹی سی کتاب "مذہبی فرقہ پرستی اور اسلام" میں کتاب کے مؤلف نے کتاب کے مقدمہ میں صفحہ نمبر 17 پر جاپان میں رونما ہونے والے ایسی ہی ایک واقعے کی رُوداد گوش گزار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"یہاں جاپان کے کچھ روشن خیال جاپانیوں نے اسلام لانے اور ایمان کی عزت حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور ٹوکیو کی ایک اسلامی جمعیت کے

سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا۔ تو یہاں رہنے والے کچھ ہندوستانی مسلمانوں نے اصرار کیا کہ ان لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو کر "حنفی مذہب" اختیار کریں اور انڈونیشیا اور جاوا کے مسلمان بضد ہوئے کہ انہیں "شافعی مذہب" اختیار کرنا چاہیئے۔

ان جاپانیوں نے جب اس جھگڑے کو سُنا تو انہیں بڑا تعجب ہوا اور اپنے مسلمان ہونے کے فیصلے پر ڈگمگانے لگے اور بڑی سوچ میں پڑ گئے"۔ [1]

ان سب زمینی حقائق و مشاہدات کے علاوہ خلق خدا کے لئے خدا کی بشیر و نذیر ہستی حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم خود اس گمراہی کے کتنے خلاف تھے اس کا اندازہ آپؐ کے ان مختصر احادیث مبارک سے لگا لیجیئے۔

"تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَینْ لَنْ تَضِلُّوْ ماتَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابَ اللّٰہِ وَ سُنّۃَ رَسُوْلِہٖ"۔(رواہ فی الموطاہ)

یعنی کتاب اللہ اور اپنی سنت تمہارے پاس چھوڑ چلا ہوں۔ اس کی پیروی کرتے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوں گے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

"اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہ لَنْ تِضِلُّو اَبَداً کِتَابَ اللّٰہِ وَ سُنَّۃَ نَبِیِّہٖ"۔

[1]: مذہبی فرقہ پرستی اور اسلام، ترجمہ و تلخیص: مولانا مختار احمد الندوی۔

یعنی میں تمہارے درمیان جو چیز چھوڑ رہا ہوں اور اگر تم نے اُسے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے اور وہ ہیں اللہ کی کتاب اور میری سنت۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات کے علاوہ قرآن بھی ایسی ہی ہدایات اور تنبیہات سے معمور ہے جسمیں جگہ جگہ مسلمانوں کو مذکورہ نقصان دہ اور تباہ کن عمل سے بچنے کی بارہا تاکید کی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک نبض شناس بادشاہ اور علیم و خبیر ذات ہے۔ لہٰذا بخوبی جانتا ہے کہ کس طرح یہ بیماری ایک اچھی خاصی، مضبوط اور منظم قوم کو بھسم کر دیتی ہے اور کس طرح تباہی و بربادی سے دوچار کر دیتی ہے۔

سورہ انفال میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کچھ یوں ارشاد فرمایا:

وَلَا تَنٰزَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصّٰبِرِينَ ﴿٤٦﴾ (الانفال)

"اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

مختصر جسامت کی حامل اس آیت مقدس نے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی ہے کہ آپس میں لڑنے جھگڑنے اور نفاق میں پڑنے سے قوموں میں کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور پھر ان کمزوریوں کی وجہ سے وہ اپنی اُس منزل تک نہیں پہنچ پاتی، جو اُن کی جائے قرار ہوا کرتی ہے اور جہاں بادِ بہاراں ان کی منتظر رہتی ہے۔

اس کے علاوہ ان کا وہ مغلوب اور انتقام کی آگ میں جلا بُھنا دشمن بھی اسی دن کے

انتظار میں رہتا ہے، کہ کب انہیں کمزوری اور لاغری اپنے حصار میں لیتی ہے اور ان میں بہادری وجواں مردی کے وہ تمام جواہر موقوف ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ناقابل شکست اور ناقابل تسخیر تھے۔ تاکہ وہ ٹوٹ پڑیں اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹادے۔

بظاہر تو مذکورہ آیت نہایت ہی مختصر ہے، لیکن اگر بہ نظر عمیق دیکھا جائے تو یہ اپنے اندر مسلمانوں کے لئے ہدایت کے حوالے سے ایک لمبی اور طویل بحث رکھتی ہے، اس مختصر آیت کے ذریعے نا صرف اللہ نے مسلمانوں کو آپس میں لڑنے جھگڑنے سے منع فرمایا بلکہ ساتھ ساتھ باہمی افہام و تفہیم، صبر و تحمل اور عفو و درگزر کا حکم بھی دیا۔ اور اس سے مدعا یہ تھا کہ مسلمان کمزور اور بزدل نہ ہو، بلکہ بہادر ہو، انہیں زندگی میں کبھی بھی شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے، ان کی توانائیاں معمولی معمولی اور قابل اصلاح باتوں پر باہم دست و گریباں ہونے میں ضائع نہ ہو، بلکہ اُسے دین حق کے دشمنوں کے خلاف کام میں لائیں۔ وہ ہر حال میں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار اور ایک عظیم ناقابل شکست قوت ہو۔ اس قوت کے بل بوتے پر وہ جہاں بھی جائیں عالم کو سجدہ ریز کرتے جائیں، دشمن اُن سے خائف و دہشت زدہ ہو اور کسی میں بھی ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت و جرات نہ ہو۔

بات صرف اس ایک آیت پر ختم نہیں ہوتی بلکہ آگے دیکھئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس بدبودار گمراہی (فرقہ بندی) کی مختلف اوقات میں قرآن کی مختلف جگہوں پر کتنی پُرزور مذمت کی ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾ (الانعام)

"جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، یقیناً اُن سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں۔ ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے"۔

سورہ روم میں ارشاد ہے:

"وَلَا تَكُونُو مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْ دِيْنهمْ وَكَانُوْ شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ"۔(الروم 31)

"اور نہ ہو جاؤ ان مشرکین میں سے جنہوں نے اپنا اپنا الگ دین بنالیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے، اسی میں وہ مگن ہے"۔

ایک اور جگہ سورہ عمران میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو تقسیم ہونے کے بجائے متحد ہو جانے اور اپنی کتاب یعنی قرآن مقدس جو کہ ایک سرچشمہ ہدایت ہے کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا۔ فرمایا:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ ﴿١٠٣﴾ (آل عمران)

"اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقوں میں نہ پڑو"۔

اللہ واحد نے محض اس گمراہی کی تردید و مذمت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کو اس غلاظت سے دور رہنے کی پُرزور تاکید بھی کی ہے اور اس سے کیسے بچا جائے؟ اس اُلجھن کو دور کرنے کیلئے اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت کی صورت میں ایک آسان اور سہل ترین نسخہ اور ترکیب بھی بتائی ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر خود بخود بچنے کی سبیل نکل آتی ہے۔

سورہ انفال میں فرمایا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَوَلَّوْاْ عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ۝٢٠ (سورہ انفال)

"اے ایمان والوں! اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد سر تابی نہ کرو"۔

ایک اور جگہ سورہ محمدؐ میں کچھ یوں فرمایا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوٓاْ أَعْمَٰلَكُمْ ۝٣٣ (سورہ محمد)

"اے ایمان والوں! اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو فضول ضائع نہ کرو"۔

ایک اور جگہ اپنے نزاعی معاملات کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات ہی کے ذریعے سلجھانے کا حکم دیا گیا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِي شَيْءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيْرٞ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝٥٩ (النساء)

"اے لوگوں! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب اَمر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں تراع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر یقین رکھتے ہوں، یہی ایک صحیح طریقہ کار اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے"۔

قرآن کی اس تصریحی وضاحت کے بعد پھر جن لوگوں نے اپنے آپ کو سر تاپا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع بنایا اور قرآنی احکامات و فرمان رسولؐ کے من و عن پر کاربند رہے ان کے لئے جزا اور جنہوں نے ان احکامات و ہدایات سے پہلو تہی کی اور اس پر شخصیات کے اقوال کو ترجیح دی یا دین میں خود ساختہ راہیں نکالنے کی کوشش کی ان کے لئے سزا کا ذکر بھی قرآن میں کچھ اس انداز سے کیا گیا ہے:

وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٖ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَاۚ وَذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ۝١٣ (النساء)

"یعنی جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا اُسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے"۔

ایک اور جگہ سورہ الفتح میں اللہ نے فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ (الفتح)

"یعنی جو کوئی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا، اُسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور جو منہ پھیرے گا اُسے وہ دردناک عذاب دے گا"۔

ایک اور جگہ سورہ النساء میں فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ (النساء)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئے"۔

سورہ النور میں فرمایا:

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَخۡشَ اللّٰہَ وَیَتَّقۡہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۵۲﴾ (النور)

"اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا اور اللہ سے ڈرتا رہے سو وہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں"۔

ترک قرآن کا جرم:

وہ دنیا میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

ہم مسلمان من حیث القوم جس طرح دیگر معاملوں میں قرآن کے ساتھ ناقابل بیان سلوک کرتے ہیں اور ان کی واضح ہدایات کو جس طرح کھوہ کھاتے میں ڈال کر اپنی من مانی کرتے ہیں، بالکل اسی طرح یہاں بھی قرآن ہماری عجیب بے اعتنائی کا نشانہ بن رہا ہے۔ اگرچہ ہم اُسے متفقہ طور پر اللہ تعالیٰ کی ایک مقدس کتاب اور مسلمانوں کے لئے سرچشمہ ہدایت سمجھتے ہیں اور خود کو اس کے ماننے والے کہتے ہیں، مگر جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو ہم اس سے کوسوں دور ہیں اور قول و فعل میں واضح تضاد رکھتے ہیں۔ قرآن عظیم ہدایت دیتا ہے کہ اَطِیۡعُوا اللہ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡل، یعنی صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ لیکن اگر حقائق کے دریچے کھول کر جھانکا جائے تو آج ہم مسلمانوں کے دلوں میں کئی مصنوعی خداؤں کے گھونسلے بنے ہوئے نظر آئیں گے۔ قرآن نے حکم دیا کہ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا، یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور

تفرقوں میں نہ پڑو۔ لیکن ہم مسلمانوں نے اس حکم کے برخلاف چلتے ہوئے اپنے دین واحد کو (جسے دین حق کہا جاتا ہے) کئی حصوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا ہے۔ پہلے مسلمان سے شیعہ، سنّی بن گئے. پھر سنّی ہو کر چار حصوں میں بٹ گئے، پھر وہابیت، دیوبندیت اور بریلیت وغیرہ وغیرہ در آئیں اور آج حال یہ ہے کہ مسلمان خود کو مسلمان اور محمدیؐ کہلانے کے بجائے دیگر لاتعداد اور بے شمار نسبتوں سے جُڑ رہے ہیں۔

اسلام کو دنیا پر غالب کرنے کی جو ذمہ داری ہمیں سونپی گئی تھی، ہم اس سے سبکدوش ہو چکے ہیں اور دنیا پر لہرانے کے لئے جو پرچم اسلام ہمارے ہاتھوں میں تھمایا گیا تھا، ہم اسے پھینک چکے ہیں اور اس کی جگہ ہر ایک اپنے مخصوص مسلک کے علم کی سربلندی کے جتن میں لگا ہوا ہے۔

آج شہروں، بازاروں اور گلی کوچوں میں ہم مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ بری طرح اُلجھے ہوئے ہیں اور معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کی پگڑیاں اُچھالنا اور مار پیٹ ہمارا معمول بن چکا ہے۔ ضد، انا اور ہٹ دھرمی نے ہمیں اتنا یرغمال بنا دیا ہے کہ حکم خداوندی اور حکم رسولؐ اس کے سامنے بے اثر ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہر وقت ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی پر دن کے اُجالے میں ایسے جھپٹ پڑتے ہیں جیسا کہ وہ ان کا بڑا دشمن یا ان کا تعلق دشمنانِ اسلام کے کسی بڑے گروہ سے ہے۔

اپنے غصے اور طیش کی آگ بجھانے کے لئے کبھی کبھار ہم رشد و ہدایت کے مراکز یعنی دینی مدارس، مساجد اور دیگر تعلیم گاہوں کے تقدس کو بھی اپنے تعصب کا نشانہ بنا کر پامال کر دیتے ہیں اور انتہائی شرم کی بات یہ ہے کہ اپنی اس قبیح حرکت و فعل پر بھی ہم نہ شرمندہ ہیں اور نہ نادم بلکہ اسے بھی ہم پوری ڈھٹائی کے ساتھ اسلام کی تیر بہ ہدف خدمت اور

رضائے الٰہی کے حصول کے لئے زبردست ناگزیر کوشش قرار دے رہے ہیں۔

اقبالؒ نے مسلمانوں کی اس باہمی چپقلش، بُغض و عداوت اور نفاق و انتشار کو دیکھتے ہوئے کیا خوب کہا تھا کہ:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی ایک، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہیں باتیں ہیں

●●●

نمبر۳

نسلی اور لسانی منافرت

بقول اقبالؒ:

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغاں بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلماں بھی ہو

فرقہ ورانہ منافرت کی طرح منافرت کی یہ قسم بھی اسلام کو کبھی راس نہیں آئی، بلکہ ملت اسلامیہ کے جسم پر جو لاتعداد زخم لگے ہیں۔ ان زخموں میں سے ایک گہرا گھاؤ اسی منافرت کا لگایا ہوا ہے اور بد قسمتی سے آج بھی سائے کی طرح مسلمانوں کا پیچھا کر رہی ہے۔

میں جانتا ہوں کہ میری یہ تلخ نوائیاں اُن لوگوں کو زیادہ گراں گزریں گی جو قومیت

پرستی اور نسل پرستی کے علم بردار ہونے کے دعویدار ہیں اور جنہوں نے عالم اسلام کو نسل اورزبان کی بنیاد پر تقسیم کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ مگر یقین مانئے کہ یہاں میرا مقصد کسی کی دل آزاری ہرگز نہیں، بلکہ میرا مقصد واحد مسلمانان عالم کو وہ حقائق دکھلانا ہے جو ان سے اسی منافرت کے پردوں میں پوشیدہ ہیں۔ میرا مقصد اُنہیں یہ بتانا ہے کہ بطور دوا جو بوتل انہیں دی جارہی ہے اُس پر اگرچہ دوا کا لیبل چسپاں ہے، لیکن اصل میں اس کے اندر زہر ہے، دوا نہیں۔

میں نہیں سمجھتا کہ اس پر مجھے کوئی ملامت کرسکتا ہے اور یا قصوروار قرار دے سکتا ہے، کیونکہ بحیثیت انسان میں بھی ایک قوم اور ملت سے وابستہ ہوں اور یہ فطری امر ہے، کہ ہر انسان اپنی ہی قوم اور ملت کی سرخروئی چاہتا ہے۔

تاریخ انسانی کے اوراق پر ثبت اُن واقعات و حادثات کو کون چھپائے؟ جس سے وقتاً فوقتاً مسلمانان عالم اسی خباثت کی وجہ سے دوچار ہوئے ہیں۔ کیا میں یہ حقائق لکھنے میں حق بجانب نہیں؟ کہ دنیا سے اسلام کے حقیقی جان نثار رخصت ہونے کے فوراً بعد ملت واحدہ اسلامیہ پر اسی منافرت کے ہاتھوں ایک دُھند سی چھاگئی اور شمع اسلام کی ضیاء پاشیاں ماند پڑگئی۔ خدا اور رسولؐ خدا کے نام پر یکجاء ملت اسلامیہ دو خاندانوں یعنی بنواُمیہ اور بنوعباس کے درمیان تقسیم ہوگئی۔ عام مسلمان کی وفاداری اسلام کی بجائے ان دو خاندانوں سے وابستہ ہوگئی۔ پھر دونوں کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی شروع ہوگئی اور پھر ان میں سے جس خاندان کی حکومت ہوتی وہ حاکم اور بادشاہ وقت کہلاتا جبکہ مخالف غلام کے طرز پر جیتا اور مسلمان ہونے کے باوجود مسلمان ہی کے ہاتھوں ذلت ورسوائی کا سامنا کرتا۔

کیا میں یہ نہ لکھوں؟ کہ گذشتہ صدی کے اوائل تک "خلافت عثمانیہ" کی شکل میں ایک اسلامی خلافت روئے زمین پر بہر حال موجود تھی۔ لولی لنگڑی ہی سہی، پھر بھی اتنی بے دم نہ تھی اور اس قابل ضرور تھی کہ عام مسلمان ایک آزاد و خود مختار اسلامی خلافت کا شہری ہونے کا فخریہ اظہار کر سکتا تھا۔

تاہم جب اسلامی تعلیمات کی نفی کی گئی اور اسلام سے مسلمان کی گہری وابستگی ایک سرسری اور برائے نام وابستگی بن کر رہ گئی تو نسلی و لسانی منافرت کے اُن دہکتے انگاروں کو بھی پھر سے جلا ملی جسے اسلام کے درس اخوت نے بجھا دیئے تھے اور نفرتوں کا خوف ناک آتش فشاں پھٹ پڑا۔ آگ بجھانے والوں سے آگ بھڑکانے والے چونکہ زیادہ قوی تر ہو گئے تھے لہذا آگ بڑھتی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری اُمت مسلمہ پر چھا گئی۔

نتیجہ کیا نکلا؟ یہ کہ اسلام کا جھنڈا سرنگوں اور قومیتوں کے جھنڈے سربلند ہونے لگے۔ اخوت، رواداری اور اسلامی بھائی چارہ الف لیلیٰ کی داستان بن گئی۔ بھائی بھائی کی جان کے درپے ہونے لگے، مسلمان کی اسلامی پہچان ختم ہو گئی اور تُرک، عرب، شامی، مصری، اُردنی اور ایرانی جیسے لاحقوں کو تقویت ملی۔ جس سے ملت اسلامیہ کی وحدت (Unity) میں زبردست دراڑیں پڑ گئیں اور خلافت عثمانیہ کی صورت میں واحد اسلامی خلافت ان دراڑوں میں دفن ہو گئی اور اسی طرح مسلمانانِ عالم کی وہ فخریہ علامت اسی منافرت کے باعث حرف غلط کی طرح مٹ گئی۔

مفکر اسلام مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ "اسلام کے لئے سب سے بڑا خطرہ" کے عنوان سے اسی منافرت کے باعث مختلف اوقات میں ملت اسلامیہ کو پہنچنے والے نقصانات کا تذکرہ

یوں کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"یہ فتنہ جس کے ظاہر ہونے کا سید الکونینؐ کو اندیشہ تھا، حقیقت میں ویسا ہی مہلک ثابت ہوا جیسا کہ آپؐ نے فرمایا تھا۔ قرن اول سے آج تک اسلام اور مسلمانوں پر جو تباہی بھی نازل ہوئی ہے اسی کی بدولت ہوئی ہے۔ وصال نبویؐ کے چند ہی برس بعد ہاشمی اقتدار کے خلاف اُموی عصبیت کا فتنہ اُٹھا اور اس نے اسلام کے اصلی نظام سیاست کو ہمیشہ کیلئے درہم برہم کر دیا۔ پھر اس نے عربی عجمی اور ترک عصبیت کی شکل میں ظہور کیا اور اسلام کی سیاسی وحدت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ پھر مختلف ممالک میں جو سلطنتیں قائم ہوئیں ان سب کی تباہی میں سب سے زیادہ اسی فتنہ کا ہاتھ تھا۔ قریب ترین زمانہ میں دو سب سے بڑی مسلمان سلطنتیں ہندوستان اور ترکی کی تھیں۔ ان دونوں کو اسی فتنہ نے تباہ کیا۔ ہندوستان میں مغل اور ہندوستانی کی تفریق نے سلطنت مغلیہ کو ختم کیا اور ترکی میں ترک، عرب اور کرد کی تفریق تباہی کی موجب ہوئی"۔[1]

ایک مسلمان مؤرخ ثروت صولت اپنی تصنیف "ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ" میں اُس وقت خلافت عثمانیہ میں شامل مختلف قومیتوں کے مابین لگنے والی وہ آگ منافرت، اس کی

[1]: مسئلہ قومیت، ، صفحہ نمبر 52-53۔

حدّت اور تباہ کاریاں اپنے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"جیسے جیسے قومیت کا تصور مسلمان اقوام میں قوت پکڑ تا گیا، اسلام کا رشتہ ان میں کمزور ہو تا گیااور ہر قوم نے قبل از اسلام کے عہد جاہلیت کی طرف رجعت کی۔ مصریوں نے نحن آل فرعون کا نعرہ لگایا، عربوں نے عہد جاہلیت کے تعصبات کو زندہ کیا، ترکوں نے اپنے خرافاتی دور کا رُخ کر کے بھورے بھیڑے کو اپنی عظمت کی علامت قرار دیا اور ایرانیوں نے کیانی شہنشاہوں کے افسانوی دور پر فخر کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اُمت مسلمہ جس میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا گیا تھا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ جو ایک دوسرے کے گلہ کاٹنے لگے"۔[1]

kutubistan.blogspot.com

موصوف آگے چل کر اسی تعصبی آگ کی حدت سے جلا بُھنا مسلم سماج کے متعلق رقم طراز ہے:

"قوم پرستی نے ترکوں اور عربوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنادیا اور یہ دشمنی اس حد تک بڑھی کہ عبدالرحمن کواکبی جیسے دین دار شامی راہنماء نے کھل کر عرب نسل پر فخر کا اظہار کیا اور ترکوں سے نفرت اور بے

[1]: ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، حصہ سوم، ،صفحہ نمبر ۲۸۴۔

زاری کا اظہار کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ کاش ترک قومیں اسلام قبول نہ کرتیں۔ کیونکہ ترکوں نے مسلمان ہو کر اسلام کو بگاڑ دیا"۔[1]

میں مانتا ہوں کہ خلافت عثمانیہ کا عروج سے زوال کی طرف سفر اور پھر بالاخر اس کا خاتمہ زیادہ تر بدترین نظام ملوکیت اور اس کے نتیجے میں جنم لینے والے منفی اثرات سے ہی ممکن ہوا۔ لیکن یہ حقائق بھی ناقابل تردید ہیں، کہ اس کی تابوت پر آخری کیل اسی منافرت نے ٹھونکی اور اسے زمین میں گاڑنے کا عمل بھی اسی منافرت نے کیا۔ مذکورہ بالا اقتباسات میرے خیالات کی تائید کرتے ہیں۔

کیا آج یہ سچ نہیں؟ کہ اسلامی نظریئے کی بنیاد پر وجود میں آنے والی ایک عظیم اسلامی ریاست متحدہ پاکستان بھی اسی منافرت کے باعث ٹوٹی اور قیام پاکستان کے لئے شانہ بشانہ چلنے والے حرم کے پاسبان کچھ ہی برسوں بعد اسی منافرت کے ہاتھوں باہم دست بہ گریباں ہو گئے۔

کیا جھوٹ کے دبیز پردوں میں یہ روشن حقیقت چھپانا ممکن ہے؟ کہ آج بالخصوص باقی ماندہ پاکستان بھی اسی منافرت کی بدولت پنجابی، پشتون، سندھی، سرائیکی، بلوچی اور مہاجر جیسی چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں بٹا ہوا ہے اور واحد مسلم قومیت کی بجائے چھوٹی چھوٹی قومیتوں کے غلغلے بلند ہیں۔

نہیں، ہرگز نہیں۔

کیونکہ یہ روشن حقائق ہیں اور حقائق کو چھپانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ کسی کی گھڑی

---

[1]: ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، حصہ سوم، ، صفحہ نمبر ۲۸۵۔

ہوئی کہانیاں اور افسانے نہیں بلکہ وہ تلخ المیات ہیں جو ملت اسلامیہ کو اب تک صرف اسی منافرت کے باعث دیکھنے پڑے ہیں۔

اس لئے میں ضرور لکھوں گا۔ اور ببانگ دھل لکھوں گا۔ کیونکہ یہ بات اب راز نہیں رہی بلکہ ہر کسی پر اشکارہ ہو چکی ہے کہ میری قوم اور ملت قرن ہا قرن سے جن مصائب سے دوچار ہیں، ان مصائب و مشکلات میں نسلی اور لسانی منافرت جیسی اس لعنت کا بھی بڑا حصہ ہے۔

اگر آج بھی وہ مکمل طور پر آگ کے محاصرے میں ہیں تو بھی زیادہ تر اسی لعنت کی وجہ سے ہیں۔ اگر آج بھی اُن میں واحد مسلم اُمت کی سوچ عنقا ہے تو بھی اسی لعنت کی کرشمہ سازیاں ہیں اور اگر آج بھی مسلمانوں کے لبوں پر اللہ کی حمد و ثناء کی بجائے مختلف طبقوں اور قومیتوں کے ترانے ہیں تو بھی اسی لعنت کی دین ہے۔

میں عام مسلمان کو اس لعنت اور گمراہی کی اصلیت دکھانے کی کوشش کروں گا۔ شرعی اور تاریخی دلائل کی روشنی میں انہیں بتاؤں گا کہ قومی اور ملّی وحدت کیلئے یہ منافرت زہر قاتل تھا، زہر قاتل ہے اور آئندہ بھی اس کی یہی خاصیت برقرار رہیگی۔ کیونکہ زہر زہر ہوتا ہے اور کسی کی لاکھ کوشش کرنے سے بھی زہر کو قند نہیں کیا جاسکتا۔

سچ کو نہ لکھنا، یا اُسے جھوٹ کے پیرایوں میں لپیٹنا بدترین قلمی بددیانتی کے زمرے میں آتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میں اُس قلمی بددیانتی کا مرتکب بنوں۔

میں بحیثیت مسلمان پہلے سے اُفتادوں تلے دبی ہوئی مسلم اُمت کو اُس بڑی اُفتاد سے آگاہ کروں گا جو مستقبل میں اسی منافرت کے باعث اُن پر آپڑنے والی ہے اور خاص و عام کے

سامنے ہاتھ جوڑ کر، گڑ گڑا کر التجائیں کروں گا کہ خدارا جو ہو گیا سو ہو گیا، اب تو ہوش سے کام لو۔ دیگر منافرتوں کے ساتھ ساتھ اس خباثت سے بھی چھٹکارہ پاؤ، نیل کے ساحل سے لے کر کاشغر تک واحد مسلم امت اور اِنّمَاَ المؤمِنُونَ اِخوَہ کی سوچ کو فروغ دو۔ ورنہ اگر حالات جوں کے توں رہے اور اس لعنت کو ہم اسی طرح تقویت دیتے رہے تو عنقریب پنجابی، پشتون پر اٹکی ہوئی نسلی اور لسانی منافرت کی یہ بات یوسف زئی اور خٹک تک چل پڑے گی۔ پھر اس سے ہوتے ہوئے سالارزئی، عشیزئی، گدیزئی اور پھر اس سے بھی آگے نکل کر اباخیل، ملی خیل تک پہنچے گی[1]۔ پھر کیا ہو گا؟ گھر گھر لڑائی، باہم ہاتھاپائی اور مار کٹائی۔

کیونکہ مجتمع قوتوں کو منتشر کرنا، مضبوط اور منظم معاشرت کو اجاڑنا اور اخوت کی ڈور میں بندھی قوموں کو چھوٹے چھوٹے ذرات میں تبدیل کرنا اور پھر اُن ذرات کو ہتھیلی پر رکھ کر ایک بڑی پھونک سے اُڑانا ہی اسی منافرت کی خاصیت اور فطرت ہے اور فطرت تبدیل نہیں ہو سکتی۔

خود دست بہ خنجر ہے اور خود لہولہاں ہے
کسی نے پوچھا کون ہے تو بتایا مسلماں ہے

لڑی اخوت میں یہ پروئے تھے کبھی
اب کوئی مہاجر ہے، تو کوئی افغاں ہے

---

[1]: یاد رہے کہ سلارزئی، عشیزئی، گدیزئی اور اباخیل، ملی خیل علاقہ بونیر کے چھوٹے بڑے قبائل کے نام ہیں۔

چھائی ہیں فضاؤں پہ نفرت کی گھٹائیں
زمین جل رہی ہے اور ایک دھواں دھواں ہے

قرآن کا فیصلہ:

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے واضح طور پر اس خباثت یعنی "نسلی اور لسانی منافرت" ایسی فکر، تصور اور فلسفہ کو رد کیا ہے اور پسندیدگی کے درجہ اولیٰ کا حقدار کون ٹھہرے گا؟ اس کا معیار بھی مقرر کیا ہے۔ ارشاد ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ﴿١٣﴾ (الحجرات)

ترجمہ: اے لوگوں! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

شارعِ اسلامؐ کی مہر تصدیق:

حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق کے وسط میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر کی اور اس میں فرمایا:

"لوگوں! خبر دار رہو، تم سب کا خدا ایک ہے، کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر، اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضلیت حاصل نہیں ہے۔ مگر تقویٰ کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ بتاؤ میں نے تمہیں بات پہنچادی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ، فرمایا اچھا جو موجود ہے، وہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچادے جو موجود نہیں ہے"۔ [1]

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"لَيْسَ مِنَّا مَنْ مَات علی العصبیه. لَيْسَ منا مَنْ دعی اِلَی الْعَصبیه. لَيْسَ منا مَنْ قاتل علی العصبیه"۔

ترجمہ: جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں ہے، جس نے عصبیت کی طرف بُلایا وہ ہم میں سے نہیں ہے، جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

"لَيْسَ لاحد فضل علٰی احدالابدین و تقویٰ الناس کلھم بنو اٰدم من تراب"۔

ترجمہ: پرہیز گاری اور دین داری کے سِوا اور کسی چیز کی بناء پر ایک شخص کو دوسرے شخص پر فضیلت نہیں ہے۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔

---

[1]: بحوالہ تفہیم القرآن، جلد پنجم، ، صفحہ نمبر 98۔

اَبُوالاعلیٰ کی عقلی تنقید:

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے عقلی دلائل سے اس خباثت پر جو تنقید کی ہے وہ نسلیت کے عنوان سے کچھ اس طرح ہے:

"نسلیت کیا ہے؟ محض خون کا اشتراک، اس کا نقطہ آغاز ماں اور باپ کا نطفہ ہے، جس سے چند انسانوں میں خونی رشتہ پیدا ہوتا ہے۔ یہی نقطہ پھیل کر خاندان بنتا ہے، پھر قبیلہ، پھر نسل، اس آخری حد یعنی نسل تک پہنچتے پہنچتے انسان اپنے اس باپ سے جس کو اس نے اپنی نسل کا مؤرث اعلیٰ قرار دیا ہے، اتنا دور ہو جاتا ہے کہ اس کی موروثیت محض ایک خیالی چیز بن جاتی ہے۔ نام ونہاد نسل کے اس دریا میں بیرونی خون کے بہت سے ندی نالے آکر مل جاتے ہیں اور کوئی صاحب عقل وعلم انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ دریا خالص اسی پانی کا ہے جو اپنے اصلی سرچشمہ سے نکلا تھا۔ پھر اگر اس خلط ملط کے باوجود خون کے اشتراک کی بناء پر انسان ایک "نسل" اپنے لئے مادہ اتحاد قرار دے سکتا ہے تو کیوں نہ اس خون کے اشتراک کو بنائے وحدت قرار دیا جاسکے جو تمام انسانوں کو ان کے پہلے باپ اور پہلی ماں سے ملاتا ہے؟ اور کیوں نہ تمام انسانوں کو ایک ہی نسل اور ایک ہی اصل کی طرف منسوب کیا جائے؟ آج جن لوگوں کو مختلف نسلوں کا بانی ومؤرث قرار دے دیا گیا

ہے۔ ان سب کا نسب اوپر جا کر کہیں نہ کہیں ایک دوسرے سے مل جاتا ہے اور آخر میں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ سب ایک اصل سے ہیں۔ پھر یہ آریت اور سامیت کی تقسیم کیسی؟"۔[1]

بتان رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

◆◆◆

[1]: مسئلہ قومیت، صفحہ نمبر 14-15۔

نمبر ۴

علم و حکمت کی کمی

علم کا مطلب ہے جاننا، یعنی کسی چیز کے اسرار و رموز اور درون و بیرون سے واقفیت اور آگاہی۔

علم ایک کسوٹی ہے جو حق و باطل، نیک و بد اور اندھیرے اُجالے کا فرق بتاتی ہے اور وہ بھی ان کی مختلف خوبیوں و خامیوں کے مکمل ثوابت کے ساتھ۔

علم ہی کی بدولت انسان تہذیب کے دائرے میں آیا اور کائنات میں اعلیٰ مقام بن کر اشرف المخلوقات جیسے بلند درجے پر فائز ہوا۔ باوا آدم بھی علم ہی کی وجہ سے فرشتوں سے معتبر ٹھہرے تھے۔

علم کی اہمیت و خاصیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ خالق کائنات خود علم کے انتہائی قدرداں ہے اور اس کے ہاں جو قدر و قیمت علم کی ہے وہ کسی اور وصف کو نصیب ہی نہیں۔

قدرداں نہ ہوتے تو باوا آدم فقط چند نام بتانے کے باعث فرشتوں سے بھی بالا مقام نہ بنتے اور رب کائنات کی جانب سے اطاعت گزار و ہمہ وقت فرمان بردار فرشتوں کو مٹی کے بنے باوا آدم کے آگے سجدہ ریز ہونے کا حکم نہ ملتا۔

اللہ کے ہاں اگر علم کی اہمیت مسلم نہ ہوتی تو اس کی جانب سے بھیجی گئی وحی پہلی ملاقات میں غارِ حرا میں آرام فرما پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظ اقراء سے ہم کلام نہ ہوتی۔

اور اگر اللہ کے ہاں واقعی علم کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی تو اس کا مبعوث کردہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" جیسے خوب صورت الفاظ سے مخاطب نہ ہوتے اور بعد ازاں اپنی اُمت کو "اَلعِلْمَ فَرِیضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسلِمٍ وَمُسْلِمَۃٌ" جیسے کلمات سے حصول علم کی پُرزور تاکید نہ کرتے۔

علم واقعی روشنی ہے۔

علم کائنات کے مخفی خزانوں کی کنجی ہے۔

علم قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

علم تسخیر عالم کا وسیلہ ہے۔

اور محسن انسانیتؐ واقعی اس کی یہ خاصیتیں اور بقاء انسانیت کے لئے اس کی اس دور رس افادیت کو تسلیم کر چکے تھے کیونکہ آپؐ معلم تھے اور معلم اللہ جل شانہ کی دی ہوئی دانائی کی

بدولت چیز کی افادیت و مضرت سے آگاہ ہوتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ بناء روشنی نہ تو کوئی قوم منزل پر پہنچ سکتی ہے، نہ کائنات کی کنجی اس کے ہاتھ آسکتی ہے، نہ اللہ کے ہاں صاحب المرتبہ بن سکتی ہے، اور نہ ہی امامت دنیا جیسے منصب جلیلہ کا حصول ان کے لئے ممکن ہے اور یہ تاریخ کا اٹل فیصلہ و روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ کہ علم سے بہرور قومیں ہمیشہ دنیاوی تخت و تاج سے مزین ہوتی ہیں۔ جب کہ پست علم قومیں زمانہ بُھلا دیتا ہے اور قدم قدم پر ٹھوکریں کھانا ان کا مقدر بن جاتا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے نہ صرف اپنی اُمت کو حصول علم کی پرزور تاکید کی بلکہ مسلم سماج سے جہالت کے اندھیرے بھگانے اور چاروں طرف علم کے قمقمے جلانے کی کارروائیوں میں بہ نفس نفیس شریک بھی ہوئے۔ یعنی زمام حکومت سنبھالتے ہی وسیع پیمانے پر ترویج علم کا منصوبہ تشکیل دیا، جگہ جگہ مدارس کھول دیئے، تعلیم گاہیں قائم کیں، اساتذہ کے لئے باقاعدہ مشاہروں کا اجراء ہوا اور اسی طرح درس و تدریس کا سلسلہ باقاعدگی سے چل پڑا۔ جس کے نتیجے میں کچھ ہی عرصہ بعد نوزائیدہ اسلامی مملکت کی حدود سے جہالت کی تاریکیاں کھسکنے لگیں، ہر جاء روشنی پھیل گئی۔ یعنی شام یکدم سحر ہو گئی اور سیاہ رات کی کوکھ سے صبا کا ایک دل آویز منظر طلوع ہوا۔

عرب سرزمین حد درجہ جہالت کی وجہ سے بنجر ہو چکی تھی، مگر جب علم آیا تو ہر طرف ایک ہریالی سی پھیل گئی، سوکھا پن رخصت ہوا، بانجھ پن اپنے اختتام کو پہنچا اور اہل علم و اہل دانش، فقہا اور دوسرے باکمال لوگوں کی ایک بے مثال فصل پھوٹنے لگی اور پھر اُس فصل

بہاراں نے زندگی کے ہر شعبے میں انقلابات برپا کئے۔

جہالت کی وجہ سے درندگی اور حیوانیت میں مبتلا معاشرہ تہذیب کی پٹڑی پر گامزن ہوا، جس سے احترام انسانیت کے جذبے مستحکم ہوئے۔ ناشائستگی کے سیاہ بادل چھٹ گئے اور فضاء شائستگی کی خوشبو سے معطر ہوگئی۔

اہل علم کی مخلصانہ کاوشوں سے ان کی بھٹکی ہوئی زندگی کو ایک سمت عطا ہوئی، سماجی افراتفری کے دن تمام ہوئے، مربوط زندگی کا آغاز ہوا، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا کالا قانون ختم ہوا، بلا امتیاز انصاف ہونے لگا، معیشت سدھر گئی، معاشی ناہمواریاں ختم ہوگئیں اور پژمردہ چہروں پر مسکراہٹ بکھرنے لگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد آپؐ کے اخلاص مند رفقاء بھی آپؐ کے نقش قدم پر چلتے رہے اور علم کے ساتھ وہ خصوصی حسن ظن قائم رکھا جو فرمان رسولؐ کے عین مطابق تھا۔ یعنی صحابہؓ رسول بھی ہر چیز پر صرف علم ہی کو فوقیت دیتے رہے، علم ہی کو کامیابی کا زینہ سمجھا گیا اور مسلمانان عالم کو اس کی آفادیت اور زندگی میں اس کی ناگزیریت سے آگاہ کرتے رہے اور پھر وہی حسن ظن تھا جس کے طفیل ان کے طرز تمدن میں جدت آئی۔ زندگی کا ہر شعبہ باثمر ہوگیا اور معاشی خوش حالی اتنی عام ہوئی کہ زکواۃ لینے والا کوئی نہ رہا، جس سے خوش ہو کر عدل و انصاف کا پیکر اور انتظامی اُمور میں مہارت کے حوالے سے تاریخ ساز خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ نے اسلامی ریاست کے اندر ہر ذی روح کو پیٹ بھر کر کھلانے کی ذمہ داری اپنے ذمے لی اور بطور خلیفہ وقت اس سے عہدہ براں ہونے کا رب سے عہد کیا۔

علم نے ان کی حربی صلاحیت کو بھی چار چاند لگائے اور ایک زبردست قوت عطا کی جس

سے مسلمان ناقابل تسخیر ہوگئے اور بڑے بڑے مصنوعی خداؤں کے محلات مسل کر رکھ دیئے۔

اس کے بعد آنے والے ادوار میں بھی لاکھ کمزوریوں کے باوجود مسلمان کا رویہ علم کے ساتھ خصوصاً عاشقانہ رہا اور ہر چیز پر علم ہی کو اولیت حاصل رہی، جبکہ علم بھی ان کے تمام عیوب پر پردہ ڈالتا رہا اور ہر وقت ان کے ڈوبتے ناؤ کو زبردست سہارا فراہم کیا۔

اس وقت کے دور اندیش مسلمان نے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پسند کو اپنی پسند بنائی اور اس سے ہمہ وقت اٹوٹ محبت کا اظہار کیا، جب کہ جواباً علم بھی ہمیشہ ان کی جھولی میں مختلف ثمرات ڈالتا رہا اور ملت اسلامیہ کو علماء و فقہاء کے علاوہ ابن خلدون، ابن الہیثم، ابو علی سینا، الفارابی اور جابر بن حیان جیسی ہستیاں فراہم کیں۔ جنہوں نے مسلمانوں کے قدموں میں تیزی پیدا کی اور دنیا کی قیادت کے سنگھاسن پر انہیں جلوہ افروز کرنے میں جاندار کردار ادا کیا۔

تاریخی مدوجزر سے شناسائی رکھنے والے حلقوں کے مطابق مسلمان کو سن گیارہ سو عیسوی تک علمی عروج حاصل رہا اور دنیا میں ایک عالم و باخبر قوم کے طور پر پہچانا جاتا تھا۔ جبکہ دیگر اقوام ان کے مقابلے میں انتہائی پست علمی کا شکار تھیں اور اس تعصب کی وجہ سے علم کی جانب راغب ہونے سے گریزاں تھیں کہ اس پر سب سے زیادہ زور اسلامی تعلیمات میں دیا گیا ہے۔ ایک مؤرخ محترم پروفیسر شفیع اللہ اپنی تصنیف "تاریخ اسلام و مسلم سپین کی تاریخ" میں لکھتے ہیں:

"جامعہ قرطبہ سے ہزاروں طلباء نے تحصیل علم کے بعد مسلم سپین کی

علمی ترقی میں اپنا کردار ادا کیا۔ کہ بتدریج ملک سے جہالت کا نام و نشان ہی مٹ گیا اور سپین کا ہر شخص کسی نہ کسی سطح تک تعلیم یافتہ ہو گیا۔ یہ اس دور کی بات ہے، کہ جب یورپ میں پادریوں کے علاوہ کوئی دوسرا شخص لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا۔ یہاں تک کہ یورپی معاشرہ کے بڑے اعلیٰ مرتبہ لوگ بھی ان پڑھ تھے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ الحکم ثانی کے عہد میں مسلمانوں نے جو علمی کارنامے انجام دیئے۔ وہ آگے چل کر یورپ میں نشاۃ ثانیہ کی آمد کا باعث بنے"۔[1]

محترم کتاب کے اگلے صفحے پر اُس وقت کے عام مسلمان کے ذوق علم کے متعلق لکھتے ہیں:

"خلیفہ الحکم ثانی کے دور میں علم کا آفتاب قرطبہ کے آسمان پر نصف النہار کو پہنچا ہوا تھا۔ خلیفہ کی علم دوستی، علماء نوازی اور کتب بینی کے ذوق کے اثرات عوام و خواص پر پڑے تھے اور ہر چھوٹے بڑے گھر میں علوم و فنون کا چرچا ہونے لگا۔ گھر گھر کتب خانے نظر آنے لگے۔ مطالعہ کا رجحان عام ہوا، کتابوں کے خریدار بڑھ گئے، یہاں تک کہ کتابوں کی تجارت سب سے زیادہ منافع بخش کاروبار بن گیا۔ چنانچہ بہت قلیل عرصہ میں ہی دارالخلافہ قرطبہ ایک عظیم کتب بازار میں

---

[1]: تاریخ اسلام و مسلم سپین کی تاریخ، صفحہ نمبر 212۔

تبدیل ہو گیا، جہاں مختلف ممالک سے لائی گئی کتابیں خرید و فروخت کے لئے ملتی تھیں۔ ان سے متصل کاتبوں اور خوش نویسوں کی دکانیں ہوتیں جہاں عورتیں بھی کام کرتی نظر آتی تھیں۔ کتابوں کی دکانوں پر خریداروں کا اتنا ہی رش ہوتا، جتنی کہ زیورات اور کپڑے کی دکانوں میں ہوتا تھا"۔[1]

ایک مؤرخ نے تو مسلمان کو یورپ کا استاد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے.

"مسلمانوں کے علمی ذوق و شوق نے تمام یورپ کے لئے ادب و فلسفہ اور صنعت و حرفت بلکہ تمام علوم و فنون کے دروازے کھول دیئے تھے. آٹھ سو برس تک مسلمان ہر چیز میں اہل یورپ کے اُستاد بنے رہے. عیسائی امراء زبان اور ہر چیز میں مسلمانوں کی تقلید کرنا اپنے لئے موجب فخر سمجھتے اور عربی نظم و نثر لکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے. یہ انہیں مسلمانوں کا اثر تھا. فرانسیسی اور اطالوی زبانوں میں اکثر وہ الفاظ جو جہاز رانی اور بحری انتظامات سے متعلق ہیں. عربی ہیں. اور یہ دلیل اس بات کی ہے کہ ان ممالک نے مسلمانوں ہی سے جہاز رانی سیکھی ہے. سیر و شکار کے متعلق بھی اکثر الفاظ عربی الاصل ہیں. علم ہئیت کی اصطلاحیں اور دواؤں کے نام جو یورپ کی زبانوں میں رائج

1: تاریخ اسلام و مسلم سپین کی تاریخ، ،صفحہ نمبر 213۔

ہیں، عربی ہیں."[1]

کہا جاتا ہے کہ خصوصاً عیسائیوں میں اپنی روایتی اسلام دشمنی کے باعث علم کے ساتھ متعصبانہ رویئے کا یہ عالم تھا کہ والدین کی جانب سے بچوں کو کسی مدرسے یا تعلیم گاہ کے قریب سے بھی گزرنے کی سخت ممانعت تھی اور اگر کوئی بچہ حکم عدولی کا مرتکب ہوتا تو گھر میں اُسے انتہائی تلخ حالات اور اکثر ڈانٹ ڈپٹ کا سامنا ہوتا تھا۔

ملت اسلامیہ کے گوشے گوشے میں قائم علمی مراکز سے علم کے چشمے رواں دواں تھے، جس سے ملت اسلامیہ پوری طرح شاداب بنی ہوئی تھی۔ زندگی کے ہر شعبے کی زمامیں اہل علم اور اہل فہم و دانش کے ہاتھوں میں تھیں اور انہوں نے اپنے فہم و دانش سے ملت اسلامیہ کو منور کر رکھا تھا۔ دشمن جب بھی ملت اسلامیہ کے اس وقت کی بہتر حالت پر اپنی حاسدانہ نگاہ ڈالتے اور پھر اس کا موازنہ اپنی علمی پسماندگی اور خستہ حالی سے کرتے تو ان کے منہ سے اکثر بے اختیار رال ٹپکنے لگ جاتی تھی اور سخت سیخ وپائی کے عالم میں آگ بگولہ ہو کر اپنی قسمت کو کوستے تھے۔

خلاصہ مختصر یہ کہ خلق خدا میں مسلمان کا یہ امتیاز اور قدم قدم پر عنائیت خداوندی کی یہ ارزانی، یعنی خود بھی خوش اور رب بھی راضی کی یہ بہترین کیفیت اس وقت تک قائم رہی جب تک مسلمان کا انفرادی اور اجتماعی رویہ علم کے ساتھ دوستانہ رہا۔ علم کے ساتھ ان کی بلا کی رغبت رہی اور ان کے دلوں میں حصول علم کی دائمی تڑپ موج زن رہی اور جب یہ حالات

1- "تاریخ اسلام" جلد سوم، صفحہ نمبر ۲۲۲.

بدل گئے، علم کے ساتھ ان کا رویہ تغیر پذیر ہو گیا، حصول علم کو فضول عمل اور وقت کا ضیاع سمجھا گیا، جستجو علم ماند پڑ گئی اور انسانی زندگی میں اس کی دیرپا اہمیت سے انکار کیا گیا۔ تو پھر ان کے آسمان سے زمین پر گرنے اور ذلت و مسکنت کے دلدل میں دھنسنے میں زیادہ دیر بھی نہ لگی۔

بلا تفریق سارے حقیقت پسند اس حقیقت سے متفق نظر آتے ہیں۔ کہ قوموں کی تقدیریں ہمیشہ علم ہی سے منسلک رہتی ہیں۔ یعنی علم و آگاہی قوموں کی قسمت کی گرہیں کھولتی ہیں، جبکہ بے علمی اُسے مضبوطی سے باندھ لیتی ہیں اور اگر دیکھا جائے تو بالکل یہی کچھ مسلمان کے ساتھ بھی ہوا، یعنی جب علم تھا تو سب کچھ تھا، دنیا و مافیہا کی ہر شے ان کی نظر کرم کی محتاج تھی اور پوری دنیا ان کی مٹھی میں تھی۔ مگر جب ان کے طرز عمل سے خفہ ہو کر علم نے راہ لی اور رخصت ہونے لگا تو عالم میں کھڑا مسلمان کی عزت و تکریم کا وہ تاج محل بھی زمین بوس ہو کر دور دور بکھر گیا۔ جو علم ہی کے دم اور سہارے کھڑا ہو کر عالم پر رُعب جمایا ہوا تھا۔

بدقسمتی سے اُن منحوس شب و روز کا آغاز دراصل سن گیارہ سو عیسوی کے بعد ہی ہوا، جس کے ہر طلوع ہوئے سورج کی تند و تیز کرنیں ہری بھری ملت اسلامیہ کو ویران کرنے لگیں اور وہ امتیاز و برتری مٹانے لگیں جو صدیوں سے علم و فن میں کمال کی وجہ سے صرف مسلمان کی دیگر اقوام پر قائم چلی آرہی تھی۔ دراصل وہی وہ وقت تھا جس میں مسلمان کے علم کے ساتھ رویئے میں معنی خیز تبدیلی رونما ہوئی اور بے علمی کے اُس ویرانے کی جانب محو سفر ہو گئے جہاں اندھیرے ہی چھائے رہتے ہیں۔

علم پر دھیان و توجہ نہ دینے اور اس کی اہمیت سے عملاً منکر ہونے کے باعث مسلمانوں

کے تمام شعبہ ہائے حیات بری طرح متاثر ہوئے۔ سرسبز و شاداب ملت اسلامیہ ریگزاروں میں تبدیل ہو گئی جس کی بانجھ کوکھ سے صحت مند فصل کا پھوٹنا محال تھا۔ مدارس و تعلیم گاہوں سے لائق و فطین اور اہل دماغ سپوتوں کی فراہمی بند ہو گئی، جس سے ان کی متحرک زندگی جمود کا شکار ہو گئی اور زمام کار خدا پرست، مخلص، ایماندار اور دیانت دار ہاتھوں سے نکل کر علم دشمن، بے ایمان، خواہشات کے غلام اور ذاتی مفادات کے اسیر جُہلا کے ہاتھوں میں چلی گئیں۔ جنہوں نے تن آسانی کو رواج دیا، جنہوں نے عام مسلمان کو علم سے متنفر کرنے، علمی رجحان کا خاتمہ کرنے، غرباء پر حصول علم کے دروازے بند کرنے اور ملت اسلامیہ کو باغ عدن سے نکال کر دور ظلمت میں واپس دھکیلنے کے اقدامات کئے۔ جبکہ عام مسلمان بھی غفلت و لاپرواہی کی چادر اوڑھ کر مسلمان کی اس تنزلی میں براہ راست حصہ دار بنا۔

مانا کہ اس دوران اُفق پر ایسے کئی ذی ہوش اور دور اندیش مسلمان بھی نمودار ہوئے جنہوں نے فوراً حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے مسلمانوں کو آئینہ دکھانا چاہا اور اُنہیں علم کی طرف راغب کرتے ہوئے ان کی کھوئی ہوئی عظمت اُنہیں واپس دلانے کی مقدور بھر کوششیں کیں، لیکن مسلمانوں نے کبھی بھی اُنہیں قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ بلکہ عجب کج ادائی اور کج روی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیشہ ان کے آگے روڑے اٹکائے اور اُنہیں اپنے کئے پر نادم و پشیمان کرنے کی کوششیں کیں۔ مرحوم سرسید احمد خان کی مثال ہمارے سامنے ہے، اُس بے چارے کو بھی انگریز کے ایجنٹ کا خطاب اس جرم کی پاداش میں ملا تھا کہ وہ بھی ہر حال میں دنیا کی تار و پود جاننے کے لئے مسلمان کو زیور علم سے آراستہ کرنا چاہتے تھے۔

علم کے ساتھ مسلمان کا ناقابل بیان سلوک اور پھر اس کے نتیجے میں ان کی دنیاوی

عظمت کی تاراجی کا یہ اندوہناک سفر سن گیارہ سو عیسوی کے بعد ہی شروع ہوا اور متواتر صدیوں پہ صدیاں کراس کرتے ہوئے آج اکیسوی صدی کی دھلیز پار کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یعنی تاہنوز جاری ہے۔۔۔۔۔۔ حالات آپ کے سامنے ہیں، علم کے میدان میں اُن کا موازنہ ذرا دوسری اقوام سے تو کیجئے اگر عقل و شعور آپ کے قریب سے بھی گزرے ہیں تو لامحالہ سر پیٹنے لگو گے۔ کیونکہ ٹھیک آج بھی مسلمان جہالت اور علمی بے گانگی میں انتہاؤں تک پہنچا ہوا ہے اور دنیا میں ایک اچھوت قوم بنی ہوئی ہے۔ ساری دنیا اس پر تھوکتی ہے اور تمسخر کا نشانہ بناتی ہے۔ دنیا اُسے جاہل، دقیانوسی، گنوار اور اجڈ کے نام سے پکارتی ہے۔ مگر خواب غفلت میں گم اور کمال بے نیازی کے آہنی پوشاک میں ملبوس مسلمان پر اس کا کوئی اثر نہیں، حد درجہ جہالت کی وجہ سے دنیا بھر کی ذلت و خواری اُن کے گرد لپٹی ہوئی ہے۔ لیکن مسلمان اس زندہ لاش کے مانند ہے جس کے شریر میں سانس تو چلتا ہے مگر سمجھنے اور حالات بدلنے کی قوت سے یکسر محروم ہے۔

قارئین محترم یہ اکیسوی صدی ہے یعنی ترقی اور جدیدیت کی صدی، انسان علم کی بدولت ترقی کی تمام منازل طے کرتے ہوئے انتہائی بلندیوں پر پہنچا ہوا ہے۔ فاصلے سمٹ چکے ہیں اور دنیا گلوبل ویلج بن چکی ہے۔ لیکن افسوس کہ اس ساری ترقی کے نقیب وہ لوگ بنے ہیں جن کے آباؤ اجداد علم پر نفرین بھیجتے تھے اور اُسے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، جبکہ شیدایان علم کی اولاد مسلمان وہی پستی کے پستی میں ہے اور امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ کیونکہ آج اس جدید دور میں بھی مسلمانوں میں علم سے نفرت بھرے رویئے مروج ہیں اور معاشرے کا ہر طبقہ ان رویوں کو تقویت دینے کی کاوشوں میں لگا ہوا ہے۔ حکمران تاقیامت

اپنا دبدبہ قائم رکھنے کے لئے آئے روز نت نئے اقدامات سے عام مسلمان کو علم سے دور رکھنے کی جتن کر رہا ہے، جبکہ عام رعایا نے بھی علم کو دو پاٹوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ ایک کو قابل نفرت قرار دیا گیا ہے، جبکہ دوسرے کو زبانی کلامی حد تک قابل تعظیم قرار دیا جا رہا ہے۔

بد قسمتی سے آج بھی مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کثرت پائی جاتی ہے جو دنیاوی علم کو شیطانی علم کہہ کر اپنا غصہ نکالتی ہے اور اپنے اس بے بنیاد منطق کے حق میں یہ نام ونہاد فلاسفر دلائل کے ایسے بھاری بھر انبار لگا دیتے ہیں۔ کہ بعض اوقات بڑے سے بڑے دانشور کا بھی پسینہ چھوٹ جاتا ہے اور اکثر اُسے وہاں سے بھاگ نکلنے کے لئے راستہ ڈھونڈنا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان کو دونوں جہانوں میں سرخرو دیکھنا چاہتے ہیں اور دونوں جہانوں کی سرخروئی ان دونوں یعنی دینی اور دنیاوی علوم کے باہمی اشتراک عمل میں پنہاں ہے مگر یہ نادان اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور اپنے اکھڑ پن پر کمال ڈھٹائی سے ڈٹے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کی موجودہ علمی زبوں حالی کو بعض لوگ مشیت ایزدی کہہ کر جلد بری الذمہ ہونے کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض لوگ اُسے اسلام دشمن قوتوں کی کارستانی قرار دیتے ہیں۔ جبکہ ناچیز کے نزدیک اس کا دوشی فقط وہ سخت گیر رویہ ہے جو برس ہا برس سے مسلمانوں کے دل ودماغ میں خیمہ زن ہوا چلا آ رہا ہے اور جسے زیور علم سے آراستہ مسلمان بالکل گوارہ نہیں۔

اگر آج اقوام عالم میں مسلمان علم کے حوالے سے سب سے پیچھے ہے، دنیا میں بحیثیت قوم وملت متحرک اور جاندار کردار ادا کرنے سے لاچار ہے، اگر آج ان کے مدارس اور تعلیم گاہوں سے دانشور وباکمال لوگوں کی فراہمی بند ہے، بلکہ محض پیش اماموں، کلرکوں، نائب

قاصدوں اور تو اور سیاسی مخالفین پر ٹھاپنے کے لئے کفر کے فتوے تیار کرنے والی فیکٹریاں بنی ہوئی ہیں۔ تو یہ سب محض اس رویئے کی دین ہے کسی اور چیز کی نہیں۔ اور شاید یہ اسی رویئے کا ثمرہ ہے کہ دنیا بھر میں مسلمان قوم بحیثیت مجموعی عصری علوم کے حوالے سے جہالت کی تنگ و تاریک گلی میں پھنسی ہوئی ہے اور وہاں سے نکلنے کا راستہ اُن کی نظروں سے او جھل ہے۔ مستند اور انتہائی معتبر ذرائع سے اخذ کردہ معلومات کے مطابق دنیا کی کل آبادی کا ۲۰ فیصد یعنی ایک ارب پچاس کروڑ کی آبادی رکھنے والی قوم مسلمان جن کے پیروں تلے زیرزمین توانائی کی مختلف اقسام اور تیل کا سمندر موجزن ہے کی تقریباً ۴۰ فیصد آبادی آن پڑھ ہے۔

پاکستان کے ۵۵ فیصد لڑکے اور ۷۵ فیصد لڑکیاں آن پڑھ ہیں۔ بچوں کی کل آبادی کا صرف ۴۰ فیصد سکول جاتا ہے۔ جبکہ پڑوسی ملک بھارت میں یہ شرح ۹۰ فیصد ہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی تحقیق پر مسلم ممالک میں مجموعی طور پر جو رقم خرچ کی جاتی ہے۔ صرف جرمنی اس سے دوگنا اور جاپان چار گنا زیادہ رقم خرچ کرتا ہے۔ دنیا بھر میں ہر سال ایک لاکھ سے زائید سائنسی تحقیقی کتب اور بیس لاکھ سے زائید سائنسی مقالات شائع ہوتے ہیں۔ جبکہ اسلامی ممالک سے شائع ہونے والی سائنسی تحقیقی کتب و مقالات کی سالانہ تعداد ایک ہزار سے متجاوز نہیں۔ ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق پاکستان کی سوا کروڑ خواتین مکمل طور پر ناخواند ہیں۔ ڈولپمنٹ کے شعبوں سے منسلک سائنس دانوں اور ماہرین کی تعداد امریکہ میں ساڑھے نو لاکھ ہے، جاپان میں آٹھ لاکھ، جبکہ پاکستان میں صرف بارہ ہزار کے قریب ہے۔یہاں سائنس کے مضامین میں پی-ایچ-ڈی کرنے والوں کی سالانہ تعداد ۴۰ یا ۵۰ ہوتی ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ اپنی کل قومی آمدنی کا ۶.۵ فیصد رقم تعلیم پر خرچ کرتا ہے۔

اسٹریلیا ۴ فیصد، برطانیہ ۵.۵ فیصد، اسٹریا ۵.۴ فیصد، سویئزرلینڈ ۲.۵ فیصد، یوکرائین ۳.۵ فیصد، فرانس ۶.۵ فیصد، پرتگال ۲.۵ فیصد، نیوزی لینڈ ۱.۶ فیصد، تھائی لینڈ ۱.۴ فیصد، جاپان ۵.۳ فیصد، جرمنی ۵.۴ فیصد، بھارت ۱.۴ فیصد، میکسیکو ۸.۴ فیصد، روس ۱.۳ فیصد، کینڈا ۹۱.۴ فیصد، اٹلی ۵.۴ فیصد، ویتنام ۳.۵ فیصد، کیوبا ۶.۱۳ فیصد، سویڈن ۶.۶ فیصد، ناورے ۸.۶ فیصد، ڈنمارک ۸.۷ فیصد، اسرائیل ۹.۵ فیصد، فن لینڈ ۹.۵ فیصد، ہنگری ۲.۵ فیصد، جنوبی افریقہ ۶ فیصد اور بلجیم ۱.۶ فیصد، جبلکہ مسلم ممالک میں سب سے زیادہ آبادی رکھنے والا ملک انڈونیشیا اپنی کل قومی آمدنی کا صرف ۲ فیصد، بنگلہ دیش ۴.۲ فیصد، بحرین ۹.۲ فیصد، ترکی ۹.۲ فیصد، مصر ۸.۳ فیصد، کویت ۸.۳ فیصد، عراق ۱.۴ فیصد، ایران ۷.۴ فیصد، عمان ۹.۳ فیصد، متحدہ عرب امارات ۲.۱ فیصد، صومالیہ ۶.۰ فیصد، تاجکستان ۵.۳ فیصد، افغانستان ۹.۱ فیصد اور پاکستان ۷.۲ فیصد رقم تعلیم پر خرچ کرتا ہے۔

اب ملاحظہ ہو ایک جدول جس میں درج اعداد شمار سے چند مسلم و غیر مسلم ممالک کی شرح خواندگی کا موازنہ کیا جا سکتا ہے اور جو مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ لیجیئے۔ توجہ فرمائیے۔

غیر مسلم ممالک			
ملک کا نام	کل شرح خواندگی	مردوں میں	عورتوں میں
عوامی جمہوریہ چین	٪ ۹۶.۴	٪ ۹۸.۲	٪ ۹۴.۵
اٹلی	٪ ۹۹.۲	٪ ۹۹.۴	٪ ۹۹.۰
میکسیکو	٪ ۹۴.۴	٪ ۹۵.۶	٪ ۹۴.۴
فلپائین	٪ ۹۶.۳	٪ ۹۵.۸	٪ ۹۶.۸

سپین	۹۸.۱ ٪	۹۸.۷ ٪	۹۷.۵ ٪
سری لنکا	۹۲.۶ ٪	۹۳.۶ ٪	۹۱.۷ ٪
روس	۹۹.۷ ٪	۹۹.۷ ٪	۹۹.۷ ٪
بھارت	۷۲.۱ ٪	۸۰.۹ ٪	۸.۶۲ ٪
ویتنام	۹۴.۵ ٪	۹۶.۳ ٪	۹۲.۸ ٪
کیوبا	۹۹.۰ ٪	۹۹.۷ ٪	۹۹.۸ ٪
برطانیہ	۹۹.۰ ٪	n.a	n.a
فرانس	۹۹.۰ ٪	n.a	n.a
مسلم ممالک			
مصر	۷۵.۲ ٪	۸۳.۲ ٪	۶۷.۳ ٪
ایران	۸۶.۲ ٪	۹۱.۲ ٪	۸۲.۵ ٪
عراق	۷۹.۷ ٪	۸۵.۷ ٪	۷۳.۷ ٪
سوڈان	۷۵.۹ ٪	۸۳.۳ ٪	۶۸.۶ ٪
شام	۸۶.۴ ٪	۹۱.۷ ٪	۸۱.۵ ٪
تیونس	۸۱.۸ ٪	۸۹.۶ ٪	۷۴.۲ ٪
یمن	۷۰.۱ ٪	۸۵.۱ ٪	۵۵.۰ ٪
بنگلہ دیش	۶۱.۵ ٪	۶۴.۶ ٪	۵۸.۵ ٪
افغانستان	۳۶.۲ ٪	۵۲.۰ ٪	۲۴.۲ ٪
پاکستان	۵۶.۴ ٪	۶۹.۶ ٪	۴۲.۷ ٪ [1]

1- درج بالا تفصیلات واعداد شمار (اسلام سائینس اور مسلمان) نامی کتاب اور وکی پیڈیا سے ماخوذ ھیں.

هَلۡ يَسۡتَوِي الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝٩ (الزمر)

ترجمہ: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہوسکتے ہیں۔ یقیناً وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہوں.

حکمت:

برادرم یہ تو ہوئیں علم کی باتیں۔ اب آتے ہیں حکمت کی طرف۔ کہ حکمت کیا ہے؟ اور اس کے ہوتے ہوئے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

حکمت دراصل اُس فہم و دانش کو کہا جاتا ہے جسے سمجھدار لوگ اپنی ذات، ملت اور قوم کے وسیع تر مفاد کے لئے عمل کے مراحل سے گزارتے ہیں۔ جس سے ان کے دن بدل جاتے ہیں اور اقوام عالم میں اس کی قدر و منزلت مزید بڑھ جاتی ہے۔ مغرب کی حالیہ چکاچوند ترقی، ان کی آئے روز نت نئی ایجادات و دریافتیں اور اس کے طفیل عالم میں اس کی سربلندی و بہتر حالات زندگی عصر حاضر کے لئے روشن مثال اور بین دلیل ہے۔

مگر یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حکمت بھی علم ہی کے گھونسلے میں جنم لیتی ہے، وہاں پرورش پاتی ہے اور وہاں سے پروان چڑھ کر امادہ عمل ہو جاتی ہے اور جن لوگوں میں سرے سے علم ہی ناپید ہو وہاں سے حکمت کا پیدا ہونا ناممکنات میں سے ہوتا ہے۔ بلکہ اُن سے

حکمت کی توقع کرنا یا آس لگانا ایسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی ناہنجار کسان سوکھے پن کے شکار زمین سے گنے اور دھان کی فصل لینے کی توقع کریں۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ (آیت نمبر ۲۶۹ –سورۃ البقرہ)

ترجمہ: اور جس کو حکمت ملی در حقیقت اُسے بڑی کامیابی مل گئی. ان باتوں سے وہی لوگ سبق لیتے ہیں. جو سمجھدار ہیں.

●●●

نمبر ۵

نصب العین سے فرار

قوموں کی زندگی میں نصب العین کو ایک اہم اور نمایاں مقام حاصل ہوتا ہے، جس قوم کی زندگی نصب العین سے خالی ہو تو سمجھو کہ اس کی کوئی سمت اور منزل ہی نہیں ہوتی اور اس بے سمتی کے باعث ہمیشہ مسلسل ناکامی و نامرادی اور ذلت آمیز رسوائی ان کی تقدیر میں لکھ دی جاتی ہیں۔

نصب العین دراصل اُس محور اور مرکزے کو کہا جاتا ہے جس کے گرد قوموں کی تمام تر فکر اور جستجوئیں گھومتی ہیں۔ ہر حال میں وہ اس محور کو چھونا چاہتی ہیں، کیونکہ یہ ان کا مقصد حیات ہوتا ہے اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے وہ اپنی تمام تر سوچ، فکری صلاحیتیں اور بھرپور توانائیاں بروئے کار لاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اُن سے اور بھی جو کچھ بن پڑتا ہے تو کر گزرتی ہیں اور پرواز جاری رکھتی ہیں۔

اس تکلیف دہ سفر کے دوران دشمن اور بدخواہ حلقوں کی جانب سے اُن پر طرح طرح کی آوازیں بھی کسی جاتی ہیں اور ان کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں تاکہ ان کی رفتار متاثر ہو یا پیچ راہ بھٹک جائے، لیکن باشعور قومیں ان گیدڑ بھبکیوں کو کبھی بھی خاطر میں نہیں لاتیں، بلکہ بہترین پلاننگ، باہمی مشاورت اور منصوبہ بندی کی بدولت وہ ان رکاوٹوں کا سینہ چیرتے ہوئے آگے بڑھتی ہیں اور اپنے متعین کردہ ہدف چھونے کی جان توڑ کوشش کرتی ہیں۔

تاریخ کی آنکھوں نے آج تک کرہ ارض پر بسنے والی بے شمار قوموں کے عروج و زوال کے مناظر دیکھے ہیں اور یہ بات پوری طرح مشاہدے میں آئی ہے کہ بیشتر اوقات زوال اُن قوموں کے حصے میں آتا ہے جو اپنے نصب العین کے ساتھ اخلاص کا مظاہرہ نہیں کرتیں۔ بلکہ اُس سے فرار چاہتی ہو اور جن کی تمام تگ و دو، جوش و خروش اور جستجوئیں ماند پڑ جاتی ہیں۔

سوشلسٹ بلاک کا اچانک انہدام اور حامیان سوشلزم کی حالیہ بے توقیری دنیا کے لئے ایک نئی اور تازہ مثال ہے۔ سوشلزم کے اندرونی نقائص کے علاوہ انہیں اُس وقت ایک شدید دھچکا لگا جب ان کے دلوں میں اپنے نصب العین کے ساتھ ناگزیر محبت میں کمی آئی اور متعین کردہ ہدف تک پہنچنے کی تمام کوششیں ترک کر دیں۔ یقیناً وہ دنیا کی قیادت کرنے نکلے تھے، مگر نصب العین کے ساتھ ایفاء نہ کرتے ہوئے دھڑام سے نیچے گر کر زمین بوس ہو گئے اور آج تو حالت یہ ہے کہ پوری دنیا اُن پر خندہ زن ہے۔

بلاشبہ یہ سچ اور حقیقت ہے کہ قرن اول کے مسلمانوں کا دور اس لحاظ سے ایک شاندار دور تھا۔ اُس وقت کے مسلمانوں کے دل نصب العین کی بے پناہ محبت سے لبریز تھے، خدا اور رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں "غلبہ اسلام کی مسلسل جستجو" کی صورت میں جو خوب

صورت نصب العین دیا تھا اُس وقت کے عقید تاً پختہ مسلمانوں نے اسے سینے سے لگایا تھا اور زندگی کی آخری سانس تک اپنی جان و مال سب کچھ اس پر نچھاور کیا۔ اس تکلیف دہ، کٹھن اور دشوار گزار سفر کے دوران اُنہیں قسما قسم تکالیف اور مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑا اور ان کی زندگی میں بڑے نشیب و فراز بھی آئے۔ لیکن نصب العین کے ساتھ والہانہ عشق کی بدولت وہ کبھی مرتعش نہ ہوئے بلکہ اُس باعزم چیونٹی کے مانند محوِ پرواز رہے جو بار بار گرنے اور پسپا ہونے کے باوجود ہدف تک پہنچنے کا قصد رکھتی ہے۔

نصب العین کی محبت ان کی رگ رگ میں رچی بسی رہتی تھی۔ ان کی نگاہیں اور تمام تر توجہ نصب العین پر جمی ہوئی اور مرکوز رہتی تھیں۔ اپنے نصب العین کے ساتھ ان کا عجیب سا لگاؤ تھا اور ایک عجیب سی دل لگی تھی اور یہی وجہ تھی کہ ان کی راہ میں کبھی کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکی اور اگر حائل بھی ہو جاتی تو نصب العین کے عشق میں سرشار اُس وقت کے پختہ مسلمان جوتی کی نوک پر اس رکاوٹ کو کنارے لگاتے اور بڑی بے نیازی سے یکسو ہو کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔

مگر وائے قسمت کہ وہ زمانہ اور تھا، یہ زمانہ اور ہے کے مصداق آج کا مسلمان وہ مسلمان نہیں رہا۔ بلکہ زمین اور آسمان کا تفاوت ہے۔ آج مسلمانوں میں نصب العین کے ساتھ وہ وفا اور خلوص نہیں جو قرنِ اول کے مسلمانوں کی پہچان بنی ہوئی تھی۔ وہ بلاشبہ عزم و استقامت کے آہنی پہاڑ تھے، مگر آج کا مسلمان ریت کی وہ دیوار ہے جو ہوا کی ذرا سی تھپیڑ لگنے سے بکھر جاتی ہے، وہ یقیناً مانند چٹان تھے، مگر یہ ذرا سی تپش سے موم کی طرح پگھلنے والے کمزور انسان۔ مجھے انتہائی دکھ کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت لفظ نصب العین

کے معنٰی اور مفہوم سے بھی واقف نہیں۔ بحیثیت قوم، ملت اور تہذیب ان کا نصب العین کیا ہے؟ اور وہ اُن سے کن خدمات و قربانیوں کا تقاضا کرتا ہے، یہ سب جاننا تو بعد کی باتیں ہیں۔ یقین نہیں آتا تو خود نظر دوڑائیں اگر آپ باشعور ہیں تو جلد اندازہ ہو جائیگا اور یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اُس بے سمتی کا شکار ہیں، جس کے نتائج ہمیشہ ہی تباہ کن نکلتے ہیں۔

●●●

نظم

جس قوم کی سمت اور منزل نہیں معلوم
وہ قوم قوم نہیں ہے بس ہے فقط ہجوم

گرتی ہیں بجلیاں اُن پر نفاق کے باعث
ہمیشہ یہ قانون رہا قدرت کا بالعموم

بنتا ہے مقدر اُن کا ذلت اور خواری
روٹھ جاتی ہے آزادی وہ ہوجاتی ہے محکوم

تاریخ میں اُن اقوام کی داستانیں ہیں موجود
جو تھیں کبھی موجود، مگر اب ہیں معدوم

چشمِ فلک بھی اُن کی عظمت پر ہے شاہد
مچی تھی ان کی دنیا میں شہرت کی بڑی دھوم

مگر شیوہ جب رہا ان کا نصب العین سے فرار
تو قدرت نے کیا اُنہیں تخت و تاج سے محروم

آنکھیں زمین آسمان کی بھی یکدم بدل گئیں
فضائیں مکدر ہوئیں، ہوائیں بھی مسموم

ہے سائرؔ کی اس کاوش میں بلا کی نصیحت
اے کاش کہ کوئی سمجھے اس کی بات کا مفہوم

●●●

نمبر ۶

مزید کمیاں اور خرابیاں

نفس کی غلامی:

مسلمان کے دل و دماغ پر نفس و خواہشات کا ایک ایسا لاؤ لشکر حملہ اور ہو کر قابض ہو چکا ہے، جس نے اُسے ایک لاعلاج مرض میں مبتلا مریض بنا دیا ہے۔ وہ ایک خدا اور رسولؐ خدا کی غلامی سے نکل کر فقط خواہشات کا غلام بن چکا ہے۔ نفس و خواہشات کے اس طوق غلامی کے ہاتھوں جذبہ تعمیر اُن میں معدوم ہو چکا ہے۔ صرف جذبہ تخریب باقی ہے اور وہ ہر وقت ان کی انفرادی اور اجتماعی بربادی کے لئے راہ ہموار کر رہا ہے۔

یعنی مقصد یہ ہے کہ مسلمان نفس و خواہشات کے اُس سرکش گھوڑے پر سوار ہے، جس کی لگامیں اُن کے ہاتھ نہیں آرہی۔ وہ ایسا سرپٹ اور آوارہ دوڑتا ہے اور راستے میں آنے والی مختلف رکاوٹوں کو ایسے بے ڈھنگ انداز میں عبور کرتا چلا جاتا ہے کہ اکثر وہ ان کی پیٹھ سے منہ کے بل گر جاتا ہے اور اسی طرح اس کا سارا جسم مختلف ٹھوکروں سے ٹھکراتا ہوا لہو لہان ہو جاتا ہے۔

موت و حیات کی اس اُلجھاوی کیفیت اور کشمکش کے دوران کبھی کبھار وہ اُسے روکنے، زین میں پھنسا ہوا اپنا پیر چھڑانے اور اپنی معلق زندگی کی کٹتی ڈور کو بچانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ مگر سب بے سود، فضول اور بے کار، کیونکہ یہ سرکش اور منہ زور گھوڑا اُن کی ہر کوشش پر مزید بدھک جاتا ہے اور اُسے گھسیٹتے ہوئے آخر کار اس گہری کھائی میں پھینک دیتا ہے جہاں موت بانہیں پھیلائے ان کی منتظر رہتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا کہ جو آدمی اپنے نفس کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے تو وہ سرکش ہو کر اُسے بالآخر تباہی کی طرف لے جاتا ہے اور جو اپنے نفس پر قابو پاتا ہے اس کا مرتبہ بلند ہو جاتا ہے.

انفرادیت کا قیدی:

اُس قوم کو مکمل تباہی و بربادی سے کون بچا سکتا ہے، جن کے ہاں فکر اجتماعیت ایک نا شناسا جنس بن کر رہ جائے اور سوچ انفرادیت کی بھوت جن کے سر پر ہمہ وقت سوار رہتی ہو۔

کیونکہ منظم، متحد اور جذبہ اخوت سے معمور قوم ہمیشہ فکر اجتماعیت کی خوشبو سے بنتی ہے اور سوچ انفرادیت کی بدبو سے منتشر ہو کر بکھر جاتی ہے۔

بدقسمتی کی انتہا دیکھئے کہ دیگر المیات کے علاوہ مسلمانوں کی ایک درد انگیزی یہ بھی ہے، کہ اُن میں آج فکر اجتماعیت بھی ناپید ہو گئی ہے اور اس کے مقابلے میں سوچ انفرادیت ان کی رگ و پے میں سرائیت کر گئی ہے۔ آج آپ جہاں بھی اور جس مسلمان پر بھی نگاہ ڈالیں گے، معاشرے کے ایک ادنیٰ رکن سے لے کر اعلیٰ تک اور فقراء سے لے کر اُمراء تک سب اس مرض اور خباثت میں مبتلا ہیں اور اس بدبودار سوچ کے پسینے میں شرابور ہیں۔ ہر ایک نے فقط اپنی ہی ذات کے لئے پُرسہولت، پروقار زندگی اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے حصول کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھا ہے اور اپنی سوچ کے اس محور کو پانے کے لئے اکثر اوقات وہ ایسے بھونڈے کام بھی کر گزرتے ہیں جو واحد اُسے منزل پر پہنچانے میں تو کارگر ثابت ہوتے ہیں مگر اجتماعیت کے تصور کو آنِ واحد میں فنا کر دیتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں پر محرومیوں کے مزید در وا کر دیتے ہیں۔

صرف اپنی ذات کے لئے دولت، عزت اور شہرت کے حصول کے پیچھے یہ بے تحاشا دوڑ وہ خبیث کلچر ہے جس نے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کو امیر و غریب جیسے دو پاٹوں میں تقسیم کیا ہوا ہے اور ان کے بیچ نفرتوں کی ایک ناقابل عبور خلیج حائل کی ہوئی ہے۔

مسلمانوں میں آج نفسا نفسی اور سوچ انفرادیت کا یہ عالم ہے کہ ہر کوئی مرہم کا ٹیوب لیا صرف اپنے ہی زخموں کے اندمال میں لگا ہوا ہے۔ جبکہ ارد گرد پڑوس میں پڑا کلمہ گو بھائی کے زخموں میں کیڑے پڑ رہے ہیں اور وہ کیڑے ان زخموں کو کرید کرید کر ان کے آرام و سکون

میں خلل ڈال رہے ہیں۔

وہ عیش و آرام کی زندگی جی رہا ہے جبکہ ارد گرد پڑے مسلمان اپنے بیمار ولاچار بچوں کی شفایابی کے لئے دوا، بھوک کی آگ بجھانے کے لئے روٹی اور تن ڈھانپنے کے لئے پوشاک کو ترس رہے ہیں۔ مگر ان کی مدد تو کجا، ان کے لئے ہمدردی کے دو بول بولنے کو بھی گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے۔

وہ زمانہ اور تھا کہ فرزندان توحید ایک دوسرے کی جان بچانے کے لئے خود آتش نمرود میں کھود پڑتے تھے اور اپنی جانیں تک نچھاور کرتے تھے۔ عظیم مجاہدین اسلام حضرت عکرمہؓ، حضرت حارثؓ اور حضرت سہیلؓ کی ایک دوسرے کے لئے دی جانیوالی عظیم قربانیوں کی مثال ایک تابندہ تارے کی طرح انسانی اور اسلامی تاریخ میں پوری قوت کے ساتھ چمک رہی ہے۔1

[1]: اسلام کے ابتدائی دنوں میں اسلام اور کفر کے درمیان ایک جنگ لڑی گئی تھی۔ اس جنگ میں تین عظیم مسلمان مجاہدین حضرت عکرمہؓ، حضرت حارثؓ اور حضرت سہیلؓ شدید زخمی ہوئے تھے۔ ان کے ہونٹ خشک ہو چکے تھے اور شدت پیاس سے مسلسل پانی پانی پکار رہے تھے۔ اسی میں ایک بہشتی پانی کا مشکیزہ اُٹھاتے ہوئے حضرت عکرمہؓ کے پاس آئے اور اُسے پانی کا کنڈول پیش کیا، لیکن اس سے قبل کہ وہ اپنی پیاس بجھاتے اس نے دیکھا کہ حضرت حارثؓ بھی پیاسی نظروں سے پانی کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اُس نے فوراً بہشتی کو پہلے حضرت حارثؓ کو پانی پلانے کی ہدایت کی۔ بہشتی حضرت حارثؓ کی طرف چل پڑا، وہاں پہنچ کر اُسے بھی پانی کی پیشکش کی مگر اس نے بھی یہ کہتے ہوئے انکار کیا کہ حضرت سہیلؓ کی پیاس ان سے زیادہ ہے لہٰذا پہلے ان کو دے آؤ۔ بہشتی تیز قدموں کے ساتھ حضرت سہیلؓ کی طرف روانہ ہوئے، مگر جب وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت سہیلؓ جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ وہ واپس دوڑتے ہوئے حضرت حارثؓ کے پاس آئے لیکن وہ بھی اگلے جہاں سدھار چکے تھے۔ اس کے بعد حضرت عکرمہؓ کے پاس آئے لیکن وہ بھی دار فانی کو الوداع کہہ

اخلاق اور شائستگی کا فقدان:

اخلاق و شائستگی محض خوش گفتاری کا نام نہیں بلکہ اس کے زمرے میں مندرجہ ذیل وہ تمام چیزیں آتی ہیں، جو کہ ایک شریف اور مہذب اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے جُز لاینفک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ وہ لوازمات ہیں جس سے ایک جنت نظیر معاشرے کی بساط بچھتی ہے اور جس کے بغیر ایک اچھا خاصا انسانی معاشرہ بھی حیوانی معاشرہ میں بدل جاتا ہے۔ شرافت ابدی نیند سو جاتی ہے، درندگی محور قص ہو کر چھا جاتی ہے اور پھر اُسے مہذب و انسانی معاشرہ کہلانا مشکل تر ہو جاتا ہے۔

1: ایک مہذب اسلامی معاشرے کا ایک فرد جب بھی کوئی کام کرتا ہے خواہ وہ خفیہ ہو یا علی الاعلان، تو یہ فکر ہر وقت اسے دامن گیر رہتی ہے کہ لازم کوئی ہے جو اُسے دیکھ رہا ہے، اس کی ایک ایک حرکت کو پرکھ رہا ہے اور جو اس کی نیت و ارادے سے بھی خوب باخبر ہے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ صحیح کی صورت میں جزاء و انعام بھی دے سکتا ہے، جبکہ غلط کی صورت میں دردناک سزا بھی بھگتا سکتا ہے۔

2: جھوٹ کی بنیادیں ناپائیدار ہوتی ہیں۔ مہذب اسلامی معاشرے کا فرد اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے، لہٰذا دنیاوی لین دین اور معاملات زندگی ہمیشہ سچ کی پائیدار اور مضبوط بنیادوں پر اُستوار کرتا ہے، چلاتا ہے اور تھوڑی سی دنیاوی مفاد کے لئے جھوٹ کا سہارا لینے

چکے تھے۔ یہ واقعہ مجاہدین اسلام کے ایثار و قربانی کا ایک عالمگیر تاریخی مظاہرہ تھا۔ (یہ واقعہ جنگ یرموک کا تھا)۔

سے گریز کرتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کچھ اقوال ہیں۔

◈ جھوٹ بولنے کا انجام ملامت اور ندامت ہے۔ جبکہ صدق کا انجام نجات وسلامتی ہے۔

◈ جھوٹ بولنا ایک بہت بڑا عیب ہے جو آدمی کو ذلیل وخوار کرتا ہے۔

◈ جھوٹ بولنے سے دنیا میں شرمندگی اور آخرت میں عذاب دوزخ حاصل ہوتا ہے۔

◈ جو شخص جھوٹ بولتا ہے اس کی عزت اور رونق ختم ہو جاتی ہے۔

◈ جھوٹ ذلت اور پستی کا باعث ہے۔

3: دل میں کچھ، منہ میں کچھ، کہتا اور، کرتا اور یا اپنے کہے سے مکر جانا جیسے خصائل بد منافقت کی بدترین علامتیں ہیں اور یہ علامتیں جس کسی میں یکجا ہو جاتی ہیں، وہ دنیا کا ایک ناقابل اعتبار فرد بن جاتا ہے اور ایک دانا کا قول ہے، کہ مالی ومعاشی طور پر کمزور کو غریب نہیں کہا جاسکتا بلکہ غریب دراصل وہ ہے جس پر سے دنیا کا اعتبار اُٹھ جائے۔

لوگوں کا اعتبار اُٹھ جانے کے باعث وہ معاشرے میں الگ تھلگ ہو کر رہ جاتا ہے، ہر کوئی اُس سے دور بھاگتا ہے اور عرف عام میں بطور منافق، جھوٹا، بے ایمان، دھوکے باز، دوغلا اور ایک نمبر فراڈی پہچانا جاتا ہے۔ یہ اُس شخص کے اوصاف وصفات ہیں جسے داناؤں کی نرم زبان میں غیر مہذب معاشرے کا غیر مہذب فرد بھی کہا جاتا ہے۔ یہ رہی منافق کی دنیاوی سُبکی وسزا، جبکہ قیامت کے روز اس کے ساتھ جو سلوک ہوگا اور اس کے ساتھ جو برتاؤ برتا جائیگا اس کے متعلق ایک حدیث مبارک کے لب ولباب کچھ اس طرح کے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک بندہ

خدا کے حضور آئے گا، خدا اس سے کہے گا، اے فلاں! کیا میں نے تجھے عزت و شرف نہیں بخشا تھا؟ کیا تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا تیرے قبضے میں گھوڑے اور اونٹ نہیں دیئے تھے؟ اور کیا ہم نے تجھے مہلت نہیں دی تھی؟ تو اپنی حکومت چلاتا اور لوگوں سے مال وصول کرتا تھا۔ وہ ان نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ اس سے پوچھے گا، کیا تو سمجھتا تھا کہ ایک دن ہمارے سامنے پیش ہو گا؟ وہ کہے گا نہیں، تو اللہ اُس سے کہے گا کہ جس طرح تو نے مجھے دنیا میں بُھلائے رکھا۔ اسی طرح میں تجھے بُھلا دونگا۔

پھر ایسا ہی ایک دوسرا (منکر قیامت) خدا کے حضور آئے گا اور اس سے بھی اسی طرح سوال ہو گا۔

پھر ایک تیسرا شخص پیش ہو گا اور اللہ اس سے وہی سوالات کرے گا جو پہلے دو آدمیوں سے کئے تھے (جو کافر تھے) یہ جواب میں کہے گا، اے میرے رب! میں تجھ پر، تیری کتاب اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا تھا۔ میں نماز پڑھتا تھا، روزے رکھتا تھا، تیری راہ میں اپنی دولت خرچ کرتا تھا۔ پھر اسی طرح پوری قوت سے وہ اپنے دیگر بہت سے "نیک کام" گنائے گا۔ تب اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا۔ بس رک جاؤ، پھر اللہ فرمائے گا، ہم ابھی تیرے خلاف گواہی دینے والا بلاتے ہیں، وہ اپنے جی میں سوچے گا کہ بھلا وہ کون ہے جو میرے خلاف گواہی دے

گا۔ (اسی لمحے) اس کے منہ کو مہر لگا کر بند کر دیا جائے گا۔ (کیونکہ یہ اللہ کے حضور جھوٹ بولنے سے نہ شرمائے گا جس طرح دنیا میں نبیؐ اور مؤمنین کے سامنے بے شرمی سے جھوٹی پاک بازی کا ڈھنڈورا پیٹا کرتا تھا)۔ پھر اس کی ران، گوشت اور ہڈیوں سے پوچھا جائے گا تو وہ سب اس شخص کے ایک ایک مکارانہ عمل کو ٹھیک ٹھیک بیان کر دیں گے اور اسی طرح اللہ باتیں بنانے کا دروازہ بند کر دے گا۔ حضورؐ نے فرمایا، یہ وہ آدمی ہے جس نے دنیا میں منافقت برتی اور یہ وہ شخص ہے جس پر خدا غصہ ہوا"۔[1]

ایک کامل مومن اور مہذب اسلامی معاشرے کا مہذب فرد مذکورہ بالا غلاظتوں کے میل کچیل سے پاک ہوتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ فضاء اُن کے اعمال بد سے مسموم و مکدر ہو اور خدا و خلق خدا ناراض۔ وہ محبتیں بانٹتا ہے اور ان چیزوں سے ہمیشہ خود کو بچاتا ہے جو محبتوں کی بجائے نفرتیں سمیٹتی ہیں۔ وہ دل میں کچھ، منہ میں کچھ کہتا اور کرتا اور، اور یا اپنی کہی ہوئی بات سے مکر جانا جیسے خصائل اور اوصاف وصفات یا ایسی دیگر چیزوں سے جس سے معاشرے اور قوم کی بربادی کا قوی احتمال ہو سخت نفرت کرتا ہے اور کوشاں رہتا ہے کہ مذکورہ غلاظتوں کی پرچھائیاں تک بھی اُن پر نہ پڑے۔

اس کا منہ اس کے دل کی ترجمانی کرتا ہے جو کہتا ہے وہی کرتا ہے اور جب ایک بار کہا تو

---

[1]: مسلم عن ابوہریرہؓ، جلد نمبر، 4 حدیث نمبر، 5530 بحوالہ: راہ عمل، ، صفحہ نمبر 57-58۔

مجال ہے کہ کوئی اُسے پشیماں کرے۔ اس کی بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے اور پتھر کی لکیر با آسانی مٹائی نہیں جاسکتی۔ ثانیاالذکر اوصاف وصفات کے حامل شخص کو دنیا تکریم کی نگاہ سے دیکھتی ہے، وہ بابھروسہ اور بااعتبار ہوتا ہے، لوگ اس کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ معاملات کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

4: ایک خوب صورت معاشرہ اس وقت تک اپنا حسن قائم رکھ سکتا ہے اور اندرونی و بیرونی طوفانوں کا مردانہ وار مقابلہ کرسکتا ہے۔ جب تک اس میں حق وانصاف کا بول بالا ہو۔ جنگ عظیم دوم کے دوران جب برطانیہ موت و حیات کی کشمکش میں اُلجھا ہوا تھا اور اس کی سلامتی پوری طرح وقت کے گرداب میں پھنسی ہوئی تھی، تو عین اُس وقت کے برطانوی وزیراعظم "چرچل" سے کسی نے پوچھا کہ "کیا برطانیہ یہ جنگ جیت جائیگا؟" چرچل نے بلاتامل موڑتے ہوئے سوال کُنندہ سے پوچھا کہ "کیا برطانیہ میں انصاف ہے؟" مخاطب نے جب اثبات میں سرہلایا تو چرچل مطمئن ہوکر کہنے لگے "پھر سمجھو کہ برطانیہ یہ جنگ جیت گیا ہے"۔ اور پھر وہی ہوا جس کی پیشن گوئی اُنہوں نے دوران جنگ کی تھی۔ یعنی برطانیہ اور اس کی حلیف طاقتیں جیت گئیں، جبکہ حریف طاقتیں باوجود قوت کے گھٹنے ٹیکنے اور تاحیات طوق غلامی گلے میں ڈالنے پر مجبور ہوگئیں۔

مذکورہ بالا اوصاف کے حامل معاشرے اور قوم کا ہر رکن بلاکا مطمئن اور پرسکون رہتا ہے اور اس سکون واطمینان قلب کو تاقیامت برقرار رکھنے کے لئے وہ ہر قسم کے خطرات و طوفان سے ہر دم نمٹنے پر تُلا ہوا رہتا ہے اور پھر یہی وہ جذبہ اور جنون ہوتا ہے جو ان کی قسمت پر ہمیشگی و دوام کی مہر لگادیتا ہے۔

حق و انصاف کے پاس دار معاشرے کے ہر رکن پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، وہ بلا تفریق اُسے بااحسن نبھانے کی کوشش کرتا ہے، حکمران اپنے رتبے اور منصب کو ترکش نہیں بناتے جس میں پڑا ہوا بے انصافی کا ہر تیر غریب ولاچار کے سینے میں پیوست ہونے کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ تھانے، کچہریاں اور عدالتیں ٹارچر سیلیں نہیں جہاں فقط اذیتیں دی جاتی ہیں۔ بلکہ بلا امتیاز انصاف بانٹنے والے مراکز کا کردار ادا کرتے ہیں، جبکہ معاشرے کا عام رکن بھی حق و انصاف کی اٹوٹ چاہت سے اس قدر لبریز ہوتا ہے، کہ چلتا پھرتا مسیحا بن کر زخموں کا اندمال کرتا پھرتا ہے۔ وہ حق و انصاف سے اس قدر سرشار ہوتا ہے کہ اگر گاؤں، محلے میں دو لوگ کسی گنجلک مسئلے پر باہم مشت و گریباں ہو تو درمیان میں کھود کر اس کا حل نکالتا ہے۔ حق و انصاف کے عین مطابق بات کرتا ہے، قصوروار کو اپنا قصور دکھا کر اس کی مذمت کرتا ہے اور اسے ملامت کر کے اسے ٹھوکتا ہے، جبکہ بے قصور کی دلجوئی اور اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور حق و انصاف کے آگے کسی بھی رشتہ داری و قرابت داری کو خاطر میں نہیں لاتے۔

5: عوامی میل جول اور ایک دوسرے کے غم و خوشی میں شراکت کے مظاہرے معاشرہ کو اخوت اور محبت کی لڑی میں پروتے ہیں۔ جبکہ دنیا سے کٹ کر رہنا اور تنہا پسندی انسان کو گھر کی چاردیواری میں قید کر دیتی ہے اور عوامی نفرتوں کا نشانہ اس قدر بناتی ہے، کہ ہر کوئی اُس سے منہ موڑ لیتا ہے اور خاص و عام میں کسی کی زبان پر اس کے لئے کلمہ خیر نہیں ہوتا۔

مہذب اور شائستہ شخص اس عوامی، سماجی اور معاشرتی استرداد سے خائف رہتا ہے اور یہی وہ خوف ہوتا ہے جو اُسے انتہائی سوشل آدمی بننے پر مجبور کرتا ہے اور جس کی وجہ سے وہ تنہا پسندی، ہر وقت گوشہ نشینی اور عالم خلوت سے نکل کر منظر عام پر آجاتا ہے اور لوگوں میں

قبول عام کا درجہ پاتا ہے۔

6: عاجزی، خاکساری، سنجیدہ پن، نرم و سخت کی آمیزش سے بنا مزاج، ٹھوس، مدلل، شیریں، سمندری لہروں کی طرح ہموار و رواں گفتگو اور اخلاقی قدروں کو پامال نہ کرنے والی طنز و مزاح کی عادت وہ اوصاف حمیدہ ہیں جو اُن میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ جہاں بھی جاتا ہے تو ان خاصیتوں کی بدولت اُس محفل میں جان آجاتی ہے۔ دن بھر کا تھکان دور ہو جاتا ہے، پریشانیاں رحت سفر باندھ کر رُخصت ہو جاتی ہیں، چہار سو رونقیں چھا جاتی ہیں، ہونٹوں کے قفل ٹوٹ جاتے ہیں اور مسکراہٹیں بکھرنے لگتی ہیں۔

7: برادرم مہذب اسلامی معاشرے کا ایک اور خاصہ بھی نوٹ کر لیجئے اور وہ یہ کہ وہاں منہ میں رام رام اور بغل میں خنجر والی بات نہیں ہوتی، بلکہ صدق دل سے ایک دوسرے کو احترام دیا جاتا ہے۔ عمر میں بڑوں کے سامنے شانیں اُچکاتے ہوئے اونچی آواز میں بات نہیں کی جاتی بلکہ نظریں جھکی ہوئی رہتی ہیں اور آواز خفیف، جس سے بڑے کا دل شان عظمت کے احساس سے معمور ہو جاتا ہے اور جو اباً دعائیں دیتا ہے۔

قومی اور ملی شان میں اضافے کے لئے گراں قدر خدمات انجام دینے والے ہیروز کو محسن کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ہر دل میں ان محسنوں کے لئے نیک جذبات و تمنائیں ہوتی ہیں اور ہر لب شب و روز اُن کے تعریفی نغمے گنگناتا ہے۔ جبکہ اہل علم و اہل فکر و دانش بھی واجب الاحترام ہوتے ہیں اور معاشرے کا ہر رکن ان کے آگے احتراماً سر بہ خم رہتا ہے۔

8: مہذب اور ہر دم متحرک اسلامی معاشرے میں ایسا بھی نہیں ہوتا کہ محض اپنے آپ میں شر پھیلانے والے جراثیم کو ختم کیا اور پھر کسی مسجد کے سنسان گوشے میں بیٹھ کر تسبیح ہاتھ

میں لیا اللہ اللہ کرنے پر قانع و شاکر ہوا۔ اس عمل کو نہ تقویٰ سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی انسانیت کی خدمت۔ بلکہ تقویٰ اور انسانیت کی خدمت اس عمل کو سمجھا جاتا ہے، کہ پہلے خود عملی نمونہ بنتا ہے اور پھر اُٹھ کر باقی دنیا کو ڈھال بن کر مفسدوں کی شر و فساد سے محفوظ بناتا ہے۔

9: کہا جاتا ہے کہ دنیا اُس حسین و جمیل عورت کی طرح ہے جو اپنی دلربا آداؤں سے انسان کو اپنی جانب کھینچتی ہے اور بعض اوقات انسان کے اندر چھپا ہوا خواہشات کا طوفان بھی اُسے ان کے حصول پر اکساتا ہے، لیکن مہذب اسلامی معاشرے کے دانا اور صالح مسلمان پر ایمانداری ہمہ وقت غالب رہتی ہے۔ لہذا تمام تر بناؤ سنگھار و خوب صورتی کے باوجود ان کی طرف ایک نظر بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔

قارئین مذکورہ بالا نکات دراصل ایک شریف اور ایک نیک انسان کی خصوصیات ہیں۔ مختصر ہی سہی پھر بھی اتنے دم خم کے حامل ضرور ہیں کہ اس سے ایک اچھے، بہتر اور خوش حال انسانی معاشرے کی بساط بچھ سکتی ہے اور مہذب و غیر مہذب انسان کے درمیان فرق و امتیاز کی لکیر کھینچی جا سکتی ہے۔ لیکن اب یہاں یہ سوال پوری قوت سے پھر اُبھر کر سامنے آرہا ہے کہ کیا ہم مسلمانوں میں آج یہ تمام تر خصوصیات پائی جاتی ہیں؟ کیا ہماری طرز زندگی مذکورہ مہذب اُصولوں و ضوابط سے ہم آہنگ ہیں؟ اور کیا ہمارے معاشرے میں وہ خوشگوار اثرات دکھائی دیتے ہیں جو ان خصوصیات کی بدولت رونما ہوتے ہیں؟۔ نہیں۔ میرے خیال سے تو نہیں۔ اگر آپ مسلمان ہونے کے دعویدار ہے تو برائے کرم آپ بھی اپنے گریبان میں جھانکئے اور اپنے آپ میں خوردبینی نگاہوں سے زندگی کے مذکورہ آداب ڈھونڈیئے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر آپ کا ضمیر زندہ ہے اور اخلاقی جرأت کسی نہ کسی حد تک ہے تو آپ بھی لفظ نہیں میں فیصلہ سنا کر میرے ہی موقف کی

تائید کریں گے۔

زمینی حقائق بھی یہی ہیں۔ کہ آج ہم مسلمانوں کی زندگی آلائشات کا مجموعہ اور ہر نوع کی گند کا ملغوبہ بنا ہوا ہے۔ ہم اُن خصوصیات کے بالکل اُلٹ چل رہے ہیں جس کی ایک شائستہ اور مہذب معاشرت تقاضا کرتی ہے۔ مسلمان ہوتے ہوئے ہماری انسانیت، ہماری شرافت اور حتیٰ کہ ہماری مسلمانی احاطہ مسجد تک محدود ہے۔ احاطہ مسجد سے باہر کی دنیا میں جینے کا ہمارا ساز بھی نیا ہے اور انداز بھی نرالا ہے۔

حقیقت میں ہم گفتار کے غازی بنے ہوئے ہیں، کردار انتہائی شرمناک ہے۔ دل خوف خدا سے خالی ہے، جھوٹ کو کاروبار بڑھانے کا ذریعہ سمجھا ہوا ہے، قول و فعل میں بے انتہا تضاد ہے، انصاف ناپید ہے اور پنچائیت سے لے کر اعلیٰ عدلیہ تک ناانصافی کی طوائف کھلے میدان میں تنہا ناچ رہی ہے اور پیروں میں بندھے گنگروں کی کھنکار سے پوری سوسائٹی کو مست و مدہوش بنائی ہوئی ہے۔

عوامی میل جول اگر ہے تو وہ بھی خلوص و محبت سے خالی اور بغض و عناد و تعصبات کی گرد میں اَٹا ہوا ہے، شیرین مزاجی و خاکساری فرعونیت و رعونت کے آگے ہتھیار ڈال چکی ہیں، آداب بزرگی اور جذبہ احترام اپنی موت آپ مر چکے ہیں اور رگ و پے میں بدتمیزی، بداخلاقی پھوٹ پھوٹ کر بھری ہوئی ہے، جبکہ محسن کشی اس حد تک چھائی ہوئی ہے کہ قوم و ملت کے لئے کارنامے انجام دینے والے ہیروز اور محسنوں کو احتراماً کندھوں پر اُٹھانے کی بجائے جیتی جی ان کی قبریں کھودی جارہی ہے اور اُنہیں اپنے کئے پر نادم و پچھتانے کے لئے اُن کے مذاق اُڑائے جارہے ہیں۔

بے وقوف ہے وہ جو اس قسم کے لوگوں سے برائیوں کے خلاف جدوجہد کی امید لگائے بیٹھے ہیں اور جو اس خواب میں مبتلا ہیں کہ عنقریب مسلمان سرخرو ہو گا اور اچھے دن ایک بار پھر ان کی قدم بوسی پر مجبور ہوں گے۔ یہ خوش فہمی ہے اور خوش فہمی کا کوئی علاج نہیں، کیونکہ برائیوں کے خلاف عملی جہاد انسان سے جن خوبیوں کا تقاضا کرتی ہے وہ ہم مسلمانوں میں ہیں کہاں؟

برطانیہ سے تعلق رکھنے والے ایک نو مسلم Webster سے ایک انٹرویو کے دوران جب پوچھا گیا کہ عالم اسلام کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے اور جن حالات میں آج کل مسلمان گھرے ہوئے ہیں، ان کے متعلق آپ کا تجزیہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا:

"ان حالات کے متعلق میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اگر عالم اسلام کو دیکھ کر میرے اسلام لانے کا سوال ہوتا تو میں کبھی مسلمان نہ ہوتا. مسلم دنیا میں آج کوئی چیز ایسی نہیں جو قبول اسلام کی تحریک کرتی ہو اور یہ بڑی تکلیف دہ صورتحال ہے."[1]

انہوں نے مزید آگے کہا:

"میں نے ہند و پاکستان کا بڑی تفصیل سے دورہ کیا. عرب ممالک کے مسلمانوں سے لندن میں ملنے اور ان کے حالات سمجھنے کا موقع ملا ہے. افسوس مسلمان ان تمام خوبیوں کو چھوڑ چکے ہیں یا چھوڑتے جارہے ہیں جو اسلام نے ان کو سکھائی تھیں. بلکہ آپ یقین کریں کہ کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یورپ (لادین یورپ) کئی حیثیتوں سے مسلمانوں سے زیادہ مسلمان ہے"[2]

---

[1]- ہم کیوں مسلمان ہوئے-، صفحہ نمبر 469- 470 .

[2]-ایضاً

ضمیر مر چکا ہے اور ذہن کچرہ کنڈی ہے اور اس سے اُٹھنے والے تعفُن نے پورے ماحول کو تعفُن زدہ کیا ہوا ہے، کردار داغ دار ہو چکا ہے جبکہ ایمانداری کی یہ حالت ہے کہ ہر وقت چغلی کرنا، امانت میں خیانت کرنا، دو بھائیوں کو باہم لڑانا، بہن بیٹی کے حقوق غصب کرنا، حتیٰ کہ دوسروں کی زمینوں پر ناجائز قابض ہونا، کھیت کھلیان سے گزرے ہوئے راستے اور شاہ راہیں بند کرنا، گھر کا سمیٹا ہوا کوڑا کرکٹ کوڑادان کی بجائے گلی کوچے میں پھینکنا، پانی کی سبیل کے ساتھ بندھا ہوا پلاسٹک کا گلاس لے اُڑانا، دو ٹھکے کمانے کی خاطر چائے کی پتیوں میں مختلف چیزوں کے چھلکے، سالن مصالحہ میں اینٹ کا چورہ اور دودھ میں پانی ملانا ہمارا وطیرہ بنا ہوا ہے۔

حکیم الاُمت علامہ اقبالؒ نے بجا کہا تھا کہ:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

●●●

طرّہ مؤمن

زندگی میں فقط ایک ہی کام کر
نفرتیں نہیں، تو محبت عام کر

کبھی راہ چلتے ہو تو مسکرا کے چلو
سامنے آنے والے پر پہلے سلام کر

کوئی محبت سے جواب نہ دے تو غم نہ کر
تو خود سُنّہ رسولؐ کا اہتمام کر

اور نیکی کر دریا میں ڈال سائرؔ
یہی طرّہ مؤمن ہے، یہی صبح و شام کر

◈◈◈

نمبر ۷

لبرل و سیکولر قیادت

مسلم اُمہ کی موجودہ زبوں حالی کی ایک اور بڑی اور ذمہ دار وجوہ مغرب کے مدر پدر آزاد معاشرے میں پلنے والی اور دین سے بے زار وہ لبرل و سیکولر قیادت ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے صرف زبانی اقرار کی قائل ہے قلبی تصدیق کی نہیں۔

اگرچہ بظاہر وہ لوگ خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ لیکن تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ زندگی میں اُنہوں نے کبھی بھی عملاً مسلمان ہونے کا مظاہرہ نہ ماضی میں کیا، نہ اب کرتے ہیں اور نہ مستقبل میں ان سے ایسا کرنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ بلکہ اُن کے دلوں میں بھی اسلام کے خلاف و ہی نفرت و کدورت ہے جس نفرت و کدورت کے لئے یہود و نصاریٰ اور غیر اللہ کے آگے سر جھکانے والی دیگر اقوام مشہور ہیں۔

چونکہ ان کی تعلیم و تربیت ہارڈ ورڈ اور آکسفورڈ یا ان جیسے دیگر ملکی تعلیمی اداروں میں

ہوئی ہیں اس لئے ملی غیرت اور دینی حمیت بدبودار صفات کے حامل اس طبقے کے قریب سے بھی نہیں گزریں۔ سرتاپا غلاظت سے الودہ، ان کی رگوں میں خون کی بجائے بے ایمانی، منافقت، خودغرضی، بے غیرتی، جھوٹ اور فریب جیسی قباحتیں دوڑ رہی ہیں۔

دراصل یہ ایک گروہ اور طبقہ ہے جسے عرف عام میں طبقہ اشرفیہ، یا مستغربین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مغرب کا تیار کردہ ہے اور اس سے ان کا مدعا واحد یہ ہے کہ ان ہی کے ذریعے کسی نہ کسی طرح وہ (مغرب) مسلم ممالک اور مسلم معاشرے پر اثر انداز رہے، ان ہی کے ذریعے وہ مسلمانوں کو ان کے نصب العین سے دور رکھے، مسلم معاشرے پر اسلام کی بدولت چھائے خوش گوار اثرات کو زائل کر دے اور ان آستین کے سانپوں کے ذریعے مسلمان قوم کو سیاسی، اخلاقی اور معاشی طور پر اتنا بدحال بنادے کہ ہر معاملہ میں وہ ان باطل طاقتوں کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو۔

تعداد کے لحاظ سے اگرچہ یہ لوگ آٹے میں نمک کے برابر ہیں، تاہم اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے مغرب نے اُنہیں سیاسی اور معاشی طور پر اتنا مضبوط، قوی، مستحکم اور بااثر بنادیئے ہیں کہ اب اُنہیں اس مشن ناپاک کی تکمیل میں کسی بھی دقت اور مشکل کا سامنا نہیں، بلکہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ اپنے آقاؤں کے وضع کردہ ایجنڈے پر چل رہے ہیں اور مسلمانوں کو اُنہیں کی بنائی ہوئیں زنجیروں میں جکڑ رہے ہیں۔

یہ روبوٹ نما اور ایمان فروش عناصر ملت اسلامیہ کے تمام شعبوں پر چھائے ہوئے ہیں اور انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ مغرب کے اشارہ ابرو پر عالم اسلام کی بیخ کنی اور بربادی کی ریشہ دوانیوں میں ہمہ جہت مصروف ہیں۔

کوئی بھی ادارہ ان کی دست رس سے باہر نہیں بلکہ ہر جگہ قدم قدم پر مغرب کے یہ پروردہ ایجنٹ بیٹھے ہوئے نظر آئیں گے جو ہر سانس لیتے اور حرکت کرتے وقت صرف اور صرف مغربی مفادات کو ہی مد نظر رکھتے ہیں۔ ان کے ان افعال و حرکات سے ان کے دین اور ملت کو کیا نقصان پہنچتا ہے، اس سے انہیں کوئی غرض نہیں۔

مذکورہ طبقے کی قوت کا اندازہ اس بات سے لگالیجئے کہ کسی بھی اسلامی مملکت میں عوامی نمائندگی کا بے جان عہدہ بھی ان کی مرضی ومنشاء کے خلاف پُر نہیں ہوتا۔ خواہ وہ وزارت عظمیٰ کا ہو، صدارت کا ہو، کسی صوبے کی گورنر شپ ہو، یا کسی شہر کی میئر شپ، یہاں بھی وہ لوگ آتے ہیں جو اُنہی کی قبیل کا ہو یا ان کے اور ان کے خیالات و نظریات میں تھوڑی بہت مماثلت پائی جاتی ہو۔ باقی لوگوں پر یہاں تک آنے کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے ہیں۔

الجزائر کی تاریخ ہمارے سامنے ہے، کہ ماضی قریب میں جب اسلامی سالوشن فرنٹ نے اپنے اخلاص، سچائی اور ایمانداری کے بل بوتے پر ملک پر حکمرانی کے لئے عوام کے ووٹوں سے الیکشن کی پہلی راؤنڈ میں دوسروں کی نسبت برتری حاصل کی اور دوسری راؤنڈ میں ان کی واضح کامیابی یقینی ہوگئی۔ تو مغرب اور الجزائری فوج کے لبرل عہدیدار تلملا اُٹھے اور فوری طور پر میدان میں کھود کر، ہر قسم کے ضابطہ اخلاق کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پوری دیدہ دلیری سے اس عوامی رائے کو بوٹوں تلے روند ڈالا اور پورے الجزائر کو ایسی خوف ناک خانہ جنگی کی لپیٹ میں دے دیا، کہ آج بھی الجزائری قوم اُن کے دیئے ہوئے درد سے کراہ رہی ہے۔

اس کے علاوہ ترکی کو لے لیجئے، جہاں رفاہ پارٹی نے نجم الدین اربکان کی قیادت میں سابقہ بلدیاتی خدمات کے عوض 1996ء کے جنرل الیکشن میں ان لبرل اور سیکولر قوتوں کی

توقعات کے برعکس جب بھرپور عوامی حمایت حاصل کی اور ملک کی وزارت عظمیٰ جیسے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے تو ان کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔

وہ ہرگز انہیں دل سے قبول و منظور نہ تھے، مگر دنیا بھر کے آزادی پسندوں کی تنقید و مذمت اور خود ترک عوام کی غیض و غضب کی وجہ سے وقتی طور پر خاموشی اختیار کی اور اُن کی ہر حرکت اور عمل کو اس دوران اپنی خود ساختہ کسوٹی پر پرکھتے رہے۔

لیکن جب انہیں یہ بات واضح طور پر نظر آئی کہ اسلام پسند اربکان ترکی کو پرانی ڈگر سے ہٹا کر نئی ڈگر پر ڈال رہا ہے اور ترک عوام کو ایک بالکل نئی جہت سے روشناس کرانے کی کوشش کر رہا ہے، تو اس کا وجود بھی ان کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا۔ یعنی نظریہ سیکولرزم پر اُستوار فوج کے جرنیلوں اور سیکولر صدر کو اربکان اور اس کی جماعت رفاہ کی یہ آدائیں پسند نہ آئیں۔ کیونکہ اربکان کی ان حرکات سے مغربی مفادات کو زک پہنچنے کا قوی اندیشہ تھا۔ لہذا یکدم اس عوامی قائد کے خلاف یکا کرتے ہوئے ان پر ٹوٹ پڑے اور اُسے اور ان کی جماعت کو بے پناہ عوامی تائید و حمایت کے باوجود اپنی مدت سے پہلے ہی کوچہ اقتدار سے رخصت ہونے پر مجبور کر دیا۔

پاکستان کے حالات بھی ان دو برادر اسلامی ممالک سے مختلف نہیں، بلکہ اسلام کے نام پر بننے والا یہ ملک بھی پوری طرح ان مغربی مہروں کے پنجوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اور ہر سطح پر یہ لوگ مغرب کے مفادات کے نگران بنے بیٹھے ہیں۔ اگر جذبہ حریت سے سرشار کوئی مرد آہن اُٹھ کر ان کے اس کھینچے ہوئے حصار کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے یا اپنی قوم کے لئے ایک نئی راہ کا تعین کرتا ہے تو ان کی یہ گستاخی ایک ناقابل برداشت جرم بن جاتی ہے اور پھر اس جرم کی پاداش میں اُسے دنیا کے لئے عبرت کا نمونہ بنا دیا جاتا ہے۔

kutubistan.blogspot.com

ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی مثال لے لیجئے، کہ وہ جب ملکی تاریخ کے اُفق پر ایک درخشندہ ستارے کی طرح نمودار ہوئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے خداداد صلاحیتوں کی بدولت تمام دنیا کے پسے ہوئے ولاغر طبقات کے عالمی لیڈر بن گئے اور پھر وہ جب دنیا بھر کے بکھرے ہوئے ان طبقات کو ایک ہی لڑی میں پرونے لگے، اُنہیں سامراج کے خلاف سینہ سُپر ہونے کی تعلیم دینے لگے اور اُنہیں باعزت جینے کا گُر سکھانے لگے۔

اور پھر جب اُس نے عرب عجم کا فرق مٹانا چاہا، نیل کے ساحل سے لے کر کاشغر تک پھیلے ہوئے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھا، ایک ناقابل تسخیر اسلامی بلاک بنانا چاہا اور پھر اس بلاک کی قیادت کے لیے پاکستان کو ایک توانا، مضبوط اور ہر لحاظ سے ایک مستحکم ملک بنانا چاہا۔

اور جب اُس نے عالم عرب کو خواب غفلت سے جگانا چاہا، اُنہیں تیل کی افادیت سمجھانا چاہا اور بوقت ضرورت دشمن سے نمٹنے کے لئے اُسے ایک مؤثر ہتھیار کی شکل دینے کا مشورہ دینا چاہا، تو ملک کے اندر اس ضمیر فروش لبرل ٹولے اور باہر اُن کے آقاؤں کے تن من میں آگ لگ گئی اور مسلم اُمہ کے اس غیر متنازعہ، بے باک ونڈر لیڈر کے بڑھتے ہوئے قدموں کے آگے بند باندھنے لگے۔ پہلے تو اُسے دیگر ہم پیالوں (لبرل وسیکولر) کی طرح بکاؤ مال سمجھ کر خریدنے کی کوشش کی گئی۔ کیونکہ ماضی میں وہ بھی ان کی صحبت میں رہ چکے تھے اور زندگی

کے شب و روز نے اب تک ان لوگوں (لبرل و سیکولر) کے یہی اوصاف وصفات دیکھے ہیں۔[1]

تاہم بھٹو ان کی توقعات کے برعکس قطعی طور پر مختلف نکلے اور اس نے یہ اختلاف اس وقت ثابت کیا جب اُس نے ہر ترغیب ٹھکرائی اور اپنے عزم صمیم پر کسی بھی قسم کی سودابازی سے انکار کیا۔ غریب طبقات اور بالخصوص اُمت مسلمہ کی بھٹکی ہوئی گاڑی کو جس صحیح سمت پر ڈال دیا تھا، اسی پر منزل مقصود پر پہنچانے کی ٹھان لی اور اس کے بدلے ہر قیمت چکانے اور ہر زیادتی، ہر تکلیف سہنے کے لئے ذہنی طور پر تیار بھی ہوئے۔

مغرب (اہل مغرب) انقلابی ذہن رکھنے والے اس عظیم رہنما کے ہر اقدام اور حرکت پر نگاہ گاڑے ہوئے تھے۔ لیکن جب اسے راہ راست پر لانے کی ان کی ہر کوشش رائیگاں گئی، ہر حربہ ناکام رہا اور اُنہیں یہ بات اچھی طرح محسوس ہوئی کہ بھٹو پسپائی اختیار کرنے والا نہیں، بلکہ فولادی دیوار کی طرح اپنے موقف پر ڈٹے رہنے والا شخص ہے تو ان کے خلاف سازشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ چل نکلا اور پوری مغربی دنیا امریکہ کی قیادت میں اور اندرون ملک ان کے یہ ایجنٹ اس عظیم مسلمان راہنما کے خلاف صف آراء ہو گئے۔

پھر دنیا نے دیکھا اور پاکستانی عوام نے دیکھا، کہ نا صرف ان کی اقتدار زمین بوس ہو گئی بلکہ وہ درخشندہ ستارہ بھی وقت سے پہلے چکا چوند دیئے بغیر غروب ہو گیا جو غیر ترقی یافتہ اقوام اور بالخصوص عالم اسلام کی تاریک زندگی میں اُجالے بکھیرنے نکلا تھا۔ ان کے علاوہ سعودی عرب

---

[1] ۔اتحادِ اُمّت کے لئے کوششیں اور اس سلسلے میں خاص کر 1974ء میں پاکستان ہی میں اسلامی سربراہ کانفرنس کا کامیاب انعقاد، 1973ء کے آئین کی صورت میں پاکستان کے لئے ایک متفقہ اسلامی دستور کی منظوری، اور پاکستان کا ایٹمی پروگرام بھٹو مرحوم کے وہ عظیم کارنامے ہیں جنہیں پ، ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

کے شاہ فیصل مرحوم بھی اگر قبل از وقت اگلے جہاں سدھار گئے تو ان کا جرم بھی یہی گستاخی تھی اور یا حال ہی میں اگر مصر کے اخوان المسلمون کو اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا اور عوامی رائے سے منتخب صدر محمد مرسی کو پس زنداں بھیج دیا گیا۔ تو اس بے چارے کی بھی خطا یہی تھی کہ وہ مصر کو ایک خود مختار ملک بنانا چاہتے تھے اور اپنے فیصلے تل ابیب اور واشنگٹن کی بجائے قاہرہ میں کرنا چاہتے تھے۔ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ گواہ ہیں کہ مصری سیکولر قوتوں کے سرخیل IAEA کا سابق سربراہ محمود البرادی اور OIC کا سابق سیکرٹری جنرل امر موسیٰ اخوان کی حکومت کے خاتمے کے لیے کئی بار اسرائیلی اور امریکی وزرائے خارجہ کے ساتھ میٹنگز کر چکے تھے اور مسلسل اپنے آقاؤں کے ساتھ رابطے میں تھے۔

اپنے گماشتوں کے ذریعے مخالف نظریات کی حامل اقوام اور خاص کر مسلمانوں کو زیر اور تسخیر کرنے کا یہ طریقہ واردات مغرب اور اس کے استاد یہودیوں کا نیا نہیں بلکہ اس کا باقاعدہ آغاز حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہوا۔ جب یمن کے شہر صنعا کے رہنے والے عبداللہ بن سبا نے ایک تحریک کا آغاز کیا، جس کا مقصد اسلام کی سیاسی مرکزیت اور فکر و اعتقاد کی وحدت کا شیرازہ بکھیرنا تھا۔

مذکورہ شخص اسلامی معاشرے میں رسوخ حاصل کرنے کے لئے تو بظاہر مسلمان ہو چکا تھا مگر باطن میں یہودیت پر بدستور کاربند تھا۔ وہ انتہائی ذہین، صاحب فہم اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والا شخص تھا۔ اس نے مسلمانوں کی بعض کمزوریوں سے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور بصرہ، کوفہ اور مصر میں خلافت راشدہ کے خلاف نفرت، بے چینی اور اضطراب پھیلانے میں نہایت ہی

اہم کردار ادا کیا۔[1]

اس کے بعد دور بنو عباس میں اُٹھنے والی تحریک متعزلہ کا مقصد بھی قرآن کو عقلیت کی کسوٹی پر پرکھنے اور سنت رسولؐ کو دین کے دائرے سے بے دخل کرنے کی آواز بلند کرنا تھا اور قرآن و سنت پر مسلمانوں کا جو غیر متزلزل ایمان و عقیدہ تھا۔ اسے متزلزل کرنا تھا۔ اس تحریک کے پیچھے بھی شاطر یہودیوں کا ذہن کار فرما تھا۔[2]

[1]: عبد اللہ بن سبا یمن کے شہر صنعا کے رہنے والے تھے۔ اس کی ماں ایک سیاہ فام باندی تھی، اس لئے اسے ابن السودا (سیاہ فام عورت کا بیٹا) بھی کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ حضرت عثمانؓ اور ان کے احکام کے شدید مخالفین میں سے تھا۔ عبد اللہ بن سبا نے حضرت علیؓ کے متعلق مسلمانوں میں اپنے شرارت آمیز اور گمراہ کن خیالات پھیلانا شروع کر دیئے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے تورات میں دیکھا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت علیؓ محمدؐ کے وصی تھے۔ جس طرح نبی کریمؐ افضل الانبیاء تھے اسی طرح حضرت علیؓ افضل الاوصیاء تھے۔ محمدؐ دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں تشریف لائیں گے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں حیران ہوں کہ لوگ نزول عیسیٰؑ کا عقیدہ تو رکھتے ہیں مگر انحضرتؐ کی رجعت (دوبارہ آمد) کو تسلیم نہیں کرتے۔ پھر رفتہ رفتہ الوہیت علیؓ کا پرچار کرنے لگا۔ حضرت علیؓ کو علم ہوا تو اسے قتل کرنے کے درپے ہوئے مگر عبد اللہ بن عباس نے روک دیا۔ فرمایا اگر آپ نے اسے قتل کر دیا تو آپ کی متبعین میں اختلاف پیدا ہو جائیگا۔ حالانکہ آپ اہل شام سے جنگ لڑنے جا رہے ہیں۔ پس حضرت علیؓ نے اسے مدائن کی طرف ملک بدر کر دیا۔ (مختصر تاریخ اسلام، صفحہ نمبر 375)۔

[2]: مندرجہ بالا کتاب کے مصنف "محمد دین" معتزلہ کے بارے میں کتاب کے، صفحہ نمبر 396 پر لکھتے ہیں کہ معتزلہ کا بانی واصل بن عطا تھے جو حسن بصریؒ کے حلقہ درس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں اختلافی سوال زور و شور سے اُٹھا کرتے تھے اور ایک دن زیر بحث مسئلہ یہ تھا کہ کیا گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان ہے؟ یا نہیں۔

حسن بصری کی مخالفت کرتے ہوئے واصل نے کہا "میں کہتا ہوں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب علی الاعلان مسلمان نہیں، بلکہ وہ کفر اور ایمان کی درمیانی منزل میں ہے"۔ اس اختلاف کے بعد واصل نے حضرت حسن بصریؒ کے حلقہ درس سے علیحدگی اختیار کر لی اور مسجد میں ایک الگ حلقہ قائم کر کے بیٹھ گئے۔ بعض علماء کے نزدیک

اس کے بعد آنے والے مختلف ادوار میں بھی مسلمان ان کی سازشوں کا شکار رہا اور کسی نہ کسی طرح وہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور اُنہیں مفلوج کرنے کی کاروائیوں میں مگن رہے۔ اگر اس کار نیک کے لئے اُنہیں کبھی مسلمانوں کی مدد کی ضرورت پڑی تو بعض کم فہم اور عقل و دانش سے عاری مسلمانوں نے مال و متاع اور رُتبوں کی لالچ میں آکر ان کی بھرپور اعانت و مدد بھی کی۔

تاہم ان کی سازشوں اور خلاف اسلام کارروائیوں میں زیادہ شدت اس وقت آئی جب اگست 1897ء کو سوئیزرلینڈ کے شہر باسل کے مقام پر دنیا بھر کے یہودی زعماء، دانشور اور صاحب فہم و فراست لوگ یکجاء ہوئے اور ایک عظیم تر یہودی ریاست کی ضرورت کو محسوس

یہ فرقہ حضرت علیؓ کے اس لشکر سے پیدا ہوا جو سیاسیات سے الگ ہو گیا تھا۔ بعض کی رائے ہے کہ جب واصل حسن بصریؒ سے الگ ہو گیا تو اُنہیں معتزلہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔
معتزلہ کے معتقدین کے متعلق مصنف آگے چل کر، صفحہ نمبر 401 پر لکھتے ہیں کہ اسلام میں بہت سے مذاہب کے لوگ داخل ہوئے۔ ان میں مجوس، یہودی، صابی اور نصاریٰ وغیرہ سب ہی تھے۔ ان مذاہب کے جو لوگ داخل اسلام ہوئے ان کے سربراہ اور راہنما ان تعلیمات سے بھرپور تھے جو ان کے ادیان سابقہ کی تھیں۔ اسلام قبول کر چکنے کے بعد بعض لوگ اپنے سابقہ مذاہب کی مدح ثنائی میں رطب اللسان رہتے تھے۔ اُنھوں نے اسلام کو اسی روشنی میں دیکھا تھا اور سمجھتا تھا۔ بلکہ بعض ان میں ایسے تھے جو سلطان وقت کے ڈر سے علی الاعلان تو اسلام کا اظہار کرتے تھے لیکن غیر اسلامی خیالات و معتقدات کو سینے میں چھپائے ہوئے تھے۔ یہ مسلمانوں میں اپنے مخصوص خیالات کی نشر و تبلیغ کرتے، ان کے معتقدات میں شک ڈالتے، ان کے اندر غیر اسلامی افکار و آراء داخل کرنے کے درپے ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کی کوششیں رنگ لائیں، رفتہ رفتہ ان کی باتوں نے جڑ پکڑلی اور ایسے فرقے پیدا ہو گئے جو بظاہر مسلمان تھے۔ مگر حقیقت میں اساس اسلام کو منہدم کرنے کے درپے تھے۔

کیا۔ اس کانفرنس میں اُنہوں نے اپنے لئے چند اغراض و مقاصد طے کئے اور پھر اُن مقاصد کی تکمیل کے لیے دنیا بھر کے یہودیوں نے کمر کس لئے۔

اپنی اس خیالی ریاست کے لئے اُنہوں نے فلسطین کے زرخیز علاقوں کا انتخاب کیا۔ لیکن چونکہ اس وقت یہ علاقہ پوری طرح خلافت عثمانیہ کی عملداری میں شامل تھا اس لئے انہیں وہاں آباد ہونے اور اپنے آئندہ کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خلافت عثمانیہ کے حکماء سے باقاعدہ اجازت لینا ناگزیر تھا۔

لہذا اس غرض کے لئے برطانیہ میں مقیم یہودی سرمایہ داروں نے لنگوٹ کس لئے اور ڈاکٹر ہرٹزل کی قیادت میں اس وقت کے تاجدار خلافت عثمانیہ سلطان عبدالحمید خان سے مذکورہ علاقوں میں یہودیوں کی بستیاں بسانے کی اجازت مانگنے کی دوڑ دھوپ شروع کرنے لگے۔

اُنہوں نے سلطان عبدالحمید خان کو طرح طرح کے لالچ دیئے۔ پانچ کروڑ روپے کی خطیر رقم، فلسطین ہی میں ایک جدید طرز کی یونیورسٹی کا قیام، ایک بحری بیڑہ بنا کر دینے اور عثمانی خلافت کے ذمے تمام واجب الادا بیرونی قرضوں کی ادائیگی کی پیشکش بھی کیں اور ساتھ ساتھ تمام بین الاقوامی فورمز پر بھرپور حمایت کا یقین بھی دلایا۔ مگر سلطان نہ مانے اور ان تمام پیشکشوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر ان کے عزائم خاک میں ملا دیئے۔

1934ء کو تل ابیب میں ڈاکٹر ہرٹزل کی ایک ڈائری شائع ہوئی جس میں واضح طور پر لکھا تھا کہ 1902ء میں سلطان عبدالحمید خان نے ڈاکٹر ہرٹزل کو ایک خط بھیجا تھا جس کا نفس مضمون یہ تھا:

"ڈاکٹر ہرٹزل کو بتادو کہ وہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کی

کوششیں ختم کر دیں۔ جب تک عثمانی سلطنت کا ایک غیور فرد بھی زندہ ہے اُسے فلسطین نہیں مل سکتا"۔[1]

سلطان کے اس دوٹوک جواب سے وقتی طور پر ان کی کوششوں کو دھچکا ضرور لگا، مگر اس کے باوجود وہ مکمل طور پر مایوس نہیں ہوئے اور ذہنی یکسوئی کے ساتھ جہد مسلسل سے برابر اپنے ہدف کی جانب بڑھتے رہے۔ جس میں بالآخر ایک دن اُنہیں کامیابی ہوئی، ان کی کاوشیں رنگ لے آئیں اور بہت جلد اسی سلطنت کی ایک سیاسی جماعت Turkish Society of Union & Progress یعنی انجمن اتحاد ترقی میں اثر و نفوذ حاصل کر لئے۔ اس جماعت کے چیدہ چیدہ قائدین کو اُنہوں نے دولت کے بل بوتے پر اپنے زر خرید غلام بنا لئے اور پھر ان زر خرید غلاموں نے فوج کے دیگر لبرل عناصر کی مدد سے سلطان عبدالحمید خان کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر یہودیوں کے عزائم کی راہ میں حائل ایک بڑی اور بھاری پتھر ہٹادی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کے ان غداروں اور باغیوں نے جب مملکت کے تمام شعبوں کا کنٹرول سنبھال لیا اور پوری سلطنت کو اپنے پنجہ استبداد میں جکڑ لیا تو نہ صرف یہ کہ روئے زمین پر قائم واحد اسلامی خلافت ابدی موت سے ہمکنار ہوئی، بلکہ وہ معاشرہ جس میں تھوڑی بہت اسلامی رمق باقی تھی، کفر و الحاد کے بھنور میں دُھنس گیا اور ملک کے چپے چپے اور گوشے گوشے میں رقص ابلیس کے مظاہرے ہونے لگے۔

علاوہ ازیں اُنہوں نے آئین کو بھی نہ بخشا، بلکہ اس میں بھی رد و بدل اور بے جا ترامیم کی

[1]: فتنہ یہود، ، صفحہ نمبر 17۔

ایسی بھرمار کی گئی کہ آئین کا اصل خلیہ بگڑ کر رہ گیا اور پھر اس کے ایک قانون کی رو سے یہودیوں کی وہ دیرینہ تمنا اور آرزو پوری کر دی گئی جس کے لئے ماضی میں انہیں کافی پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔

یعنی 1914ء میں یہودیوں کو فلسطین میں جائیدادیں بنانے، بستیاں بسانے اور تنظیمیں و ادارے قائم کرنے اور ایک یہودی ریاست کی داغ بیل ڈالنے کی اجازت دیدی گئی اور سلطان کی وہ سونا اُگلتی زمینیں جس کی فروخت کے لئے وہ کبھی تیار نہ تھے، یہودی تنظیموں کے ہاتھوں کوڑیوں کے مول فروخت کر دی گئیں۔

ارض فلسطین پر ایک چھوٹی سی یہودی ریاست کا قیام تو دراصل ایک نقطہ آغاز تھا ورنہ ان کی نظریں بحیرہ روم سے لے کر خلیج فارس تک پھیلے ہوئے زیر زمین معدنی وسائل سے مالامال اس پورے خطے پر لگی ہیں۔ جس کی حدود اربعہ میں شام، مصر، اُردن، لبنان، کویت، پورا سعودی عرب اور دیگر خوش حال خلیجی ریاستیں آتی ہیں۔ وہ اس پورے علاقے کو زیر تسلط لانا چاہتے ہیں، تاکہ ان کی ایک عظیم تر یہودی ریاست کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے. ایک یہودی راہنما ڈاکٹر اری اک مین (Dr. Arye Alkman) نے 13 مارچ 1952ء کو یروشلم میں ایک تقریر کے دوران اپنے اُن خفیہ عزائم سے یوں پردہ اُٹھایا۔ اُنہوں نے کہا:

> "ایک عظیم تر اسرائیل ہی جو عراق سے لے کر سویز تک پھیلا ہوا ہو، ایک ایسی طاقتور ریاست ہو سکتی ہے، جو مشرق وسطیٰ میں اندرونی اور بیرونی امن کی ضمانت دے سکے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کو واضح الفاظ میں بتادیں کہ دنیا بھر کے یہودیوں کو فلسطین میں جمع کرنے سے اسرائیلی حکومت کا مقصد ہی یہ ہے کہ اسرائیل کی سرحدیں وسیع کی جائیں۔ جو عراق سے سویز تک

پھیلی ہوئی ہو۔ صرف اسی صورت میں اسرائیل مشرق وسطیٰ میں جمہوریت کا ایک مضبوط حصار بن سکتا اور اس پوزیشن میں ہو گا کہ ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کر سکے"۔[1]

اپنی اس چھوٹی سی ریاست کو وسعت دینا اور اس کی سرحدیں دنیائے عرب کے طول و عرض میں پھیلانا اور پھر اُسے ایک سپر طاقت اور نا قابل شکست ملک بنانا اور خطے کے دوسرے آزاد ممالک کو اپنی باجگزار ریاستوں میں تبدیل کرنا، اُن جملہ خطرناک عزائم میں سے ان کا ایک عزم ہے اور اس کی تکمیل کے لئے اُنہوں نے مختلف منصوبے (Plans) ترتیب دیئے ہیں اور منظم انداز میں ان منصوبوں پر آغاز سے لے کر تاحال پورے زور و شور سے کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔

مغرب کی عیسائی برادری بھی اس کار خیر میں برابر اپنا حصہ ڈال رہی ہے اور ان کے معاون و مددگار بنے ہوئے ہیں اور ان کی اس مدد و تعاون کی وجہ یہ ہے کہ یہود پہلے ہی عیسائیت کو فتح کر چکے ہیں اور ان کے دلوں میں اپنے مذہب سے جو لگاؤ اور محبت تھی، وہ اُسے مٹا چکے ہیں۔ ان کی سیاسیات ان کے قبضے میں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی زندگی کی شہ رگ (اقتصادیات) کو اُس نے اپنے خون آلود پنجے میں دبوچ لیا ہے۔ عیسائی خوب جانتے ہیں اور اُنہیں پتہ ہے کہ ان کی زندگی کی ڈور یہود کے ہاتھ میں ہے اگر کسی وقت اُس نے وہ ڈور کھینچ لی تو جسم و جان کا رشتہ منقطع ہونے کا قوی احتمال ہے۔

---

[1]: فتنہ یہود، صفحہ نمبر 87۔

(اے اسرائیل تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں)

یہ نعرہ اسرائیلی پارلیمنٹ کی عمارت کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے۔ جس سے یہودی ریاست کے جارحانہ عزائیم کا صاف پتہ چلتا ہے۔ صیہونی تحریک کے شائع کردہ نقشے کے مطابق اسرائیل مستقبل میں جن عرب ممالک اور علاقوں کو ہڑپ کرکے اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ ان میں دریائے نیل تک پورا مصر، اُردن، شام، لبنان، عراق، ترکی کے جنوبی علاقے اور سعودی عرب شامل ہے۔

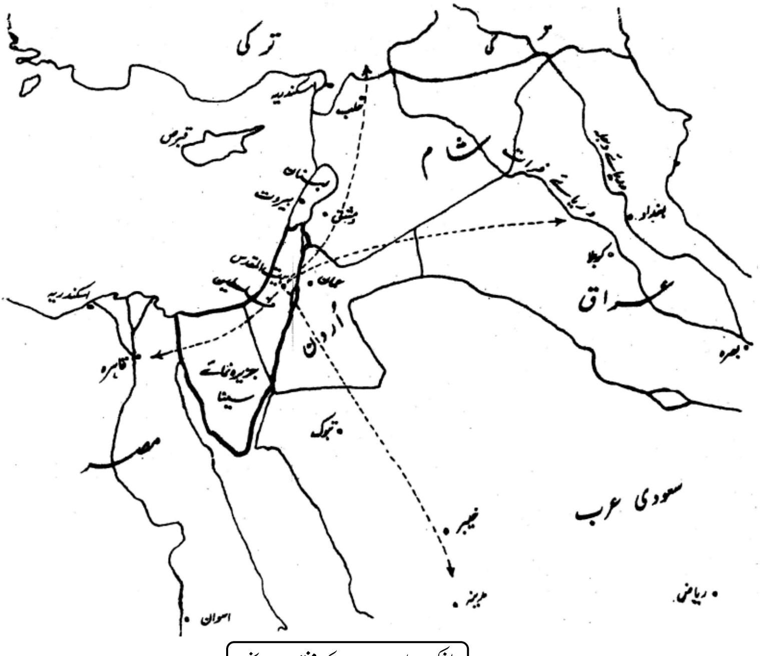

بشکریہ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ

یہود کی کارستانیوں کی وجہ سے اب ان کی معاشرت میں وہ دم خم باقی نہیں رہا، بلکہ ایک بے جاں جسم کی طرح لڑکھڑا رہی ہے۔ اُنہیں اپنے اس لڑکھڑاتے جسم کیلیئے ایک سہارے کی تلاش ہے اور یہود اپنے مقصد براری اور انہیں مستقل طور پر اپنی چاکری پر مامور رکھنے کے لئے تھوڑا بہت سہارا دے رہے ہیں۔ یعنی جیسا کہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ "فرنگ کی رگ و جاں پنجہ یہود میں ہے"۔

خلاصہ مختصر یہ کہ عیسائیت کے پیروکاروں نے یہود کو اپنا آقا تسلیم کر لیا ہے اور با امر مجبوری ان کے حکم کی بجاآوری کو اپنا مقصد حیات بنا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے خلاف ان کی کارروائیوں میں عیسائیوں کی جانب سے دست تعاون بڑھانے کی ایک اور وجہ ان دونوں میں اسلام دشمنی کی وہ قدر مشترک ہے جو اُنہیں بار بار باہم معاون بننے پر اُکساتی ہے اور خصوصاً عیسائیوں کو وہ ہزیمتیں یاد دلا رہی ہے جو صلیبی جنگوں میں مسلمان سرفروشوں کے ہاتھوں اُٹھا چکے تھے۔

اپنے اس فطری حلیف اور اتحادی (عیسائیوں) کی مدد و تعاون سے یہود اپنے خواب کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے بڑی بے تابی سے قدم بڑھا رہے ہیں اور ساری دنیا پر بلا شرکت غیرے اپنی بادشاہت قائم کرنے کے لئے شب و روز ایک کئے ہوئے ہیں۔

بظاہر اُنہیں اس راستے میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آرہی ہے اور نہ دنیا میں بسنے والی دیگر اقوام میں اتنی سکت ہے کہ وہ خم ٹھونک کر میدان میں نکلیں اور اُنہیں راستہ بدلنے پر مجبور کر دیں اور اسی طرح دنیا کو ہمیشہ کے لیے اس آمدہ شیطانی آفت سے محفوظ بنا دیں۔

اُنہیں کوئی خطرہ بھی نہیں اور نہ ہی وہ کسی سے خوف زدہ ہیں اور اگر خوف زدہ بھی ہیں

تو فقط مسلمانوں میں پیدا ہونے والی بیداری کی اس تازہ لہر سے ہیں جو صدیوں پہ صدیاں گزر جانے کے بعد اب دوبارہ ان کے دل و دماغ میں انگڑائیاں لے رہی ہے اور جو مسلمانوں کے کھوئے ہوئے مقام کی دوبارہ بحالی اور دنیا میں ان کے لئے عظمت و جلال کے حصول کی جستجو میں لگی ہوئی ہے۔

تاہم اس کے لئے بھی اب انہوں نے اپنی جانب سے یوں بہتر انتظام کیا ہوا ہے کہ دنیا میں واحد اس مزاحم قوت کی اس متوقع مزاحمت کو کچلنے کے لئے ان کی گردنوں پر اپنے ہی وہ تربیت یافتہ لبرل و سیکولر شاگرد مسلط کئے، جو نجی زندگی میں حیاء باختگی اور قومی زندگی میں غداری، ضمیر فروشی اور ملت فروشی کے باعث خاصے معروف ہیں۔

اُن بہروپیوں نے اُمت مسلمہ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے رکھا ہے اور اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لئے مختلف روپوں میں مسلمانوں کو زچ کرنے کی کاروائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ مسلمانوں کی نظریاتی اساس کا انہدام اور مکمل بربادی ہی ان کی منزل ہے اور اس منزل تک پہنچنے کے لئے وہ آئے روز نت نئے حربے اور طریقے بروئے کار لارہے ہیں۔ دنیا پر یہود کی بالادستی ان کا مقصد ہے اور اس مقصد کو پانے کے لئے ان کے شاطر ذہن ہر وقت نئے نئے جال بُن رہے ہیں۔ یعنی:

مجھے اپنوں نے ڈسا غیروں میں کہاں دم تھا۔

پری میسن تحریک کی سیکولر سازی-یہودی پروٹوکولز کی گواہی:

"یہودی پروٹوکولز" یہودیوں کی اُن خفیہ دستاویزات کا نام ہے۔ جو خود بے تاج بادشاہ بننے اور باقی دنیا کو دائماً غلام بنانے کے لئے یہودی بزرگوں نے ترتیب دی ہیں اور جو اُن کے خفیہ عزائیم پر مشتمل ہیں۔ یورپ اور مغربی دنیا میں ان دستاویزات کو (Protocols of the elders of zoins) بھی کہا جاتا ہے۔

یہ دستاویزات ایک یہودی خاتون راہنماء کے گھر سے چوری ہوئی تھیں اور مختلف ہاتھوں سے ہوتے ہوئے بالآخر دنیا کے کونے کونے میں پہنچ گئی تھیں۔ ان کے مختلف زبانوں میں تراجم بھی شائع ہوئے اور ۱۹۰۲ء میں باقاعدہ مختلف اخبارات کی شہہ سرخیاں بن گئی تھیں۔

ان خفیہ دستاویزات کے مطابق غیر یہود اقوام سے نمٹنے اور انہیں مکمل طور پر زیر کرنے کے لئے عالمی صیہونیت کی زیر نگرانی ایک اور ذیلی تنظیم Free Mason بھی کام کر رہی ہے جو غیر یہود اَقوام کو فرقوں، زبانوں، نسلوں، مسلکوں، اور مختلف ناموں پر بانٹنے و تقسیم کرنے کا فرض سنبھالی ہوئی ہے۔ اور ساتھ ساتھ ان کی سیکولر سازی و لبرل سازی بھی کر رہی ہے۔ تین نکات پر مشتمل جو ایجنڈا، لائحہ عمل اور Road Map اس تنظیم کے ہاتھوں میں تھمایا گیا ہے اور جس کے شد و مد پر وہ روز اول ہی سے عمل پیرا ہے۔ وہ اس طرح ہے۔

"(ا) لوگوں کو مذہب سے بیگانہ اور بد ظن کیا جائے، مقامی مذاہب کا تنقیدی مطالعہ کرکے ان میں منفی نقاط یوں ترتیب دیئے جائیں کہ اُنہیں پھیلا کر انتشار کی صورت پیدا کی

جاسکے۔ عوام کے ذہنوں پر مذہب کی ایسی بھیانک تصویر بٹھائی جائے کہ وہ اگر مذہب دشمن نہ بن سکیں تو کم از کم لبرل اور سیکولر ضرور بن جائیں۔

(۲) مختلف مذاہب کی مقتدر اور معتبر شخصیات کو آپس میں لڑایا جائے، مذہبی کتابوں کے اوراق پھاڑ کر راتوں کو عام جگہوں پر یوں پھیلا دیا جائے کہ یہ مخالف فرقے یا مذہب کی کارستانی دکھائی دے۔

(۳) جن مذاہب یا فرقوں کے درمیان پہلے سے چپقلش چلی آرہی ہو اس کو تیز تر کر دیا جائے۔ ممکن ہو تو نمایاں اور معتبر افراد کو ایسے طور قتل کر دیا جائے کہ مخالف فریق اس کی ذمہ داری سے نہ بچ سکیں۔"[1]

وجود میں آتے ہی یہ فتنہ پرداز تنظیم اپنی فتنہ پردازی میں لگ گئی ہے اور غیر یہود اقوام کی وحدت میں شگاف ڈالنے اور اُنہیں سیکولرائیز کرنے کا کام سرانجام دے رہی ہے۔ تاریخ کی مستند کتابیں مضبوط دلائل کے ساتھ شہادتیں دے رہی ہیں۔ کہ ترکوں کے خلاف عربوں کو بغاوت پر اُکسانے اور ترکوں کے دلوں میں عربوں سے نفرت بٹھانے اُنہیں باہم مشت و گریبان کرنے، اور اسی طرح ایک عظیم اسلامی ریاست جو سلطنت عثمانیہ کے نام سے جانی جاتی تھی کے خاتمے کی راہ ہموار کرنے میں مذکورہ تنظیم فری میسن (Free Mason) نے بھی بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ یہودی پروٹوکولز کے اُردو ترجمہ کے مطابق آج بھی یہ تنظیم مختلف اسلامی ممالک میں تندہی سے اپنا کام کر رہی ہے اور دیئے گئے ایجنڈے کے عین

1- "یہودی پروٹوکولز"، صفحہ نمبر ۱۱۳

مطابق دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی ہے اگر کسی ملک میں ان کی سرگرمیوں پر پابندی بھی عائد ہو جاتی ہے تو یہ تنظیم نام بدلنے یا کسی این جی او کا لبادہ اوڑھنے میں دیر بھی نہیں لگاتی اور اسی طرح تسلسل کے ساتھ اپنی سرگرمیاں جاری رکھتی ہے۔

اِن کے اَہداف:

(1) مسلمانوں کے درپردہ دشمن اور مغرب کے وفادار یہ نام ونہاد لبرلز دیگر اُمور کے علاوہ اس امر پر بھی بطور خاص توجہ دیئے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کے اقتصادیات کو تباہی و بربادی کی اس حد تک پہنچایا جائے۔ جہاں سے واپسی ممکن نہ ہو بلکہ یقینی موت ہو اور زندگی کے آثار دور دور تک دکھائی نہ دے رہے ہو۔ یہ ان کے سرپرستوں اور مربیوں کا ایک ٹاسک ہے جو ان کے سپرد کیا گیا ہے اور یہ پوری توجہ وانہماک اور ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس پر کام کر رہے ہیں۔

پچاس ساٹھ کے قریب ممالک پر مشتمل اُمت مسلمہ میں جہاں جہاں ان کی حکمرانی ہے یا جہاں کہیں اُنہیں قوت اور غلبہ حاصل ہے۔ مقامی صنعتوں کے درد سر میں روز بروز شدت سے اضافہ ہوتا جارہاہے اور ان کی پالیسیاں ان صنعتوں کے خاتمے اور ان کی حوصلہ شکنی کا سبب بنتی جارہی ہیں۔ آئے روز نئی نئی ٹیکسز اور چارجز عائد کی جاتی ہیں اور اس کے علاوہ جو چیزیں ان صنعتوں میں بطور ایندھن استعمال ہوتی ہیں مثلاً تیل، گیس، کوئلہ اور بجلی ان کی قیمتوں میں آئے روز ہوشربا اضافہ ہی ایسے عوامل ہیں۔ جو ان صنعتوں کو ترقی کی بجائے بتدریج تنزلی کی جانب دھکیل رہے ہیں۔ کیوں کہ مقامی صنعتوں کی تیار کردہ مصنوعات جب تیاری کے مراحل

سے گزر کر فروخت کے لئے مارکیٹ میں آتی ہیں تو ان کی قیمتیں دیگر ممالک کی تیار کردہ مصنوعات کی قیمتوں سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہیں اور یہ علم معاشیات کا ایک عام اُصول ہے کہ چیز کی طلب میں کمی بیشی کا انحصار اس کی قیمت پر ہوتا ہے۔

مقامی صنعتکار جب اپنی تیار کردہ اشیاء کی مارکیٹ میں گرتی ہوئی ساکھ (Down Value) کو دیکھتا ہے، روز بروز ان کی طلب (Demand) میں واقع ہوتی ہوئی کمی کے رجحان کو دیکھتا ہے، مارکیٹ میں ان کی مسلسل سکڑتی مقابلے کی صلاحیت کو دیکھتا ہے اور جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ان کی مصنوعات سے تو مارکیٹ بھری پڑی ہے، لیکن زیادہ قیمت ہونے کے باعث کوئی صارف اسے ہاتھ تک لگانے پر تیار نہیں، بلکہ اسی مارکیٹ میں دستیاب دیگر متبادل سے ہی اپنی ضرورت پوری کر رہا ہے۔ تو دل برداشتہ ہو کر متعلقہ صنعت کا گلہ گھونٹ دیتا ہے اور کسی سازگار ماحول کے حامل ملک میں سرمایہ کاری (Investment) کرنے کیلئے رحت سفر باندھ لیتا ہے۔

پھر نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ یہی کہ ملک قیمتی زر مبادلہ سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ اس صنعت سے وابستگی کی بدولت جن سینکڑوں، ہزاروں لوگوں کی زندگی کا چراغ جلتا ہے وہ بجھ جاتا ہے اور اسی طرح پورا ملک بے روزگاری کا عفریت نگل لیتا ہے۔ [1]

ملک کی انتظامی مشینری اور اقتصادیات سے وابستہ دیگر ادارے اس قسم کے لوگوں سے

1- مقام شرم ہے کہ اس نااہل اور بدعنوان قیادت کے باعث اس وقت پوری اُمت، مسلمہ کی مجموعی قومی پیداوار ایک ہزار ایک سو پچاس ارب ڈالرز ہے۔ اور اس کے مقابلے میں صرف جرمنی کی قومی پیداوار دو ہزار چار سو ارب ڈالرز اور جاپان کی قومی پیداوار پانچ ہزار ایک سو ارب ڈالرز ہے۔

بھرے پڑے ہیں اور وہ ہر وقت مسلمانوں کی اقتصادیات میں بگاڑ پیدا کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی ہاتھ ضرور دکھاتے ہیں۔ آئے روز ایسے ایسے اقدامات کرتے ہیں اور ایسی ایسی پالیسیاں اور قوانین وضع کرتے ہیں جو مقامی صنعت کی پہیہ جامی میں نہایت ہی اہم کردار ادا کر رہے ہیں اور پھر سرمایہ ڈوبنے کے خوف کی وجہ سے بیرونی سرمایہ کار تو کیا ہم وطن سرمایہ کار بھی سرمایہ کاری کرنے سے کتراتے ہیں۔

اور اگر ان سب کے باوجود بھی کوئی محب وطن قوم وملت کے درد و محبت سے مجبور ہو کر اپنا سرمایہ لگانے پر آمادہ بھی ہو جاتا ہے۔ تو اُسے بھی طرح طرح کی قانونی پیچیدگیوں اور موشگافیوں میں اتنہا اُلجھا دیا جاتا ہے کہ بعض اوقات وہ بھی بیچ راہ توبہ تائب ہو کر اپنے ارادے اور عزم پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ملک و قوم کو ہر حال میں غربت کی گود میں پھینکنا ان کا ہدف ہے اور اس ہدف کو چھونے کے لیے وہ وطن دشمنی اور قوم دشمنی کی تمام حدود پھلانگ جاتے ہیں۔ کرپشن کی وباء اُنہی کی ذہنی تخلیق ہے جو آج سرطان کی طرح پھیل کر پورے اسلامی معاشرے کو بُری طرح چاٹ رہی ہے۔ ایک طرف عام مسلمانوں کی حالت زار کو دیکھئے جہاں غربت و افلاس کے ہاتھوں ایک اتھنک سا مچا ہوا ہے اور ایک ہو کا عالم ہے اور دوسری طرف ان لوگوں کی طرز زندگی، طرز رہائش، ہر قسم کی سہولت و آسائش اور چوری چکاری سے بنا ہوا بھاری بھر بینک بیلنس کو دیکھئے۔

اندازہ لگائیے کہ پاکستان جیسے مفلوک الحال اور غریب ملک جہاں عوام پینے کے صاف پانی اور دو وقت کی روٹی کے لئے ترس رہے ہیں، اس بے رحم لبرل و سیکولر حکمران طبقے کے

مغربی ممالک یعنی امریکہ، برطانیہ اور سوئیزر لینڈ کے بینکوں میں لوٹ مار کے سینکڑوں ارب ڈالرز جمع ہیں۔

ایک حق گو مصنف (ڈاکٹر حقی حق) پاکستان کے اس غلیظ و خائن مقتدر طبقے کی تعریف اپنے تلخ وکاٹ دار اسلوب تحریر میں کچھ اس طرح کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> "آخر میں ایک گدھ نما گروہ صف آراء ہے۔ اس گروہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مردار کھانے میں لاثانی جیبیں تراشنے میں یکتا، بدنیتی میں بلا مقابلہ ہے۔ یہ گروہ ہر دور، ہر حکومت اور ہر عہد کا مراعات یافتہ، لاڈلا اور ہمیشہ کا معزز اور محترم ہے۔ ان میں اسمبلیوں کے سپیکر ہیں، وزراء ہیں، ایم این اے اور ایم پی اے ہیں، سنیٹر و صنعتکار اور اعلیٰ عہدیدار ہیں۔ ان جیب کترا اوصاف لوگوں کا فن یہ ہے کہ سرکاری واجبات کی ادائیگی کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اور سرکاری خزانے میں پیسہ جمع کرانے کے قائل نہیں ہیں۔ ان میں ایسے ایسے اور ایسی ایسی دلرباء اور مقتدر شخصیتیں شامل ہیں، جو موروثی جاگیر دار، معصوم شکل، دل لبھاؤ مگر دلیر اس قدر کہ باہر کے ملکوں کے سیلاب فنڈز تک کے چیک حکومت کے اکاؤنٹ کی بجائے اپنے ذاتی اکاؤنٹ میں جمع کرا دینے کے مرتکب، کسی نے فون کے لاکھوں کے بل دبائے ہوئے ہیں اور کسی نے گیس اور بجلی کے، کوئی پانی کے بل روکے ہوئے ہیں، کوئی ٹیکس کا نادہندہ ہے۔ کوئی بینک کے قرضوں کا، کسی نے پرانی گاڑیوں سے

پرزے اُتار لیئے ہیں اور کسی نے ٹائر بدلا دیئے، کوئی لاگ بک غائب کئے بیٹھا ہے۔ کوئی سرکاری رہائش گاہوں میں قیام کا بل دیئے بغیر وہاں سے بھاگا ہوا ہے۔ کچھ جاتے جاتے سرکاری سامان بھی ساتھ لے گئے۔ تکیے، بستر کی چادریں، تولیے، چھت کے پنکھے، صابن دانیاں، ائیر کنڈیشنر، قالین، دیواری گھڑیاں، غرض یہ کہ مملکت خداداد کا جو مال بھی ہاتھ لگ سکا وہ ان معزز و محترم چوروں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ چوری چکاری، سینہ زوری اور بدنیتی کی یہ کارروائیاں موٹی کھال کے ان جوان مردوں اور جوان عورتوں کے لئے معمول، معمولی اور بے ضرر ہیں۔ بلکہ اس لوٹ کھسوٹ کو استحقاق سمجھا جاتا ہے۔ حق نمائندگی، چوری کا صوابدیدی حق"۔[1]

واجب الاحترام مصنف مزید آگے لکھتے ہیں:

"یہ لوگ کچھ ایسے ہنر مند اور باحوصلہ ہیں، کہ لوٹ مار، ہاتھ دکھاؤ الزامات، رسوائی اور بدنامی کے سارے مرحلوں سے یوں سرخرو گزر جاتے ہیں، کہ ان کے پنڈلے پر ندامت کی ایک بوند تک نہیں ٹھہرتی۔ اگلی حکومت اور آنے والے عہد میں پھر اگلی صفوں میں، نئے جوش، ولولے، عزائم، ایجنڈے اور ٹارگٹ کے ساتھ تازہ بتازہ حلف

[1]: کوڑھ کی کاشت، صفحہ نمبر 29-30۔

بردار مگر چوری چکاری میں جہاندیدہ و تجربہ کار"۔[1]

حالانکہ اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اتنی بڑی مہربانیاں اور عظیم احسانات کئے ہیں، کہ اگر ساری عمر مسلمان سجدہ ریز ہو کر اس کا شکر ادا کرے تو کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کے ہر ملک کو مختلف النوع زیر زمین خزانوں سے مالا مال کیا ہوا ہے۔ ان میں تیل، گیس، کوئلہ، یورینیم، تانبا، سونا، زمرد، دریائیں اور مختلف قسم کی دیگر معدنیات اور ایسی چیزیں شامل ہیں جس پر تمام تر انسانی زندگی کا دار و مدار ہے اور جو کسی قوم اور ملک کی تقدیر بدلنے اور اسے بالا مقام پر سرفراز کرنے میں کلیدی کردار کی حامل ہیں۔ یعنی اس وقت تمام دنیا کی توانائی کی کل ضروریات کا ستر فیصد اُمت مسلمہ اپنے ان زیر زمین ذخائر سے پوری کررہی ہے۔ اگر آج ترقی یافتہ ممالک اور اقوام ترقی کی منازل طے کررہے ہیں تو یہ سب مسلمانوں کے ان وسائل کی مرہون منت ہیں۔

تاہم ان سب وسائل کے باوجود عام مسلمان کے دل میں سجا ہوا بہتر اور آسودہ حال زندگی کا تصوراتی محل دن بہ دن تیزی سے کرچ کرچ کر گر رہا ہے۔ وہ سکون اور اطمینان کے لئے ترس رہا ہے اور جانوروں سے بھی بدتر زندگی جینے پر مجبور ہے۔ معاشی تنگ دستی کے باعث وہ ہمہ وقت حالت جنگ میں ہے، طرح طرح کی بیماریاں آژدھے بن کر اُسے کھا رہی ہیں اور اس سے ان کے بچاؤ و حفاظت کا کوئی معقول انتظام نہیں۔

پینے کا صاف پانی ناپید ہے اور وہ گندے نالوں، تالابوں اور جوہڑوں کے آلودہ پانی سے

---

[1]: کوڑھ کی کاشت، صفحہ نمبر 29-30۔

اپنی پیاس بجھا رہا ہے۔ معاشی ناہمواریاں اور عدم مساوات ہر جاء جھلک رہی ہیں۔ غریب غریب تر ہوتا جارہا ہے اور امیر امیر تر۔

مہنگائی آسمان کی بلندیاں چھو رہی ہے اور ان کی قوت خرید روز بروز معدوم ہوتی جارہی ہے۔ بھوک، تنگ و افلاس ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں، بے روزگاری کا جن ناچ رہا ہے اور وہ انتہائی بے بسی کے عالم میں صرف دال روٹی کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔

یہ کوئی خدائی تقسیم نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو مسلمانوں کی موجودہ اس بد بختی، ذلالت، زبوں حالی اور انحطاط کی بنیادی اور بڑی وجہ یہی بد دیانت لبرل و سیکولر قیادت ہے جن کا ہر قدم مسلمانوں کی اجتماعی بربادی کی طرف اُٹھتا ہے اور جنہیں مسلمانوں کی خوشحالی اور آسودگی ایک آنکھ بھی نہیں بھاتی، کیونکہ مسلمانوں کی اقتصادیات و معیشت میں بگاڑ لانا اور باوجود بے پناہ وسائل کے اُنہیں ہر لحاظ سے محتاج بنانا ان کا ہدف ہے اور اس ہدف تک پہنچنے کے لئے وہ اخلاق سے گری ہوئی ہر حرکت کرنے اور ہر حربہ اپنانے پر تلی ہوئی رہتی ہے۔

مسلمانوں کے ان وسائل کو اُنہوں نے ہمیشہ اپنے مے خانوں کی رونق اور تعیشات کا ذریعہ سمجھا ہوا ہے اور عام مسلمان کو اس سے استفادہ کرنے سے ہمیشہ دور رکھا ہوا ہے۔ دراصل وہ چاہتے یہی ہیں کہ مسلمان دنیا بھر کے آلام و مصائب اور تکالیف میں اُلجھا رہے تاکہ ان کی قوت ختم ہو جائے اور ان کے اندر خودی کے جو جراثیم پل رہے ہیں اور جو وقتاً فوقتاً سر اُٹھا کر دنیا کو اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے ہیں وہ اپنی موت آپ مر جائے اور اسی طرح ان کا آقا یہود اور یہود کا دائمی غلام عیسائیوں پر مشتمل مغرب بتدریج اپنی اس منزل کے قریب سے قریب تر ہوتے جائے، جس کا اُنہوں نے خواب دیکھا ہے اور جس کے لئے اُنہوں نے دنیا

بھر کے اسلامی ممالک میں اپنے ان خادموں کی یہ جو فوج ظفر موج لگائی ہوئی ہے۔

(2) جب مذکورہ لوگوں کی سیاہ کاریوں، بدعنوانیوں، بداعمالیوں اور بے مثال بددیانتیوں کی بدولت مسلمانوں کی رگیں خون سے خالی ہو جاتی ہیں اور جب ان میں زندگی موقوف ہو جاتی ہے، جسم سے گوشت اُتر جاتا ہے، سانس لینا ان کے لئے محال ہو جاتا ہے اور محض ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر قریب المرگ ہو جاتا ہے، تو بقیہ کام کے لئے اُنہیں یہود ساختہ بدنام مالیاتی اداروں آئی۔ ایم۔ ایف اور ورلڈ بینک کے آگے پھینک دیا جاتا ہے اور پھر وہ اس کا جو حشر کرتے ہیں اس سے خدا کی پناہ۔

یعنی نوچنے، کاٹنے اور بھنبھوڑنے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ وہ شدت کرب سے چیختے ہیں چلاتے ہیں مگر یہ خون خوار و بے رحم ادارے اس وقت تک اُنہیں شکنجے میں کھسا ہوا رکھتے ہیں، جب تک کہ ان کی زندگی کا مکمل خاتمہ نہ ہو جاتا۔

بظاہر دنیا کو دھوکے میں رکھنے اور عوام الناس کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کے لئے وہ اپنے ان اعمال کو آکسیجن کا نام دیتے ہیں۔ لیکن اگر حقائق کی تہہ تک اُتر جائے تو یہ تلخ حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے کہ اصل میں آکسیجن کے نام پر یہ وہ زہر ہلاہل ہے جو جسم کے ہر عضوٴ کو حیات نو دینے کی بجائے اُسے زندگی پر پشیماں کر دیتے ہیں اور فکر حریت و آزادی پر بھاری بھاری ہتھوڑے برساتے ہیں۔

ابتداء میں تو وہ یہ آکسیجن کچھ طلب کئے بغیر یا برائے نام قیمت پر فراہم کرتے ہیں، لیکن جب انہیں یہ یقین واثق ہو جاتا ہے کہ مریض کو اس کی عادت سی پڑ گئی ہے اور اب اس کے بغیر ان کا زندہ رہنا محال اور مشکل ہے۔ تو ایسی ایسی تلخ شرائط عائد کرتے ہیں جس

کے آگے سر تسلیم خم کرنے سے وہ زندہ در گور ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ دنیا سے ان کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔

کبھی یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ پرائمری سطح کے تعلیمی نصاب سے قرآن اور اسلامیات کو نکال دو تاکہ ان نرسریوں میں خدا پرست اور دینی ذہن رکھنے والوں کی پیداوار رُک جائے اور مستقبل کی زمام کار سنبھالنے کے لئے انہیں ان کے تابعدار، مادہ پرست اور دہریہ قسم کے لوگوں کی ایک بڑی کھیپ میسر آجائے۔

کبھی کہتے ہیں کہ ملکی آئین میں موجود قانون توہین رسالتؐ اور قانون حدود میں نرمی لائی جائے اور کبھی جغرافیائی سرحدوں کو غیر محفوظ کرنے کے لئے مختلف دفاعی منصوبوں کی بندش کی تلخ شرائط عائد کرتے ہیں۔

ان کی یہ شرائط اور اُمور مملکت میں ان کی یہ دخل اندازیاں اگرچہ مسلمانوں کی شان مردانگی کے لئے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں اور ہر ذی ہوش و ذی عقل مسلمان اُسے محسوس بھی کر رہا ہے، مگر کریں کیا؟ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے ہوئے مسلمان کے پاس اس کے آگے گھٹنے ٹیکنے کی سوا چارہ ہی کیا ہے۔

یہ جان کر بھی کہ صحت یابی کے لئے جو چیز انہیں بطور دوا دی جا رہی ہے وہ دراصل دوا نہیں بلکہ وہ زہر ہے جو جسم کی نس نس کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ مگر وہ عالم مجبوری میں بادل ناخواستہ اُسے حلق سے اُتارنے پر مجبور ہیں۔ انڈونیشیا اور پاکستان کے حالات دنیا کی نظروں سے اُوجھل نہیں، بلکہ ایک کھلی کتاب کی طرح دنیا کے سامنے ہیں اور وہ دیکھ رہی ہے کہ کس طرح آج یہ دونوں عظیم اسلامی ریاستیں حقیقی آزادی کے لئے ترس رہی ہیں اور کس طرح ان

عوام کش اور آدم خور اداروں کی پے در پے ضربوں سے چور چور ہو کر زمین پر اوندھے منہ پڑی رو رہی ہیں اور اپنی بد قسمتی پر ماتم کناں ہیں۔

ایک مصنف نے ائی. ایم. ایف اور ورلڈ بینک کے قرض دینے اور واپسی والے نظام کی اُن ہندو سوداگروں اور سود خور مہاجنوں کے طریقہ کار سے تشبیہ دی ہے۔ جو تقسیم ہند سے قبل کسانوں اور زمینداروں کو سود پر قرضے فراہم کرتے تھے۔ لکھتے ہیں۔

"ائی. ایم. ایف (انٹرنیشنل مانٹری فنڈ) اور ورلڈ بینک کے نظام کو سمجھنے کے لئے آپ کو مہاجنوں اور سود خوروں کے طریقہ کار کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ پاکستان بننے سے پہلے پنجاب اور سندھ کا زیادہ تر کاروبار ہندو لالو اور کھتریوں کے ہاتھ میں تھا۔ یہ لوگ منڈیوں، بازاروں اور کار خانوں پر چھائے ہوئے تھے، پورے پورے شہر میں مسلمانوں کی دو تین دکانیں ہوتی تھیں۔ یہ کھتری اور لالے اجناس کے کاروبار کے ساتھ سود پر روپیہ بھی دیتے تھے۔ ان کا طریقہ کار بہت دلچسپ تھا۔

یہ کسانوں اور زمین داروں کو شروع شروع میں آسان شرائط پر قرضے دیتے، قرض بڑا ہوتا لیکن اس پر سود نہ ہونے کے برابر ہوتا۔ مقروض اس رقم کو آسان سمجھ کر خوب عیاشی کرتا پھر یہ رقم ختم ہو جاتی لیکن اس وقت تک وہ آسان طرز زندگی کا عادی ہو چکا ہوتا۔ اس طرز زندگی کو برقرار رکھنے وہ دوبارہ (لالے) کی دکان پر جاتا، لالا اسے فوراً قرض دے دیتا لیکن اس بار سود کی شرح میں معمولی سا اضافہ ہو جاتا، مقروض کے لئے یہ شرح قابل قبول ہوتی، وہ رقم لے کر چلا جاتا مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ رقم بھی خرچ ہو جاتی اور وہ دوبارہ

مہاجن کی دکان پر ہوتا۔

اس بار مہاجن شرح سود میں ٹھیک ٹھاک اضافہ کر دیتا، مقروض کے لئے یہ شرح قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ قرض مل جاتا، مقروض روپے جیب میں ڈالتا اور ہنسی خوشی گھر چلا جاتا۔ اب آپ یہ دیکھ لیجئے کہ مقروض نے تین بار قرض لیا لیکن قرض اور سود کی رقم جمع نہیں کرائی، لالے نے بھی اسے پرانی رقم یاد نہیں کرائی لیکن جونہی چوتھی مرتبہ وہ مقروض (لالے) کے چبوترے پر چڑھتا تو اس بار لالے کے تیور مختلف ہیں۔ مقروض کو رقم کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ یا اس کا والد سخت بیمار ہے اور اس نے والد کا شہر کے بڑے اسپتال میں علاج کرانا ہے۔ یا پھر بیٹے کی پیدائش کی خوشی منانی ہے۔ وہ لالے کے پاؤں میں بیٹھ جاتا ہے، لالہ اسے گھورتا ہے اور سخت لہجے میں کہتا ہے "تمہیں مزید قرض نہیں مل سکتا۔"

مقروض گڑگڑا کر پوچھتا ہے۔ "لالہ جی! یہ ظلم کیوں؟ آخر مجھ سے کیا غلطی ہو گئی؟ مہاجن منہ میں پان کا بیڑہ رکھتا ہے۔ گندے رومال سے باچھیں صاف کرتا ہے اور زہریلے لہجے میں جواب دیتا ہے: "تم نے اب تک پانچ ہزار روپے قرض لئے لیکن ان کا سود جمع کرایا اور نہ ہی قسط۔"

مقروض جواب میں اپنی مجبوریوں کی طویل فہرست گنواتا ہے، اسے بتاتا ہے پچھلے برس فصل اچھی نہیں ہوئی، چار بھینسیں مر گئیں، چوبارہ گر گیا وغیرہ وغیرہ..... لیکن مہاجن کو اپنی رقم سے غرض ہوتی ہے۔ ایک طویل بحث مباحثہ کے بعد آخر بات یہاں پر آ کر طے ہوتی ہے کہ مقروض نئے قرض میں سے پرانی قسط اور سُود ادا کرے گا اور اس دائیگی کے بعد جو رقم بچ جائے

گی وہ لے جائیگا، یوں قرض اور سود کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

مقروض ایک ہزار روپے قرض لیتا ہے اس میں 700 روپے قسط میں کٹ جاتے ہیں، اسے صرف 300 روپے ملتے ہیں لیکن اس کے کھاتے میں ہزار روپے لکھ دیئے جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ مقروض کو قسط ادا کرنے کے لئے اسی مہاجن سے قرض لینا پڑتا ہے، وہ ہزار روپے قرض لیتا ہے، وہ ہزار روپے اسی وقت اسی مہاجن کو ادا کرتا ہے اور چادر جھاڑ کر واپس گھر چلا جاتا ہے۔ جب یہ مقام آجاتا ہے تو سود چوتھے مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے۔

اب مہاجن بے چارے کسان کے روز مرہ زندگی میں داخل ہو جاتا ہے، وہ اسے کھڑی فصل بیچنے پر مجبور کر دیتا ہے، وہ اسے کم بھاؤ پر مال بیچنے کا حکم دے دتیا ہے، وہ اسے مشورہ دیتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو صرف ایک وقت دودھ پلایا کرے اور بھینسوں کے دوسرے وقت کا دودھ بیچ دیا کرے اور وہ اسے بتاتا ہے تمہارا خاندان سال میں دو بار کپڑے بنواتا اور جوتے خریدتا ہے تم اسے دو بار کی بجائے ایک بار کرو، روپیہ بچاؤ اور یہ روپیہ سود کی ادائیگی میں دے دو۔

یہ سلسلہ چلتا چلتا اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں مہاجن مقروض کی غیرت اور عزت پر ہاتھ ڈال دیتا ہے، وہ اسے اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ اسے (مہاجن) دینے کا حکم دیتا ہے یا اسے بیچ کر قرض ادا کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ پاکستان سے پہلے انگریز حکومت نے ایک تحقیق کرائی تھی جس میں یہ انکشاف ہوا تھا کہ کلکتہ، بمبئی، لکھنؤ، حیدر آباد (دکن)، دہلی اور لاہور کے قحبہ خانوں میں بدکاری پر مجبور ۹۰ فیصد طوائفوں کا تعلق مقروض خاندانوں سے تھا اور ان کے لواحقین قرض ادا کرنے کے لئے ان کا سودا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

بہر حال قصہ مختصر قرض کے اس جال میں پھنس کر یہ خاندان اپنی زمین، جائیداد، کھیت کھلیان حتٰی کہ اپنی عزت اور آبرو سے بھی محروم ہو جاتے تھے بعض لوگ سب کچھ مہاجن کے حوالے کر کے نقل مکانی کر جاتے تھے۔ اور شہر میں راج مزدور کا کام شروع کر دیتے یا پھر اپنی زمینیں مہاجن کے حوالے کر کے اپنی ہی زمینوں پر مزارعے بن جاتے تھے۔ بقول فاضل مصنف کہ آئی. ایم. ایف اور ورلڈ بینک کا سسٹم بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔"(1)

الغرض یہ کہ جس مسلمان ملک پر بھی ان اداروں کے مہیب سائے پڑ جاتے ہیں۔ ان کی آزادی و خود مختاری ایک برائے نام چیز بن کر رہ جاتی ہے۔ وہ موت و حیات کے درمیان معلق بن کر رہ جاتا ہے اور پھر ان میں اتنا دم خم، اتنی ہمت و طاقت اور جرأت نہیں ہوتی کہ ملکی معاملات میں ان کی منشاء کے خلاف قومی و ملی مفاد کو مقدم رکھے۔

(3) ان لوگوں کا تیسرا بڑا ہدف مسلمانوں کا وہ مشترکہ خاندانی نظام یعنی Joint Family System ہے جو اسلام کی گہری چھاپ کی وجہ سے اب تک ان میں کسی نہ کسی حد تک اور کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے اور جس کے فیوض و برکات کی بدولت ان میں محبت، اخوت، باہمی رواداری اور محرم رشتوں کی پاسداری جیسے جذبات و احساسات پائے جاتے ہیں۔ کیوں کہ خاندانی نظام ہی اس بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے جس پر بعد ازاں ایک مضبوط معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور جس پر ایک مربوط ملک اور قوم کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

دنیا کی دیگر اقوام میں خاندانی نظام تو بالکل نابود ہو چکا ہے یا اگر مکمل طور پر نابود نہیں تو

1- "سازشیں بے نقاب" جلد دوم، صفحہ نمبر ۳۱۷ تا ۳۲۰

کم از کم کھائی کے آخری سرے پر کھڑا اپنی موت کی گھڑیاں ضرور گن رہا ہے۔ خاص کر مغربی معاشرہ اس نعمت سے یکسر محروم دکھائی دیتا ہے۔ اُن میں ہر کوئی اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے غافل ہو چکا ہے ماں باپ بچوں کی سیرت و کردار کی تعمیر میں انتہائی بخل اور غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ جبکہ بچے بچپن ہی میں ماں باپ کی بے نیازی اور بے توجہی کو محسوس کرتے ہوئے بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جس کے بعض اوقات نتائج کچھ اس طرح نکلتے ہیں کہ وہ چوری، جرائم اور دیگر خرافات کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ جاتے ہیں اور جاندار، فعال اور متحرک شہری کے تمام اوصاف وصفات کھو جاتے ہیں۔

برطانوی اخبار گارڈین کے مطابق برطانوی بچے عموماً 16 سال کی عمر میں شراب نوشی شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ 15 برس کی عمر میں برطانوی بچوں کی ایک چوتھائی تعداد منشیات کا استعمال شروع کر دیتی ہے۔ ان منشیات میں سب سے زیادہ استعمال چرس کا ہوتا ہے۔ لڑکوں میں 28.1 فیصد چرسی ہوتے ہیں۔ جبکہ لڑکیوں میں یہ تناسب 21.7 فیصد ہے۔[1]

دیگر جرائم کے متعلق برطانوی پریس اپنے سروے رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ برطانیہ میں جرائم کی تعداد 11 لاکھ 13 ہزار تک جا پہنچی ہے۔ اس رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ چوری کی اکثر وارداتیں 21 سال سے کم عمر کے بچوں نے کی ہیں۔[2]

جرمنی کی ہومبولڈٹ یونیورسٹی کی سروے رپورٹ کے مطابق جرمنی کے ایک تہائی طلبہ اب مسلح ہو کر تعلیم گاہوں میں آتے ہیں۔ برلن پولیس کے مطابق شہر میں ہونے والے

---

[1]: بحوالہ ترجمان القرآن، مارچ 1995ء۔

[2]: ایضاً۔

45٪ متشدد دانہ جرائم 14 سے 18 سال تک کی عمر کے بچے کرتے ہیں جبکہ 5 فیصد جرائم 14 سال سے بھی کم عمر کے بچے کرتے ہیں۔[1]

ان کے سماج میں شادی کے بندھن جس سے ایک کنبہ پھوٹتا ہے اور پھر اس سے ایک خاندان وجود میں آتا ہے کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہی، بلکہ اسے ایک آزاد پرندے کو قید کرنے کا نام دیا گیا ہے۔

جرمنی کے سرکاری رپورٹوں کا کہنا ہے کہ جرمنی میں صرف ایک نسل جوان ہونے کے دوران شادی کا رجحان 25٪ کم ہو گیا۔ اس وقت وہاں ایک کروڑ بیس لاکھ افراد تنہا زندگی گزار رہے ہیں۔ جس میں 43٪ نے شادی ہی نہیں کی۔ شادی کے بغیر مرد اور عورت کے اکٹھا رہنے کے رجحان میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ دو کروڑ 30 لاکھ شادی شدہ جوڑوں کے ساتھ ہی ایک کروڑ بیس لاکھ جوڑے ایسے بھی ہیں جو شادی کے بغیر ایک دوسرے کے شریک حیات بنے ہوئے ہیں۔[2]

ہر تیسری شادی کا انجام طلاق ہوتا ہے۔ صرف امریکہ میں ہر روز ایک ہزار طلاقیں لی جاتی ہیں۔ 1940ء میں امریکہ میں حرامی بچوں کی تعداد نوے ہزار تھی۔ 1958ء میں یہ تعداد 2 لاکھ ہو گئی۔ برطانیہ میں پیدا ہونے والا ہر دسواں بچہ ناجائز ہوتا ہے۔ وہاں ناجائز بچوں کی تعداد پونے چار لاکھ ہے اور اس تعداد میں ہر سال 70 ہزار کا اضافہ ہو رہا ہے۔[3]

---

[1]: بحوالہ ترجمان القرآن، مارچ 1995ء۔

[2]: ایضاً۔

[3]: بحوالہ الحسنات، آگست 1995ء۔

جبکہ کردار ساز اداروں یعنی تعلیم گاہوں میں اخلاق باختگی کا جو راج ہے اور قوم کے معصوم پھولوں کی سیرت کے ساتھ سیرت سازی کے فرض پر مامور ان اداروں میں جو مذاق ہو رہا ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

مارچ 1990ء کو "صراط مستقیم برمنگھم" برطانیہ کے اکسفورڈ یونیورسٹی کے متعلق لکھتا ہے کہ وہاں زیر تعلیم 76 فیصد طلباء شادی کے بغیر جنسی تعلق قائم کرنے کے حق میں ہیں۔ 51٪ فیصد طالبات نے تسلیم کیا کہ وہ یونیورسٹی میں آنے کے بعد کنواری نہیں رہیں۔ 25٪ طالبات مانع حمل کی گولیاں استعمال کرنے کا اقرار کرتی ہیں۔[1]

اردو نیوز جدہ 16 اکتوبر 1997ء کو برطانیہ ہی کے متعلق لکھتا ہے کہ وہاں یہ قانون قائم ہے کہ چار سال کے بچے کو سکول بھجوانا لازمی ہے۔ اس سکول میں زیر تعلیم بچوں کو ابتدا ہی سے ایک دوسرے کے ساتھ برہنہ ہو کر غسل کرنے کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے اور جب وہ ذرا بڑی کلاسوں میں پہنچتے ہیں تو لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے مشترکہ سوئمنگ لازمی ہوتی ہے۔ بچپن میں اس جنسی تربیت کا رزلٹ یہ نکلتا ہے کہ بقول برطانوی اخبار ایکسپریس کے ہر سال میں ایک لاکھ برطانوی طالبات حاملہ ہو جاتی ہیں۔[2]

روزنامہ نوائے وقت 30 دسمبر 1991ء کو اپنی اشاعت میں امریکہ کے بارے میں لکھتا ہے کہ امریکہ کے ایک سیکنڈری سکول میں دو لڑکوں نے ایک بارہ سالہ لڑکی سے زنا کیا۔ مقدمہ عدالت گیا تو جج نے فیصلہ میں لکھا کہ لڑکوں نے لڑکپن میں شرارت کی ہے۔ اُسے زنا

---

[1]: بحوالہ: ضرب طیبہ، مئی-جون 2002ء۔

[2]: ایضاً۔

قرار نہیں دیا جاسکتا۔[1]

امریکی جریدے "ایگزامینر" کے سروے کے مطابق 1980ء سے 1985ء کے درمیان شادی کرنے والی طالبات میں صرف 14٪ لڑکیاں حقیقتاً کنواری تھیں۔ باقی 84٪ شادی سے قبل ہی گوہر عصمت سے محروم ہوچکی تھیں۔ 80٪ سے زائد طلبہ و طالبات 19 سال کی عمر میں جنسی تعلقات قائم کرچکے ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وائس آف امریکہ کا یہ کہنا ہے کہ امریکہ میں اسقاط حمل کروانے والی عورتوں کی شرح 33.9٪ ہے۔[2]

اردو نیوز جدہ نے 19 اگست 1997ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ مغربی اداروں میں ہوشربا پھیلے ہوئے جنسی لذت کے اس جنون نے ان اقوام کے اندر انسانیت تو کیا ممتا جیسے عظیم جذبات تک کو مسخ کرڈالا۔ نیوجرسی کے ایک سکول کی طالبہ نے محفل رقص کے دوران سکول کے ریسٹ روم میں بچے کو جنم دیا اور اُسے وہیں کچرے میں پھینک کر رقص کی تقریب میں شامل ہوگئی۔[3]

یہ اعداد و شمار اور مختلف اخبارات و جرائد کی یہ شہادتیں اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں، کہ مادہ پرستانہ دوڑ نے مغرب کے خاندانی نظام کو مکمل طور پر شکست وریخت سے دوچار کرکے رکھ دیا ہے اور بظاہر ترقی یافتہ ہونے کے باوجود ان کا معاشرہ بری طرح اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہے۔ شرم و حیاء مدر پدر آزادی، جنسی بے راہ روی اور کثرت فواحش کے ہاتھوں ہوئی

---

[1]: ایضاً۔

[2]: ایضاً۔

[3]: بحوالہ: ضرب طیبہ، مئی–جون 2002ء۔

مکدر فضاؤں میں گم ہو چکی ہیں۔ محبت، اپنائیت، رشتوں سے نباہ اور مشترکہ خاندان کا تصور ان کے دلوں سے محو ہو چکا ہے۔ بس ہر کسی نے اپنے آپ کو صرف پیسہ بنانے والا مشین بنایا ہوا ہے اور ساری خوشیوں کا محور صرف پیسے ہی کو سمجھا گیا ہے۔ ہر کوئی اپنے اپنے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ بھائی بھائی کے لئے اجنبی بنا ہوا ہے اور باپ بیٹے کے لئے، یعنی روز محشر کا منظر ہے جس میں ہر کوئی ایک دوسرے سے بیگانہ ہے اور صرف اپنی ذات کے خول میں قید ہے اور ہر کسی کو صرف اپنی ہی ذات کی فکر دامن گیر ہے۔

جبکہ مسلمان معاشرے کی صورتحال اس سے مختلف ہے۔ یہاں اسلامی تعلیمات کی وجہ سے مشترکہ خاندانی نظام نے اپنا وجود کسی نہ کسی صورت میں برقرار رکھا ہوا ہے۔ اور ہر رشتے کو اپنا ایک الگ مقام حاصل ہے۔ والدین سرکاری دارالکفالتوں (Old Age Homes) میں مقید نہیں بلکہ زندگی بھر کے تجربات سے بھرپور مشوروں سے اولاد کے کردار کو سنوارتے ہیں اور پھر یہی اولاد مستقبل میں ان کے بڑھاپے کا سہارا بن جاتی ہیں۔ بہن کا دل بھائی کی محبت سے لبریز ہے اور بھائی اس کی عزت و ناموس کا محافظ بنا ہوا ہے۔

اٹوٹ محبت، اپنائیت، رواداری، باہمی ہمدردی اور ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شراکت کے مظاہرے عام ہیں اور یہی وہ حد فاصل ہے جو مغربی اور اسلامی طرز تمدن و طرز معاشرت میں امتیاز کی ایک بڑی لکیر کھینچتی ہے اور جو دیگر اقوام کے مقابلے میں دنیا ہی میں مسلمانوں کی قدر و منزلت میں اضافے کا سبب بن رہی ہے۔

مگر کیا ستم ہے کہ یہاں بھی ستمگر یہ لبرلز اور سیکولر ناک بھوں چڑھا رہے ہیں اور وہ حد فاصل مٹا رہے ہیں۔ جو اسلامی تعلیمات نے اہل مغرب اور اہل اسلام کے درمیان حائل کی

ہوئی ہے اور جو اُن کے مقابلے میں مسلمانوں کو ممتاز کرتی ہے۔

دراصل مسلمان معاشرے کی مذہبی حد بندیاں، محرم رشتوں کا تقدس، والدین کی بچوں کے ساتھ اٹوٹ محبت اور بچوں کی والدین کے سامنے جھکی ہوئی گردن، بزرگوں کا لحاظ، آنکھوں کی شرم وحیاء، باہمی میل جول، ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں شراکت اور ایک مضبوط و مربوط خاندان کے لئے ضروری دیگر لوازمات کے مظاہرے ان کی آنکھوں میں کانٹوں کی طرح چُبھ رہے ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی اُنہیں آرام وسکون کا سانس لینے نہیں دیتے۔

لہذا بڑی ہوشیاری سے اُمت مسلمہ پر مسلط یہ مقتدر لبرلز و سیکولر عناصر مسلمانوں کی اس امتیازی حیثیت اور شان پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کے اندر قائم مشترکہ خاندانی نظام کو منہدم کرنے کے لئے مختلف قسم کے حربے بروئے کار لا رہے ہیں۔ کبھی الیکٹرانک میڈیا جو کہ مکمل طور پر ان کے کنٹرول میں ہے اس مقصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ اور اس سے چلنے والے نشریات، پروگرامات و اشتہارات وغیرہ مسلمانوں کی مذہبی روایات اور رسومات کو مسخ کرنے اور ان کو مغرب کے رنگ میں رنگنے کے لیے بہترین اور کار آمد ہتھیار ثابت ہو رہی ہیں۔

کبھی فحش لٹریچر کی اشاعت اور اس کے پھیلاؤ اور کبھی مغربیت کو دوام دینے والی این۔جی۔ اوز کے ذریعے جو مسلمانوں کے گھر گھر فحاشی اور عریانی کا پیغام پہنچا رہی ہیں۔ مسلمانوں کے خاندانی نظام میں شگاف ڈالنے کے لئے حقوق نسواں اور آزادی نسواں کی آڑ میں مسلمان خواتین کو بغاوت پر آمادہ کر رہی ہیں۔ ایک اچھی خاصی حیاء دار گھریلو عورت کو ہیرا

منڈی جیسے بازار حسن کی طوائف بننے کی ترغیب دے رہی ہیں اور ایک غیرت مند اسلامی معاشرے کو مغربیت کا وہ بے غیرت خول چڑھا رہی ہیں۔ جس کے متعلق بڑی سے بڑی سنجیدہ محافل کو اپنے ایک ہی جملے سے مشک وزعفران بنا دینے والے ماضی کے مشہور و معروف مزاحیہ کالم نگار مرحوم دلدار پرویز بھٹی نے روزنامہ پاکستان میں موت سے کچھ عرصہ قبل شائع ہونے والے اپنے ایک کالم میں لکھا تھا۔ کہ "مغربی معاشرہ اتنا بے غیرت ہو چکا ہے کہ جن جن باتوں پر ہمارے یہاں چاقو نکلتے ہیں، ایسی باتوں پر وہاں چاقو نہیں صرف دانت نکلتے ہیں"۔

بے جان او۔ آئی۔ سی کے ذمہ دار:

مراکش کے شہر رباط میں وجود میں آنے والی تنظیم او۔آئی۔سی یعنی (Organization of Islamic Countries) جن خوبصورت مقاصد کے لئے قائم ہوئی تھی۔ اور اس دور کے چند مسلمان راہنماؤں نے اس تنظیم کے لئے جس بہتر رُخ کا تعین کیا تھا۔ بد قسمتی سے آج یہ تنظیم مکمل طور پر ان مقاصد سے ہٹی ہوئی ہے۔ اس کا وہ رُخ تبدیل ہو چکا ہے اور امت مسلمہ کے اجتماعی مفادات کا تحفظ و دنیا میں مؤثر کردار ادا کرنے سے معذور ہے۔

آج مجھ سمیت جس جذباتی مسلمان کا جب بھی منہ کھلتا ہے تو ساٹھ کے قریب اسلامی ممالک اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے مفادات کی نگرانی و تحفظ کی غرض سے بنی اس تنظیم کے لئے گالی ہی نکلتی ہے اور اس کی اس بے جانی، ناتوانی، کمزوری اور معذرت خواہی پر اُسے کوستا ہے۔ مگر ایسا کیوں ہے؟ اور اس کی وجہ کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا۔

کیونکہ عام مسلمانوں کی اکثریت سادہ لوح ہے اور جو تھوڑا بہت سمجھ بوجھ رکھتا ہے وہ خاموش و مہر بہ لب ہے۔

پتہ نہیں وہ یہ بات جان بوجھ کر نہیں بتاتے یا اس میں کوئی مصلحت آڑی ہوئی ہے۔ کہ اُمت مجموعی طور پر آج جس قیامت خیزی سے گزر رہی ہے۔ دشمنان اسلام کے ہاتھوں کرہ ارض کے ہر گوشے میں مقیم مسلمان جس کرب و اذیت میں مبتلا ہے اور ان سب مظالم پر مذکورہ بالا تنظیم کی جانب سے جس بے حسی اور خاموشی کا مظاہرہ ہو رہا ہے اور ایک لحاظ سے بے جان لاش بنی ہوئی ہے اس کا ذمہ دار بھی یہی بدبودار طبقہ ہے جو بظاہر مسلمان ہونے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کا نمائندہ ہونے کا لبادہ تو اُوڑھا ہوا ہے مگر حقیقتاً اس کی تمام تر وفاداریاں مغرب سے وابستہ ہیں اور مغربی مفادات کا نگراں اور محافظ بنا ہوا ہے۔

دراصل یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے عالم اسلام کی امیدوں کے مرکز اس تنظیم کو گونگی، بہری، عضو معطل اور بے وقعت بنایا ہوا ہے۔ انہی کی وجہ سے یہ اپنے اصل مقصد سے ہٹی ہوئی ہے اور اس کے اجلاسیں فقط اس طبقے کی ذاتی سیر و تفریح، رنگینیوں، عیاشیوں اور بے مقصد و لاحاصل گفتگو تک محدود ہو چکی ہیں۔ یعنی نشستاً، گفتاً، برخاستاً۔

بات بہت سادی سی ہے۔ اس کے لئے دریائے حیرت میں غوطے کھانے کی ضرورت ہے اور نا ہی کنجوس الفطرت داناؤں کے منہ تکنے کی حاجت بس ذرا ذاتی مصروفیات میں سے وقت نکال کر، سر جوڑ کر اور تمام تر ذہنی صلاحیتوں کو یکجا کر کے سوچنے کی دیر ہے۔ یقین سے کہتا ہوں کہ تھوڑے سمے بعد پورے حقیقت حال کو خود سمجھ جاؤ گے کہ اصل ذمہ دار اور خرابی کی جڑ یہی لوگ ہیں کوئی اور نہیں۔

کمزور اسلامی میڈیا کے مجرم:

جو قوم آگے کی طرف دیکھتی ہے، عالمی برادری میں مقام بنانے کی خواہش مند ہو، دنیا کی دیگر اقوام سے اپنا موقف ہر حال میں منوا کر اُنہیں اپنا ہمنوا و ہم رکاب بنانا چاہتی ہو اور یہ چاہتی ہو کہ دنیا کی دیگر قومیں ان کے پیچھے صفیں باندھے کھڑی ہو اور وہ تن تنہا امامت کے منصب جلیلہ پر متمکن ہو تو اس مقصد کے لئے وہ میڈیا کا سہارا ضرور لیتی ہے، اور اُسے کار آمد ہتھیار سمجھ کر اس سے استفادہ ضرور کرتی ہے۔ کیونکہ میڈیا ہی وہ ذریعہ ہوتا ہے جو اُن کے لئے میدان ہموار کرتا ہے اور جب میدان ہموار ہو جاتا ہے تو پھر انہیں اس ہموار میدان میں آگے بڑھنے اور جھنڈا گاڑنے کی دعوت دیتا ہے۔

آج ہر حقیقت پسند و ذی ہوش جانتا ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ موجودہ دور کی ایک ظالم قوت ہے، اور چنگیز خان دوم کے طور پر دنیا میں ظلم و بربریت کا ایک ہلڑ مچایا ہوا ہے۔ کبھی معصوم جاپانیوں کو ایٹم بموں سے بھونتا ہے تو کبھی ویتنامیوں کو نیپام بموں سے مٹانے کی طبع آزمائی کرتا ہے، کبھی لیبیا پر چڑھ دوڑتا ہے، تو کبھی عراق کو تاراج کرتا ہے، کبھی بوسنیائی مسلمانوں کے خلاف ہاتھ دکھاتا ہے، تو کبھی فلسطینی مسلمانوں کے خلاف غاصب اسرائیل کے شانہ بشانہ لڑتا ہے اور کبھی لاچار افغانوں پر اپنا نزلہ گراتا ہے اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بہانے معصوم افغانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا ہے۔

کبھی سوڈان کے خلاف سازشیں کرتا ہے، تو کبھی کیوبا کے خلاف، کبھی شمالی کوریا کو برائی کا محور قرار دیتا ہے، تو کبھی بلا ثبوت اسلامی جمہوریہ ایران کو ایٹمی ہتھیار اور میزائل تیار

کرنے کے جرم میں تباہ کرنے کی سرعام دھمکیاں دیتا ہے۔ درپردہ سب جانتے ہیں کہ امریکہ کی یہ حرکات دھونس، ظلم اور بدترین دھشت گردی کے زمرے میں آتی ہے۔ لیکن مضبوط میڈیا نے اس پر پردہ ڈالا ہوا ہے اور بڑی خوبصورتی سے ان تمام کارروائیوں کو انصاف کا نام دے رکھا ہے۔

یعنی غرض یہ کہ مضبوط و طاقتور میڈیا امریکہ کے لئے ایک وسیع و عریض میدان سجا چکا ہے. اور وہ اکیلا تن تنہا اس میدان کا شہ زور کھلاڑی بنا ہوا ہے. اپنی طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا یہ کھلاڑی جب غراتا و چنگاڑتا ہوا رِنگ میں اُترتا ہے. تو قدرتی طور پر خوف و دھشت کا ایک سماں سا بندھ جاتا ہے. اور پھر جب مخالف سے اس کا سامنا ہوتا ہے. اور تھوڑے سہمے بعد جب مقابلہ شروع ہو جاتا ہے. تو دوران مقابلہ ایسے ایسے داؤپیچ استعمال کرتا ہے، مخالف پر ایسی کاری ضربیں لگاتا ہے. جو کھیل کے اصول و ضوابط سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتیں. بلکہ حد درجہ اخلاقی قدروں کی پامالی اور تذلیل انسانیت کی ادائیں شمار ہوتی ہیں.

سٹیج کے گرد ہال میں بیٹھے تماشائی اور سٹیج پر کھڑا ریفری کھلی آنکھوں سے مذکورہ کھلاڑی کی ان غیر اخلاقی حرکات کا نظارہ کرتے ہیں. اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ موصوف کی آنکھوں میں تو خون اُترا ہوا ہے. اور کھیل میں تمام ضابطوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پوری طرح حیوانیت کا انداز اپنایا ہوا ہے. مگر اس کے باوجود نہ تماشائیوں کی جانب سے کوئی صداء احتجاج بلند ہوتی ہے. اور نا ریفری کے مُنہ سے روک ٹوک و ملامت کی آوازیں نکلتی ہیں. بلکہ اُلٹا اسے داد دی جاتی ہے. اور مزید تیز کرنے کے لئے شاباش کے نعرے لگائے جاتے ہیں. مہذب دُنیا کے مہذب باسیوں کی اس بے حسی و بے ضمیری کا سبب کیا ہے؟ مضبوط و ہر دم

متحرک امریکی میڈیا.

یہ بات امریکہ کی سرشت میں ہے کہ دورانِ مبارزت وہ ہمیشہ ہی غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکات کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ اجتماعی قتل عام کے لئے ایسے ایسے تباہ کن حربے آزماتا ہے۔ اس کے لئے ایسے ایسے ہولناک ہتھیار استعمال کرتا ہے جس سے پورا عالم ششدر رہ جاتا ہے اور جس سے انسان تو کیا زمین پر رینگنے والا کیڑا بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ خواہ وہ ایٹم بم کی شعلہ نائیوں سے ان واحد میں لاکھوں جاپانیوں کو موت کے گھاٹ اُتارنا ہو، زندہ ویتنامیوں کو کھودے گئے گڑھوں میں پھینکنا، اور اوپر سے نیپام بم گرا کر ان کے جسموں کے چھیتڑے اُڑانا ہو اور یا بے سروساماں افغان مسلمانوں پر تھرموبیرک اور ڈیزی کٹر جیسے مہلک بم گرانا ہو، جو متعین کردہ حدود میں آکسیجن کا مکمل خاتمہ کرتا ہے اور چشم زدن میں تمام ذی روح ایڑیاں رگڑتے ہوئے فنا ہو جاتے ہیں۔

دانائے راز ہر کوئی جانتا ہے کہ امریکہ کی ان اداؤں سے ظلم مسلسل پروان چڑھتا جا رہا ہے اور انصاف منہ چھپائے پھر رہا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ ہم ظالم ہی کے معاون اور مددگار بنے ہوئے ہیں اور مظلوم کو مزید ظلم کا شکار بناتے جا رہے ہیں۔ مگر یہ جانتے ہوئے بھی امریکی میڈیا نے اسے اتنا بے دم کر دیا ہے کہ نہ تعاون سے عملاً دست کش ہوتا ہے اور نہ حرف مذمت ہونٹوں پر لاتا ہے۔

انسانی ذہنوں کو تسخیر کرنے والے اس ذریعے (میڈیا) سے ہر دور میں امریکہ نے خوب استفادہ کیا ہے اور جنگ ہو یا امن، اس ذریعے (میڈیا) نے بھی اُنہیں کبھی مایوس نہیں کیا۔ بلکہ بہترین کارکردگی کی بدولت خود کو ہمیشہ کار آمد ثابت کیا اور خود کو ہمیشہ مزید امریکی توجہ کا محور

ٹھہرایا۔

11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں رونما ہونے والے دہشت گردی کے واقعات کے بعد عالم اسلام کے خلاف جس وسیع پیمانے پر جنگ چھیڑی گئی ہے، اس میں بھی امریکی میڈیا روز اول ہی سے آج تک نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔ یعنی اول جنگ کا رخ بڑی مہارت سے عالم اسلام کی طرف موڑ دیا، دوم امریکی مشینری کو یکدم مسلمانوں کے خلاف آمادہ جنگ کر دیا۔ سوم اپنے لاثانی مکر و فریب سے دنیا کو اپنا ہم نوا بنالیا۔ اور چہارم آج بڑی سرعت سے اس جنگ میں اپنی درندگی اور حیوانیت پر پردہ ڈالنے کا فرض سنبھالا ہوا ہے۔

دنیا بھر کے مسلمان امریکی زیادتیوں سے چور چور ہو کر زور زور سے چلا رہا ہے اور نام و نہاد مہذب دنیا کو ان زیادتیوں اور بدسلوکی پر خاموشی، بے حسی اور بے ضمیری پر کوس رہا ہے۔ لیکن چونکہ مقابلے میں امریکہ اور امریکی میڈیا کے تمام ذرائع ہیں۔ اس لئے اس کی تمام تر چیخ و پکار صدا بصحراء ثابت ہوتی ہے اور حق پر ہونے کے باوجود مجرم بنا ہوا ہے۔

یہ مضبوط اور طاقت ور میڈیا کی کرشمہ سازیاں ہی تو ہیں کہ تمام تر سفاکی کے باوجود امریکہ معصوم بنا ہوا ہے، جبکہ میڈیا نہ ہونے اور ہر لحاظ سے کمزور و ناتواں ہونے کے باعث مسلمان دہشت گرد ٹھہرا ہوا ہے۔ اور مجرموں کی طرح مہذب دنیا کی مہذب عدالت انصاف کے کٹہرے میں کھڑا ہو کر اپنی قسمت پر صابر و شاکر رہنے کی تلقین اور وعظ و نصیحت سن رہا ہے۔

برادرم اس کے علاوہ کشمیر کو لے لیجئے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو تقسیم ہند کے وقت سے لے کر آج تک پاک و ہند کے درمیان اٹکا ہوا ہے اور حل طلب ہے۔ تاریخ کا ہر طالب علم ان حقائق

سے واقف ہے کہ اس معاملے میں ہندوستان کا موقف ہر لحاظ سے پاکستان کے مقابلے میں انتہائی ضعیف اور کمزور ہے۔ لیکن مضبوط میڈیا کا سحر دیکھئے کہ ہندوستانی میڈیا نے اپنے اس کمزور و ضعیف موقف کو بھی طاقت دیا ہوا ہے اور دھڑلے سے بلا جھجک کشمیر کو اٹوٹ انگ قرار دینے کا رٹ لگایا ہوا ہے۔ جبکہ جواباً پاکستان موئثر میڈیا نہ ہونے کی وجہ سے باوجود توانا موقف کے معذرت خواہ بنا ہوا ہے۔

میڈیا قوم کا مقدمہ عوام الناس کے سامنے رکھتا ہے اور مضبوط دلائل سے تابڑ توڑ جرح کرکے جیتنے کی کوشش کرتا ہے۔ میڈیا دنیائے عالم کے دل کے گوشہ محبت میں جگہ بھی دلاتا ہے۔ مگر جہاں تک مسلمان کا تعلق ہے تو میڈیا کے عدم وجود کے بناء پر آج ہر مقدمہ ہارا ہوا ہے اور دنیا بھر کی نفرت و حقارت کا نشانہ بنا ہوا ہے۔

اب اگر آپ یہ پوچھیں گے کہ الگ تہذیب کی حامل، معدنی و انسانی وسائل سے مالامال اور آدھی دنیا پر پھیلی ہوئی عظیم قوم مسلمان آخر اس ہتھیار سے نہتی کیوں ہے؟ اور اس میدان میں اتنی لاغر و ناتواں کیوں ہے۔ یہ سب کس نے کیا؟ اور مجرم کون ہے؟ تو محترم لامحالہ یہاں بھی میری اُنگلی شہادت اس حکمران طبقے کی طرف ہی اُٹھے گی جو بدقسمتی سے عرصہ دراز سے مسلمانوں کی گردنوں پر زبردستی مسلط ہے اور جسے عرف عام میں لبرل و سیکولر کہا جاتا ہے۔

انسانی زندگی میں میڈیا کی اہمیت مسلمہ ہے اور ہمیشہ اس اہمیت کے بناء پر زندہ قوموں کی ترجیحات میں سرفہرست رہتا ہے۔ لیکن مسلمانوں پر مسلط اس طبقے نے جان بوجھ کر اس اَمر کو نہ جانا اور مسلمانوں کو اس میدان میں ارادتاً قصداً پسماندہ رکھا اور یہ سب شاید اس لئے کیا

کہ دنیا میں ان کے آقاؤں کی جو اجارہ داری اس شعبے میں قائم چلی آرہی ہے کہیں وہ متاثر نہ ہو اور اسی طرح ان کی نمک حلالی پر حرف بھی نہ آئے۔

نفاذ اسلام کی راہ میں سد راہ:

اسلام محض نماز پڑھنے اور رمضان المبارک میں دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کا نام نہیں، بلکہ نجی و قومی زندگی کے تمام تر معاملات کی سمت درست کرنے والے سسٹم کا نام ہے اور بحیثیت مسلمان اس سچائی پر ہمارا پختہ ایمان و عقیدہ ہے کیونکہ یہ رب کائنات کا وضع کردہ نظام ہے جو کائنات کا تخلیق کار بھی ہے۔ اور یہ عالمی سچ (Universal Truth) ہے کہ کسی چیز کے درون و بیرون سے جتنی واقفیت اس کے تخلیق کار کو حاصل ہوتی ہے وہ کسی اور کو کہاں۔ مگر جہاں تک اس گروہ اور طبقے کی بات ہے تو وہ اس سچ کو عملاً تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ روز اول ہی سے اپنے آقاؤں کی پیروی کرتے ہوئے مذہب کو فقط عبادات کی ادائیگی تک محدود کرنے کی گردان میں لگا ہوا ہے اور مختلف طریقوں سے یہ تصور عام کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ آفاقی تعلیمات اور دنیاوی معاملات دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

دنیاوی معاملات سے مذہب کا کلیتاً اخراج ان کے آقاؤں کا نظریہ ہے اور عالم اسلام میں پھیلے ہوئے یہ لوگ اس نظریئے کو دوام و استحکام دینے پر مامور ہیں۔ اس کے لئے کبھی وہ میٹھے بول سے کام چلالیتے ہیں۔ تو کبھی ضرورت پڑنے پر طاقت کے اندھادُھند استعمال سے بھی گریز نہیں کرتے اور ظلم و تشدد کے حوالے سے ایسی ننگی بربریت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جس سے خدا کی پناہ۔ پہلے ایسا نہ تھا، بلکہ حکومتیں خواہ جیسی بھی تھیں۔ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے سوا

کسی اور چیز کے لئے کوئی جگہ نہ تھی، معاملات (خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی) کی درستی کے لئے اسلام ہی کی راہنمائی حاصل کرنے کا رجحان عام تھا۔ پنچائیت سے لے کر اعلیٰ عدلیہ تک فیصلے قرآن و سنت کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ تعلیم اسلامی اصولوں پر اُستوار تھی، معیشت اسلامی سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ قرآن و سنت کو سپریم لاء کی حیثیت حاصل تھی اور ہر معاملے میں قرآن و سنت کا فیصلہ حرف آخر ہوا کرتا تھا۔

مگر بدقسمتی سے جیسے جیسے یہ بدبخت لوگ مسلمانوں میں دخیل ہوتے گئے اور چالاک و عیار ذہن کی بدولت مسلمان معاشرے پر اثر انداز ہوتے گئے۔ اور پھر جب مسلمانوں کی بعض کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُنہوں نے مذکورہ نظریئے کے پھیلاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے تو رفتہ رفتہ ذہنوں سے "اسلام بحیثیت مکمل نظام حیات" کی سوچ محو ہوتی گئی۔ مسلمانوں کی نجی و قومی زندگی سے اسلام نکلتا گیا اور فقط عبادات کی ادائیگی و منبر و محراب تک محدود مذہب کا روپ دھار گیا۔

آج بھی اگر آپ روئے زمین پر آباد جس اسلامی معاشرے کا بغور جائزہ لیں گے تو از خود یہ امر تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے اور بعینہ دیکھیں گے کہ مساجد تو نمازیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ حفاظ قرآن، علماء، وفقہا کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، عام شہری سینہ تھان کر خود کو مسلمان جبکہ ریاست اسلامی جمہوریہ یا اسلامی امارت کہلانے پر بضد ہے، مگر جہاں تک معاملات اور زندگی کے تمام شعبہ جات کا تعلق ہے، تو وہ کلیتاً غیر خدائی نظاموں کے سپرد ہیں۔

عدالتوں میں قرآن و حدیث کی جگہ انسان ساختہ دیگر قوانین کی بھاری بھر کتابوں نے لی ہوئی ہے۔ تعلیم لارڈ میکالے کے وضع کردہ اُصولوں پر اُستوار ہے، معیشت سود کے خونی

پنجوں میں جکڑی ہوئی ہے اور سیاسیات اسلامی اُصولوں سے مکمل آزاد اور انسان کے بنائے ہوئے قوانین وضابطوں کے پابند ہیں اور اس کا یہی پھل مل رہا ہے کہ مسلمانوں میں عمر بن خطابؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ جیسے خدا ترس، عادل اور بلا معاوضہ دیانتداری سے خلق خدا کی خدمت پر ہر دم کمر بستہ حکمرانوں کا قحط پڑ گیا ہے اور ہر جاء قابل نفرت بادشاہوں اور فوجی وسیاسی ڈکٹیٹروں و مطلق العنانوں کی فراوانی ہے۔

اسلامی نظام سے متصادم مسلمہ اُمہ میں رائج الوقت یہ غیر خدائی وغیر فطری نظامیں صبح و شام مسلمانوں کو مختلف انداز میں ڈس رہے ہیں اور انہی کے ہاتھوں پوری اُمت مسلمہ طرح طرح کی مصائب و مشکلات کے دلدل میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ یعنی عزت نفس مجروح ہے، آزادی معلق ہے اور مخدوش مستقبل کی وجہ سے چہار سو مایوسی اور ناامیدی چھائی ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے اندر کچھ فہیم اور معاملہ شناس لوگ محسوس کرتے ہیں کہ اُمت مسلمہ میں اجتماعی طور پر اسلام کے مقابلے میں جو غیر فطری و غیر خدائی نظامیں جبراً مسلط ہیں وہ دراصل اور درحقیقت ملت اسلامیہ کی بقا کا نہیں بلکہ فنا کا کام کرتے ہیں۔ اس لئے یہ دور اندیش سراپا احتجاج ہیں اور اپنے احتجاج کا اظہار مختلف طریقوں سے کر رہے ہیں۔ مگر وائے قسمت کہ اسلام سے اللہ واسطے بیر رکھنے والا یہ دین بیزار طبقہ ان کے ہر اظہار کے آگے رخنے ڈالتا ہے۔ پرنٹ اور تابعدار الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اُنہیں بدنام کرتا ہے، عوام الناس کی نظروں میں اُنہیں گرانے کے لئے ہر اوچھے ہتھکنڈے سے کام لیتا ہے اور اگر آسانی سے ماحول سازگار ہونے کی امید نہ ہو، تو یہ

درندہ صفت طبقہ اپنے ہی ملک کو میدان جنگ بنانے کے لئے کیل کانٹوں سے لیس ہو کر نکلتا ہے۔ خلق خدا پر ایسے جھپٹتا ہے جیسے شیر شکار پر جھپٹتا ہے اور ظلم و تشدد کا ایک ایسا اتھنک مچاتا، جس سے ہری بھری گود اور سہاگنیں اُجڑ جاتی ہیں اور ہر آنگن کی در و دیوار سے صرف آہوں اور سسکیوں کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔

"اسلام اور عصر حاضر" نامی ایک کتاب کے مصنف پروفیسر احمد رفیق اختر سے کسی نے سوال کیا۔ کہ ہم قرآن کے ہوتے ہوئے پاکستانی معاشرہ کو ایک مہذب معاشرہ کیوں نہیں بنا سکے؟ اور اس وقت اُمت مسلمہ کو جن چیلنجوں کا سامنا ہے ہم ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ تو اس نے ایک فارنر کے حوالے سے کیا خوب جواب دیا۔ کہا: "Fifteen crore people of Pakistan have been hijacked by fifteen hundred Seculars"۔[1]

محترم نے مزید آگے کہا:

"یہ لوگ اسلام کا نام سننے کو تیار نہیں۔ اسلام کا لفظ ان کی قبض معدہ کا باعث ہے"۔[2]

اسلامی مبادیات کے دشمن:

اسلامی مبادیات سے دشمنی نجی سطح سے لے کر قومی سطح تک ہر وقت اُن پر چھائی رہتی ہے۔ تیونس کے سابق حکمران "بورقیبہ" جو کہ کٹر سیکولر ذہنیت کے مالک تھے۔ وہ پردے کے

[1]: اسلام اور عصر حاضر، صفحہ نمبر 140-141۔

[2]: ایضاً۔

خلاف اور جدیدیت کے جنون میں اس قدر مبتلا تھے کہ ایک دن اُس نے ٹی وی پر ایک خاتون کو بے نقاب کر کے باقاعدہ بے پردگی کی مہم چلائی۔ اس کے علاوہ ملک میں روزہ خوری کا کلچر عام کرنے کے لئے سرعام اپنا روزہ توڑنے میں بھی تامل تک محسوس نہ کیا۔[1]

کل ہی کی بات ہے کہ ایک ترک خاتون رکن پارلیمنٹ کو اس وجہ سے اپنی رکنیت سے استعفٰی دینا پڑا تھا کہ وہ برقعہ پہن کر پارلیمنٹ کے اجلاس میں آتی تھی۔ اور ملک کے طاقتور لبرل وسیکولر حکمرانوں کو یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی۔

یہاں پاکستان کی ایک سابق نام ونہاد جمہوری حکومت کے دوران اس وقت کے پی ٹی وی کی مینجنگ ڈائریکٹر نے ایک آفیشل میٹنگ کے دوران اپنے جونیئرز کو پاکستان ٹیلی ویژن کے بارے میں ہدایت کی، کہ اُسے فی الفور مغربیت سے ہم آہنگ کیا جائے۔ جونیئرز کی طرف سے اسی صورت میں بھرپور عوامی ردعمل اور احتجاج کے حدشے کا اظہار ہوا تو اُنھوں نے سونے پر سہاگہ ترکیب بتاتے ہوئے کہا کہ اگر آپ ایک قدم آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو دو قدم آگے بڑھو۔ زیادہ شور مچے تو ایک قدم پیچھے ہٹو۔ اسی طرح تم اپنے ہدف کی جانب مطلوبہ ایک قدم آگے بڑھ چکے ہوں گے۔

ان کی اسلام سے بے خبری کا یہ عالم ہے کہ پاکستان کے ایک سابق سیکولر وفاقی وزیر نے قرآن کو چالیس پاروں پر مشتمل قرار دیا، جبکہ ایک اور سابق وفاقی وزیر کو سورہ اخلاص تک بھی نہیں آتی تھی۔ چیں چیں چیں۔

---

[1]: مسلم دنیا، 92-1991ء، صفحہ نمبر 202۔

ان کی نجی طرز زندگی:

گذشتہ اوراق میں اس طبقے کے قومی کردار سے پردہ ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے اور عوام الناس (بالخصوص مسلمانوں) پر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہاں سے تربیت پاکر آئے ہیں؟ اور خود کو اسلامی چادر میں لپیٹ کر درپردہ اسلامی معاشرے میں کیا کرنا چاہتے ہیں۔

اب یہاں اُن کی نجی اور گھریلوں زندگی کی کچھ جھلکیاں دکھانا چاہتے ہیں، تاکہ معاشرے میں پھیلے ہوئے ان کے نادان حمایتیوں اور سپورٹرز پر بھی یہ حقیقت عیاں ہو جائے، کہ یہ کس قبیل کے لوگ ہیں اور گھر کی چار دیواری میں رہ کر روزانہ کیا کیا حرکات کر رہے ہیں اور کیا گل کھلا رہے ہیں۔

اگر آپ نے دنیا کی نمبر ایک بے ہودگی، لچرپن اور مسخرہ پن دیکھنی ہو تو جا کر ان کی گھریلو زندگی میں جھانکو، یقین جانیئے وہاں آپ کو وہ سب شرمناک مناظر دیکھنے کو ملیں گے جنہیں دیکھ کر دیکھنے والا خود شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے۔

گھر کی در و دیوار اپنے اِن جوکر نما مکینوں کے خصائل اور عادات بد پر سخت نالاں و پریشاں ہیں اور اپنی قسمت کو کوس رہی ہیں۔ ان کی کوئی بھی عادت اور خصلت انسانیت سے میل نہیں کھاتی، یعنی کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، ٹہلتے ہوئے کھانا کھانا، وہسکی اور شیمپین کو پانی سمجھ کر ہر وقت اس سے پیاس بجھانا، انگلش میوزک پر مائیکل جیکسن اور میڈونا کی طرح اوچھل کھودنا، اور شادی شدہ ہونے کے باوجود بازاری عورتوں کو بانہوں میں سلانا اور ان سے

تعلقات و راہ رسم بڑھانا ہی وہ بری عادات اور خصائل ہیں جو اُنہیں انسانیت سے حیوانیت کی طرف کھینچ لاتی ہیں۔

پاکستان میں یہ مقتدر سیکولر طبقہ اقتدار کے ایوانوں میں رات کے آندھیروں میں جو کچھ کر رہا ہے اور عوامی نمائندہ کا روپ دھار کر جو رنگ رلیاں منا رہا ہے، حال ہی میں حلقہ مظفر گڑھ سے تعلق رکھنے والے ایک ایم۔این۔اے جمشید دستی اسمبلی فلور پر اس کا بھانڈہ پھوڑ چکے ہیں اور میڈیا کو اپنی بات سچ ثابت کرنے کے لئے نا قابل تردید مواد فراہم کر چکے ہیں۔ یعنی بقول ایک شاعر کہ:

جس شہر میں وہ معتبر میری گواہی سے ہوئے
پھر اس شہر میں مجھے نا معتبر اُس نے کیا

لبرل اِزم کی خود ساختہ تشریح اور حقائق:

مغربی تہذیب کے مضر اثرات سے متاثرہ اور پراگندہ ذہن رکھنے والے یہ لبرل اور سیکولر عناصر نظریہ لبرل ازم کی بڑی عجیب و غریب تشریح کرتے ہیں اور دنیا بھر کے اسلامی ممالک میں اس نظریئے کے بد نما چہرے کو خوب صورت اور خوش نما لبادے میں لپیٹ کر پیش کر رہے ہیں۔ یعنی روشن خیالی، جمہوری سوچ و فکر، وسیع النظری، اعتدال پسندی اور ان جیسی دیگر معاشرتی اصطلاحات کے موافق نظریہ کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ عام مسلمانوں کو آندھیرے میں رکھا جا سکے۔ اس نظریئے کی اصلیت ان سے مخفی رہے اور آبدی نظریہ اسلام کی طرف پلٹنے کا جو رجحان اُن میں پایا جاتا ہے، اس کا بروقت سدباب کیا جا سکے۔

لہذا جب یہ عناصر مذکورہ نظریئے کے حق میں ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور اس کی تعریف و

توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں تو ہر جاء ان کی جگ ہنسائی ہوتی ہے اور لوگوں کے تمسخر کا نشانہ بنتے ہیں۔ کیونکہ ایک نظریہ اس کے پیروکاروں کے طرزِ عمل سے ہی پہچانا جاتا ہے اور ان لوگوں کے ماضی اور حال کا کردار اس قابل ہرگز نہیں کہ مسلمانوں میں اس نظریئے کو شرفِ قبولیت عطا کر سکے اور مسلم معاشرے میں اس کے لئے جگہ بنا سکے۔

یعنی نہ ان میں خود جمہور ہے، نہ وسیع النظری اور نہ اعتدال پسندی، بلکہ اگر دیکھا جائے تو ان کی زندگی لبرل ازم کی ان تمام بیان کردہ خصوصیات کی بالکل زد ہے۔ اور مسلمان اس کا مشاہدہ روزِ اول سے ہی کرتا چلا آرہا ہے۔ اور اپنی آنکھوں سے کئی بار دیکھ چکے ہیں کہ جو لوگ اس نظریئے کا پرچار کر رہے ہیں اور عوام الناس کو اُسے اپنانے کی ترغیب دے رہے ہیں وہ خود اس نظریئے کے بدترین قاتل ثابت ہو رہے ہیں اور اپنی قابلِ مذمت حرکات وسکنات اور عادات و خصائل سے اُسے سرِ عام رسوا کر رہے ہیں۔

نااہلیت کے اعتبار سے تو یہ لوگ اتنے گئے گزرے ہیں، کہ بڑی سے بڑی ذمہ داری تو کیا، اگر اُنہیں ایک بازار کی چوکیداری بھی سونپ دی جائے تو سمجھو کہ بازار کا بیڑہ غرق، کیونکہ ان کے ذہنوں میں ہمیشہ ایک ہی سوچ گردش کر رہی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ زیادہ سے زیادہ دولت کیسے سمیٹی جائے۔

اس شیطانی سوچ اور حریصانہ خواہش کی جلد تکمیل کے لئے بعض اوقات ان سے ایسے شرمناک افعال بھی سرزد ہو جاتے ہیں، جس سے ان کے چہرے پر چڑھا ہوا غلاف اُتر جاتا ہے اور اس غلاف کی اوٹ سے وہ بدنما، ڈراؤنا اور بدبودار چہرہ نکل آتا ہے جو فضاء کو معطر کرنے

کے لئے خوشبو بکھیرنے کی صلاحیت سے محروم، بلکہ اُسے مزید الودہ کرنے کے لئے تعفن پھیلانے میں کمال رکھتا ہے۔

اور یہی وہ افعال ہیں جو مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لئے پہلے سے موجود نفرت کو بڑھاوا دیتے ہیں اور ان کے اس ایمان ویقین کو اور بھی محکم کر دیتے ہیں، کہ لبرل ازم اور سیکولر ازم کے خمیر سے ہمیشہ پرلے درجے کے بے ایمانوں کی فصل پھوٹتی ہیں۔ ایمانداروں کی نہیں۔

●●●

نظم

یہ گلشن آباد ہو گا ایک معمار ضرور آئے گا
باعث ان کے چمن میں برگ و بار ضرور آئے گا

دانش کی عینکوں سے کچھ اور دیکھ رہا ہوں
دنیا کو بدل ڈالنے وہ ایک بار ضرور آئے گا

چھٹ جائے گی فضاء سے نفرت کی عفونت
خوشبو بکھیرنے اب ایک عطار ضرور آئے گا

بلند ہوں گی صدائیں لااِلٰہ اِلا اللہ کی
ٹیڑھوں کو سیدھا کرنے وہ لوہار ضرور آئے گا

دیکھا نہ اگر سائر نے آنکھوں سے یہ منظر
یہ طے ہے اس کی روح کو قرار ضرور آئے گا

◈◈◈

نمبر ۸

مغرب پرستی

قرآن کی روک:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا
يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا۟ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ
مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا
لَكُمُ ٱلْءَايَٰتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ (آل عمران)1

ترجمہ: "اے ایمان والوں! تم اپنا دوست اہل ایمان کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے۔ وہ تمہارے دُکھ سے خوش ہوتے ہیں۔ ان کی عداوت تو خود ان کی زبانوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت بڑا ہے۔ ہم نے تمہارے لئے نشانات بیان کئے ہیں۔ اگر تم سمجھدار ہو"۔

ایک اور قرآنی آیت ملاحظہ ہو:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ
وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن
يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى
ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥١﴾ (المائدہ)

ترجمہ: "اے ایمان والوں! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک اُنہی میں سے ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

ایک اور آیت مقدس میں اللہ فرماتے ہیں:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟
دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن

قَبۡلِكُمۡ وَالۡكُفَّارَ أَوۡلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ۝٥٧ (المائدہ)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں۔ خواہ وہ ان میں سے ہوں جنہیں تم سے پہلے کتاب دیئے گئے یا کفار ہوں اور اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو"۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيۡنَ يَتَّخِذُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ أَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ أَيَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَإِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ۝١٣٩ (انساء)

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں جو مومنوں کے بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ تو یاد رکھیں کہ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے"۔

ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا:

يٰۤأَيُّهَا الَّذِيۡنَ ءَامَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡكٰفِرِيۡنَ أَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ أَتُرِيۡدُوۡنَ أَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا۝١٤٤ (النساء)

ترجمہ: "اے ایمان والوں! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے خلاف ایک کھلی حجت دیدو"۔

ایک شکستہ خواہش:

آج کل مسلمانوں میں ایسے بد نصیبوں کی ایک وافر تعداد بھی موجود ہے جو کہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ان کے دل و دماغ پر مغرب سے قربت کی ایک شکستہ خواہش ہر وقت سوار رہتی ہے۔ ان کی تمام تر وفاداریاں اسلام کی بجائے مغرب کے ساتھ رہتی ہیں۔ اُٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے مغرب اور اہل مغرب کی قصیدہ گوئی میں ہر وقت رطب اُللسان رہتے ہیں۔ ان کی طرف دیکھنے سے آنکھوں میں ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں۔ ان کے چرنوں میں بیٹھ کر فخر و راحت، اور اس خواہش کی بدولت اُس آس کے سائے جی رہے ہیں اور یہ توقع لگائے بیٹھے ہیں کہ مغرب و اہل مغرب اُنہیں کوئی خیر یا نفع پہنچائے گا۔

یہ نادان خیر کی آس اور توقع اُس مغرب سے لگائے بیٹھے ہیں جہاں کے دو قدیم مذاہب کے پیروکاروں (یہودیوں اور عیسائیوں) کی ریشہ دوانیوں اور شرارتوں سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بچ کر رہنے کی بار بار تاکید کی ہے اور یہاں تک فرمایا کہ:

"لَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ "۔(القرآن)

ترجمہ: "یعنی ہر گز راضی نہیں ہوں گے تم سے یہود و نصاریٰ جب تک تم تابع نہ ہو ان کے دین کا"۔

اللہ رب العزت کی بات اٹل ہوتی ہے اور اس ٹھوس و اٹل حقیقت نے زمانے کے ہر دور میں اپنی اصلیت اور سچائی دکھلائی ہے۔ اور ہر وقت اس سربستہ بھید سے خوب پردہ اُٹھایا کہ یہود نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے دوست تو ہو سکتے ہیں، مگر مسلمان کے نہیں۔

قارئین آئندہ صفحات پر ہم اُن تاریخی حقائق اور حالات و واقعات کی منظر کشی کریں گے۔ جو مسلمانوں پر ان کے ظلم، چیرہ دستیوں اور اسلام کے ساتھ ان کی گہری مخاصمت اور تعصب سے بھرپور ہیں۔ اور علاوہ ازیں مغرب کی بے جاء پرستش کرنے والے مسلمانوں کو وہ آئینہ فراہم کرنے کی کوشش کریں گے جو اُن دو اقوام کے مکروہ چہرے پورے خدوخال اور نقش و نگار کے ساتھ دکھانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ بقول شاعر کہ:

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے کہ وفا کیا ہے

اسلام کے ابتدائی ایام اور یہود:

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں فدایان اسلام کا قافلہ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آیا تو اُس وقت مدینہ اور اس کے آس پاس یہود کے کئی قبائل آباد تھے۔ یہ دراصل وہ لوگ تھے جو بخت نصر اور بعد میں بادشاہ ٹائیٹس کے ظلم و ستم کی وجہ سے اپنی ابتدائی جائے سکونت فلسطین چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ بعض لوگ یہاں آباد اُن قبائل کی تعداد بیس کی لگ بھگ بتاتے ہیں۔ تاہم اُس وقت اُن میں خیبر، مصطلق، بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع نامی قبائل مشہور اور انتہائی نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔

چونکہ شعبہ تجارت پر ان کا مکمل قبضہ تھا اور اس کے علاوہ سود کی لین دین بھی کرتے

تھے۔ اس لئے معاشی طور پر وہ انتہائی خوشحال تھے اور اکثر مدینہ کے دیگر باشندے (اوس اور حزرج کے لوگ) اُن کے مقروض رہتے تھے۔

غیر یہود کے ساتھ ان کا رویہ نہایت ہی غیر مہذبانہ، ناشائستہ اور تحقیر امیز رہتا تھا۔ سب لوگ یہود کے غرور و تکبر اور سفاکانہ سلوک سے عاجز آ چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے ہمراہ مدینہ تشریف لائے تو ظلم و ستم کے ستائے ہوئے مدینہ کے یہ دیگر غیر یہود باشندے پیغمبر اسلامؐ کا ایک جلوہ دیکھنے اور عظیم قافلہ اسلام کو خوش آمدید کہنے کے لیے دیوانہ وار اپنے گھروں سے نکل پڑے اور پر تپاک انداز میں ان کا استقبال کیا۔

تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ مہاجرین اسلام کی آمد کے موقع پر انصار مدینہ نے جس خوشی، مسرت اور والہانہ عشق و محبت کا اظہار کیا تھا۔ وہ رہتی دنیا تک ایک تابندہ مثال رہے گا۔

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری اپنی تصنیف "الرحیق المختوم" کے صفحہ نمبر 288 پر اہلیان مدینہ کے اس دن کی کیفیت اپنے ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

> "جمعہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے اور اسی دن سے اس شہر کا نام یثرب کے بجائے مدینۃ الرسول یعنی شہر رسولؐ پڑ گیا۔ جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت تابناک تاریخی دن تھا۔ گلی کوچے تقدیس و تحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے اور انصار کی بچیاں خوشی و مسرت سے اِن اشعار کے نغمے بکھیر رہی تھیں:
>
> اشرق البدر علینا — من ثنیات الوداع
>
> و جب الشکر علینا — ما دعا للہ داع

ایہا المبعوث فینا - جئت بالامر المطاع"[1]

مولانا نعیم صدیقی اپنی کتاب "محسن انسانیت" میں خوشی اور مسرت کے وہ لمحات اپنے ان الفاظ میں کشید کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"چھوٹے چھوٹے بچوں کی زبانوں پر یہی بات رہنے لگی، کہ رسولؐ آرہے ہیں۔ رسولؐ آرہے ہیں۔ لوگ ہر صبح گھروں سے نکلتے اور شہر سے باہر جمع ہو کر انتظار کرتے۔ جب گرما کا سورج اونچا ہو جاتا اور دھوپ قابل برداشت نہ رہتی، تو حسرت زدہ ہو کر لوٹ جاتے۔ یوم قدومت کو بھی لوگ اسی طرح جمع ہو کر لوٹ رہے تھے۔ کہ ایک یہودی نے قلعے پر سے دیکھا اور مژدہ سنایا کہ اہل یثرب لو، تمہیں جس بزرگ کا انتظار تھا وہ آپہنچے۔ تمام شہر تکبیر کے غلغلے سے گونج اُٹھا۔ لوگ بے تابانہ وار دوڑے۔ اکثر انصار خوب ہتھیار لگا لگا کر نکلے"۔[2]

محترم مزید آگے لکھتے ہیں:

"قبا میں وُرود 8 ربیع الاول 1 ؁ھ (نبویؐ) بروز جمعرات ہوا تھا۔ چودہ روز بعد انسان اعظمؐ نے رفقاء سمیت مدینہ کا رُخ کیا۔ قبا سے مدینہ تک دو رویہ انصار خیر مقدم کے لئے صفیں باندھے کھڑے تھے۔ آپؐ کے ننھیالی رشتہ داروں نے خاص اشتیاق سے ہتھیار لگائے۔ عورتیں

---

[1]: الرحیق المختوم، ، صفحہ نمبر 288۔

[2]: محسن انسانیت، ، صفحہ نمبر 222-223۔

چھتوں پر جمع تھیں اور ترانہ خیر مقدم گارہی تھیں اور چھوٹی بچیوں کے غول گھوم رہے تھے۔ لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں۔ ان بچیوں کی پاکیزہ محبت کا جواب سرور عالمؐ نے بھی خاص شفقت سے دیا۔ اُن سے باتیں کیں۔ پوچھا، کیا تم مجھے چاہتی ہو؟، اُنہوں نے کہا، جی ہاں، آپؐ نے فرمایا، میں بھی تم کو چاہتا ہوں"۔[1]

اسلام کا علم تھامتے ہی اہلیان مدینہ کے دن یکدم بدل گئے۔ ان کی زندگی میں کئی حیران کن انقلابات برپا ہوئے۔ یعنی ان کے آپس کی شکررنجیاں بے مثال دوستیوں میں بدل گئیں۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے باہم شیر وشکر ہو گئے۔

مدینہ کے اوپر اسلام سے قبل نفرت کے ہاتھوں غم اور اندوہ کے جو گہرے سائے پڑے تھے وہ یکدم ہٹ گئے۔ ان کے گلے سے یہود کا ڈالا ہوا طوق غلامی اُتر گیا، اور غربت و تنگدستی سے نکل کر خوش حال زندگی کی پٹڑی پر گامزن ہو گئے۔

یہودیوں نے جب اسلام کی روشن تعلیمات کے ہاتھوں اہلیان مدینہ کے سدھرتے حالات دیکھے اور یہ دیکھا کہ جو معاشرہ اُنہوں نے تاحیات اپنی بادشاہت برقرار رکھنے کے لئے منتشر کر دیا تھا۔ وہ رفتہ رفتہ اخوت و بھائی چارے کے لازوال بندھن میں بندھ رہا ہے۔ تو اُن کے تیور بدل گئے، سخت سیخ وپا ہوئے اور شدت غصے سے پیچ و خم کھانے لگے۔

یہی سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں اور شرارتوں کا ایک لمبا سلسلہ

---

[1]: محسن انسانیت، ، صفحہ نمبر 222-223۔

چل نکلا اور یہی وہ سلسلہ تھا جو بعد ازاں آگے چلتا چلتا آخر کار خود اُن کی اپنی مکمل سر کوبی اور شکست وریخت پر منتج ہوا۔

یہود کی ایک اذیت ناک شرارت:

یہودیوں نے مدینہ میں مسلمانوں کے وجود کو اپنے مفادات کے لئے ایک زبردست خطرہ سمجھا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے بالقصد اپنے آپ سے ہمیشہ وہ کام لیا۔ جو مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اذیت اور ایذا رسانی کا ذریعہ بنتا۔

سنہ 2ھ کی بات ہے۔ شوال کا مہینہ تھا، کہ ایک دن ایک مسلمان خاتون جو سر تاپا اسلامی پردے میں لپٹی ہوئی تھی، کسی کام کی غرض سے یہودیوں کے ایک بازار سے گزر رہی تھی۔ جسے دیکھ کر قبیلہ بنو قینقاع کے کچھ یہودی لونڈے اس پر ٹوٹ پڑے اور بھرے بازار میں اُسے بے ابرو کرنا چاہا۔ جس پر ایک غیرت مند مسلمان طیش میں آئے اور طیش کے عالم میں اُن میں سے ایک یہودی کا کام تمام کر دیا۔ بعد میں قوم پرستی کی گرد میں اٹا ہوا ایک یہودی غول اس مسلمان پر حملہ اور ہوا اور وہ بھی رُتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اس واقعے کی خبر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو سخت ملول ہوئے اور فوراً لشکر اسلام کو اس قبیلے کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ اُنہیں انتہائی سخت سزا دینا چاہتے تھے۔ لیکن رئیس المنافقین عبداللہ ابن اُبئ اڑے آئے اور ان کی جان بخشی کے لئے حضورؐ کی منت سماجت شروع کی۔ جس پر حضورؐ نے ان کی جان بخش دی۔ البتہ مدینہ سے شام کی طرف علاقہ بدر کر دیا۔

قتل رسولؐ کی ناکام کوشش:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور کچھ دوسرے صحابہ کرامؓ کی معیت میں یہودی قبیلہ بنو نضیر کے ہاں ایک قتل کی دیت کے معاملے میں تشریف لے گئے تھے۔ یہودیوں نے حضورؐ کو ساتھیوں سمیت ایک گھر کی دیوار کے ساتھ بٹھادیئے اور خود باہم صلاح و مشورہ کرنے کے بہانے دور ایک گوشے میں جمع ہو گئے۔ جہاں شیطان انہیں بہکا گئے اور سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ کیوں نہ نبیؐ کو یہاں قتل کیا جائے۔

چنانچہ ایک یہودی عمرو بن حجاش ایک بھاری پتھر لے کر اس مکان کی چھت پر چڑھ گئے جس کے نیچے حضورؐ ساتھیوں سمیت تشریف فرما تھے۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ پتھر حضورؐ پر دے مارتے۔ حضرت جبریلؑ نے حضورؐ کو ان بدبختوں کے ارادے سے آگاہ کر دیا۔ جس پر آپؐ فوراً اس جگہ سے اُٹھ کر چلے گئے اور یہودیوں کی یہ کوشش ناکام ہو گئی۔[1]

---

[1]: آپؐ کو قبیلہ بنو نضیر کی اس حرکت پر بہت دُکھ پہنچا۔ لہٰذا مدینہ پہنچتے ہی اُنہیں دس دن کے اندر حدود مدینہ سے نکل جانے کا پروانہ بھیج دیا۔ لیکن چونکہ اُنھیں بھی عبد اللہ بن اُبئ کی در پردہ حمایت و پشت پناہی حاصل تھی اس لئے فرمان رسولؐ کو در خود اعتناء نہ سمجھا اور ڈٹے رہنے کا عزم کیا۔ جس پر حضورؐ نے حضرت علیؓ کی قیادت میں اسلامی لشکر اس قبیلے کے محاصرے کی غرض سے روانہ کیا۔ دوران محاصرہ اس قبیلے نے تھوڑی بہت مزاحمت بھی کی مگر جب وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ کوئی ان کی مدد کو نہیں آرہا تو نہ چاہتے ہوئے حضورؐ کے علاقہ بدری کی شرط پر گھٹنے ٹیک گئے۔ اور اسی طرح مدینہ ایک اور یہودی قبیلے کے بوجھ سے آزاد ہو گیا۔

ایک گستاخ یہودی شاعر کی گستاخیاں:

سرزمین عرب پر اُس وقت شعر وشاعری کا رواج عام تھا۔ مرد وزن سب شاعری سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ اکثر خواتین جنگ کے میدان میں اپنی فوجوں کی صفوں میں گھس کر نوجوانوں کے جذبات کو بھڑکانے اور ان کا خون گرمانے کے لئے اشعار کا سہارا لیتی تھیں۔ اور اشعار ہی کے ذریعے ہر فوجی کو اپنے مخصوص قبیلے کی شان کی بڑائی کی یاد دھانی کراتی تھیں۔

اس وقت کے نامی گرامی شعراء میں سے ایک نام کعب بن اشرف کا تھا۔ جس کے دل میں اسلام سے بغض وعداوت بھری ہوئی تھی۔ وہ اکثر اسلام، پیغمبر اسلامؐ اور مسلمان خواتین کے متعلق گستاخانہ اشعار کہا کرتے تھے۔ اور اسی طرح حضورؐ کی ذات مبارک اور عام مسلمانوں کو اذیت پہنچایا کرتے تھے۔

جب ان کی زبان درازی حد سے بڑھ گئی تو حضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: کہ کوئی ہے جو اس خبیث سے نمٹے۔ یہ بات سن کر چند صحابہ کرامؓ کا ایک خصوصی دستہ تیار ہوا اور اس گُستاخ یہودی شاعر کو قتل کرنے کے لئے ان کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔

صحابہ کرامؓ کا یہ خصوصی دستہ جب ان کے گھر پہنچا۔ ایک صحابیؓ نے آواز دی، رات کافی گزر چکی تھی۔ آواز سن کر کعب بن اشرف تھوڑی دیر بعد گھر کی چوکھٹ پر نمودار ہوئے۔ علیک سلیک ہوئی اور پھر صحابہ رسولؐ اسے گھر سے بھلا پھسلا کر کچھ دور ویرانے میں لے گئے اور وہاں اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔[1]

[1]: یاد رہے، کہ یہ خصوصی دستہ محمد بن مسلمہؓ، عبار بن بشرؓ اور ابونائلہؓ پر مشتمل تھا۔ "الرحیق المختوم"، صفحہ نمبر 398۔

تاریخ ساز عہد شکنیاں:

وعدہ کر کے ایفاء نہ کرنا اور یا اپنی کہی ہوئی بات سے مکر جانا یہود کی نئی باتیں نہیں بلکہ یہ غیر مہذب اور غلیظ عادت اس قوم کے خمیر میں گوندھی ہوئی ہے اور خلق خدا اب تک کئی بار اس قوم کی اس عادت کے عملی مظاہرے دیکھ چکی ہے۔

تاریخ گواہ ہے۔ کہ اسلام کی مدینہ آمد کے چند دن بعد حضورؐ نے اہل مدینہ اور اس کے آس پاس تمام رہنے والوں یعنی مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ایک امن معاہدے کے پابند بنا لئے۔ ان میں وہ یہود بھی شامل تھے جو مدینہ اور اس کے آطراف میں مختلف قبائل کی شکل میں بکھرے پڑے تھے اور جس کا تذکرہ ہم پچھلے صفحات میں بھی کر چکے ہیں۔ یہ اقدام اس لئے ناگزیر سمجھا گیا تھا۔ تاکہ مدینہ امن و سلامتی کا گہوارہ رہے۔ امن و شانتی کی فضاء ہو اور کسی بھی قسم کی شر و فساد کی پرچھائیاں اس سرزمین پر نہ پڑے۔ اس تاریخی نوعیت معاہدے کو میثاق مدینہ کا نام دیا گیا تھا۔

معاہدہ کرتے وقت یہود کے سارے قبائل معاہدے کے اصل مفہوم اور اس کے دفعات سے نا صرف متفق تھے بلکہ اسے من و عن تسلیم بھی کیا تھا اور پیغمبر اسلامؐ کی روبرو اس معاہدے کی مکمل پاسداری کا عہد بھی کر رکھا تھا۔

مگر کچھ ہی دنوں بعد ان کے دلوں میں اسلام دشمنی کی وہ چنگاری پھر سے بھڑک اُٹھی۔ جس نے پلک جھپکتے ہی ان کے تن و شریر میں آگ لگا دی۔ اور ایسی حرکات کرنے لگے جس

سے مذکورہ معاہدے کی دھجیاں اُڑ گئیں۔ جس نے پورے علاقے کو بدامنی اور خون آشام جنگ و جدل کی آگ میں دھکیل دیا اور ساتھ ساتھ ان کے ماتھے پر ایک ناقابل اعتبار قوم ہونے کا وہ سیاہ دھبہ لگا دیا۔ جس نے اُنہیں بے وقعت کر کے رکھ دیا۔ اور بعد کے ادوار میں کسی نے بھی اُنہیں قابل اعتبار نہ سمجھا۔

ایک عیار یہودی شاش بن قیس کی مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی سازش، یہودی قبیلہ بنو قینقاع کے ہاتھوں ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی، اسی قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک شاعر (کعب بن اشرف) کی خلاف شان اسلام شعر گوئی، قبیلہ بنو نضیر کے قتل نبیؐ کی ناکام کوشش اور مسلمانوں کے خلاف بہ غرض یلغار تمام کفریہ طاقتوں کو یکجاء کرنے کیلئے ان کی دوڑ دھوپ در حقیقت وہ تاریخ ساز عہد شکنیاں ہیں۔ جسے تاریخ کے کسی بھی باضمیر طالب علم نے تحسین کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

یہود صحابہ رسولؐ کے عہد میں:

ان کی مخاصمت، عداوت اور دشمنی چونکہ اسلام سے تھی۔ لہٰذا رحلت رسولؐ کے بعد بھی دین اسلام کے خلاف ان کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں زور و شور سے جاری رہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کو گزند اور نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور اُن لوگوں کو بطور خاص نشانے پر رکھا۔ جن کے دم سے شمع اسلام مسلسل ضیاء پاشیوں میں مصروف تھی اور جنہوں نے دنیا کو ان ضیاء پاشیوں سے منور کرانے کا عزم کر رکھا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد جب مملکت کی زمام کار حضرت عمر فاروقؓ کے

ہاتھوں میں آئیں تو آن کی آن میں ملک کی سرحدیں ایران تک پھیل گئیں۔ اور اس وسیع و عریض اسلامی سلطنت میں عدل و انصاف پر مبنی وہ نظام نافذ کیا۔ جس سے بلا امتیاز رعایا کی تقدیریں بدل گئیں۔ ہر کوئی اطمینان و سکون کی زندگی جی رہا تھا۔ غربت آپؓ کی بہترین حکمت عملی اور منصوبہ بندی کی بدولت ختم ہوگئی۔ ہر چہرے پر طمانیت جھلکنے لگی۔ نسلی امتیاز کا مکمل خاتمہ ہوا۔ مظلوم کو گھر کی چوکھٹ پر انصاف ملنے لگا، ظالم کو اپنے کئے کی کڑی سزا بھگتنی پڑی۔ گاؤں گاؤں، شہر شہر اور قریہ قریہ عدل فاروقیؓ کا شہرہ ہونے لگا۔ رعایا خوش تھی اور آپؓ کو لمبی عمر کی دعائیں دے رہی تھی اور ساری دنیا میں آپؓ ایک عظیم فاتح، ایک بہترین منصوبہ ساز اور ایک عادل حکمران کے طور پر ایک لاثانی مثال بن گئے۔

اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمن یہودیوں کو اسلامی مملکت کی پے درپے فتوحات اور سیاسی میدان میں یہ استحکام اور مسلسل کامیابیاں ہضم نہیں ہورہی تھیں۔ لہذا بڑی سرعت کے ساتھ ملت اسلامیہ کی اس متحرک شخصیت اور عظیم راہنماء حضرت عمر فاروقؓ کو راستے سے ہٹانے کا ایک منصوبہ ترتیب دیا۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری "فیروز" نامی ایک یہودی کو سونپ دی گئی اور پھر اسے اس کام کی انجام دہی کے لئے مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔

غیر مسلموں پر اس وقت مدینہ داخلے پر سخت پابندی عائد تھی۔ لیکن چونکہ اسے کئی فنون میں کمال مہارت حاصل تھی۔ لہذا اس خیال سے کہ شاید یہ مسلمانوں کے لئے کوئی اچھا کام کرسکے اسلامی حکومت نے اس پابندی سے اُسے مستثنٰی قرار دیدیا اور انتہائی وسیع النظری اور فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس منحوس کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دیدی۔

احسان فراموش یہ یہودی مدینہ پہنچتے ہی اپنی فتنہ پردازی کے کام میں جُت گئے اور قتل

عمرؓ کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔ جس میں ایک دن اُسے کامیابی ملی اور وہ اس طرح کہ ایک رات یہ ملعون گھٹاٹوپ اندھیرے میں ایک تیز دھار خنجر لیا اُس مسجد میں داخل ہوئے جہاں حضرت عمر فاروقؓ نماز پڑھانے آتے تھے اور اس کے ایک گوشے میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔

اذان فجر کے بعد جیسے ہی مسلمانوں کی مسجد آمد شروع ہوئی اور پھر بغرض نماز جماعت کھڑی ہو گئی اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھے، تو اسلام دشمنی کی آگ میں جلا بُھنا مسلمانوں کا یہ دشمن فوراً امیر المؤمنین پر حملہ اور ہوئے اور خنجر سے پے درپے وار کر کے آپؓ کو شدید زخمی کر دیا۔ جس سے آپؓ جانبر نہ ہو سکے اور درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد بھی ان لوگوں کی پیاس نہیں بجھی، ان کی تشفی نہیں ہوئی۔ بلکہ ایک نئی قوت اور توانائی کے ساتھ مسلمانوں کی وحدت کو تتر بتر کرنے اور اُنہیں باہم گھتم گھتا کرنے کے لئے عبداللہ بن سبا جو کہ عقیدۃً یہودی تھا کی سرکردگی میں باقاعدہ ایک تحریک شروع کی۔ جو سبائی تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔ جس کی شدت نے اُمت مسلمہ کے سینے پر ایک زوردار ضرب لگائی اور اُسے حضرت عثمانؓ جیسے عالی مرتبہ، عظیم، جلیل القدر صحابی اور نیک دل و شریف حکمران سے محروم کر دیا۔

مؤرخین نے تاریخ کی مختلف کتابوں میں شہادت عثمانؓ کی جو حالات و حقائق لکھے ہیں۔ اُسے دیکھ کر ہر مسلمان کا دل رونے لگ جاتا ہے۔ ان پر ایک قدرتی آبدیدگی طاری ہو جاتی ہے اور اُن کے اندر یہود سے نفرت اور انتقام کی آگ خود بخود بھڑک اُٹھتی ہے۔

شہادت عثمانؓ کے بعد وہ اپنی تحریکات اور ریشہ دوانیوں میں مزید تیزی لائے۔ جس کے

باعث حرم کے پاسبان باہم دست بہ گریباں ہوگئے۔ رشتہ اسلام کے بندھن میں بندھے ہوئے مسلمان ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے، اخوت اور رواداری کا جنازہ نکل گیا۔ قافلہ اسلام کے اصل روح رواں حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے ان تحریکات کا براہ راست نشانہ بن کر اپنی جانیں جاں آفریں کی سپرد کر دیں اور اس کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف پر اُستوار اسلامی خلافت بھی ملوکیت کی گود میں جا گری۔

یاد رہے کہ اُمت مسلمہ کی گاڑی اُس وقت جس پٹڑی سے اُتری تھی۔ اس پر کبھی دوبارہ نہ چڑھ سکی، بلکہ ذلت کا سایہ اس وقت سے لے کر آج تک مسلسل اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

عیسائیوں کی اسلام مخاصمت تاریخ کے آئینے میں:

یہودیوں کی نسبت نصاریٰ یعنی عیسائیوں کے گناہوں کا بوجھ اگرچہ ہلکا ہے۔ لیکن اس منطق کو بنیاد بنا کر ہرگز یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کبھی مسلمانوں کے دوست رہے ہیں۔ یا مسلمانوں اور اسلام کے لئے ان کے دل میں کبھی نرم گوشہ موجود تھا۔ بلکہ در حقیقت اگر تاریخ کے اوراق الٹ پلٹ دیئے جائیں تو یہ تلخ حقیقت از خود عیاں ہو جاتی ہے کہ اُنہوں نے بھی اکثر اوقات اسلام اور اہل اسلام سے خوب دشمنی نبھائی ہیں۔

حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے ہر دور میں انتہائی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیشہ اُن سے بہتر سلوک کا برتاؤ کیا۔ اسلامی مملکت میں اقلیت میں ہونے کے باوجود اُنہیں مکمل مذہبی، سیاسی اور معاشی آزادی حاصل تھی۔ ان پر کوئی روک ٹوک اور کوئی قدغن نہیں تھا۔ سرکاری مناصب میں آبادی کے تناسب سے ان کے حق نمائندگی کو تسلیم کیا

گیا تھا۔ مگر ان سب احسانات اور حسن سلوک کے باوجود ان کے دلوں میں اسلام کے لئے کوئی حسن ظن پیدا نہ ہو سکا۔ ہمیشہ مسلمانوں کو اس کا جواب بد سلوکی سے دیا اور بدترین نمک حرامی دکھاتے ہوئے ہمیشہ مسلمانوں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی حتی المقدور کوششیں کیں۔

مؤرخین کے مطابق جب گیارہویں صدی کے اواخر میں اسلامی سلطنت اپنی اندرونی چپقلشوں اور عدم اتفاق کے باعث دن بہ دن تنزلی اور عدم استحکام کے جانب گامزن ہو گئی۔ صوبوں پر مرکز کا کنٹرول برائے نام رہ گیا، ہر صوبہ اپنے الگ مسائل میں اُلجھا ہوا تھا اور انتشار کے باعث بیرونی خطرات سے نمٹنے کے تمام جواہر اُن میں موقوف ہو گئے۔ تو تاک میں بیٹھے ہوئے عیسائیوں نے اس وقت کو اپنے لئے نہایت ہی موزوں وقت سمجھا اور روئے زمیں سے وجود مسلم کو مٹانے کے درپے ہو گئے۔

عیسائی پادری یورپ کے عیسائیوں کو مسلمانوں کی اندرونی کمزوریوں سے آگاہ کرنے کے لئے یورپ کے کونے کونے میں پہنچ گئے۔ وہاں ان پادریوں نے عام عیسائیوں اور عیسائی حکومتوں کو مسلمانوں پر حملوں کی ترغیب دینے کے لئے مسلمانوں کے عیسائیوں پر ہونے والے مظالم کی من گھڑت اور فرضی داستانیں سنائیں اور بڑی پُرجوش تقریریں کیں۔ جس کا ان پر خاطر خواہ اثر ہوا اور ساری یورپی دنیا میں عیسائی مسلم علاقوں پر بغرض یلغار لام بند ہو گئے۔

1097ء تک جب یورپی دنیا میں اسلام کے خلاف فضاء ہموار ہو گئی، عیسائی پادری اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو گئے اور جب عام عیسائی کا دل ان زہریلا پروپیگنڈوں کی وجہ سے

اسلام کے خلاف غصے سے لبریز ہو گیا، تو جا بہ جا مسلمان علاقوں پر حملے شروع کئے اور یہ سلسلہ تقریباً دو سو سال تک جاری رہا۔

ایک دفعہ 1099ء کو عیسائی فوجوں نے فلسطین کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے کے لئے بیت المقدس پر حملہ کیا۔ وہاں اُنہوں نے وہ حیوانیت دکھائی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ستر ہزار کے قریب مسلمان موت کی وادی میں اُتر گئے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنی تاریخی دستاویز "تاریخ دعوت و عزیمت" میں صفحہ نمبر 253 پر ایک عیسائی مؤرخ کے حوالے سے عیسائیوں کی اس بربریت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتل عام مچایا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمرؓ سوار ہو کر گئے۔ گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیواروں سے دے مارا گیا۔ یا ان کو چکر دے کر فصیل سے پھینک دیا گیا۔ یہودی کل کے کل اپنے معبد میں زندہ جلا دیئے گئے"۔[1]

> "دوسرے دن اس سے بھی بڑے پیمانے پر ان لرزہ خیز مظالم کا جان بوجھ کر اعادہ کیا گیا۔ ٹینکرڈ نے تین سو قیدیوں کی جان کی حفاظت کی

[1]: تاریخ دعوت و عزیمت، جلد اول، ، صفحہ نمبر 253۔

ضمانت کی تھی۔ وہ چیختا اور چلاتا رہا اور ان سب کو باہر لا کر قتل کر دیا گیا۔ پھر ایک زبردست قتل عام شروع ہوا۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیئے گئے۔ ان کی لاشوں کے ٹکڑوں اور کٹے ہوئے اعضاء کے ڈھیر لگے تھے۔ بالآخر یہ سفاکانہ قتل عام اختتام کو پہنچا۔ شہر کی خون الود سڑکوں کو عرب قیدیوں سے دُھلوایا گیا"۔[1]

ایک اور مصنف ڈاکٹر حمید الدین اپنی تصنیف "تاریخ اسلام" میں بیت المقدس پر سفاک عیسائی فوج کی یلغار اور مظاہرہ درندگی کے حوالے سے ایک اور عیسائی مؤرخ "قسیس" کی بیان کردہ روداد کو اپنے ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

یعنی بقول قیسیس کہ:

"جس وقت ہمارے آدمی دیواروں اور برجوں پر قابض ہوگئے تو مسلمانوں میں عجیب واقعات نظر آنے لگے۔ یعنی کسی کا تو سر کٹا ہوا تھا اور یہ بہت ہی خفیف مصیبت تھی۔ بعض کے چہرے مجروح تھے اور وہ بہ مجبوری اپنے آپ کو دیواروں سے گرا رہے تھے۔ بیت المقدس کے راستوں اور ہر جگہ پر سروں، ہاتھوں اور پاؤں کے انبار لگے ہوئے تھے اور لاشوں پر سے چلنا پڑتا تھا۔ مگر یہ بہت ہی کم ہے۔ بمقابل اس کے جو

[1]: ایضاً۔

وقوع میں آیا"۔[1]

بقول مصنف یہی قسیس آگے چل کر بتاتے ہیں:

"حضرت سلیمانؑ کی قدیم ہیکل میں اس قدر خون تھا۔ کہ اس میں لاشیں صحن میں تیرتی پھرتی تھیں۔ کسی کا ہاتھ، کسی کا پیر، کسی کا دھڑ سب بے جوڑ اس طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ اُنہیں پہچاننا بہت مشکل تھا۔ وہ سپاہی جنہوں نے یہ قتل عام کیا تھا۔ بمشکل خون اور اس سے پیدا ہونے والی بھاپ کی بدبو برداشت کرسکتے تھے"۔[2]

بیت المقدس پر عیسائی نوے برس تک قابض رہے۔ جسے بعد میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی زیرِ قیادت مسلم افواج نے 1187ء میں دوبارہ مسلمانوں کی عملداری میں لایا اور عیسائی افواج کو شکست فاش دے کر وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

سلطان کی زندگی میں اُنہیں کبھی کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ بلکہ ہر یورش میں اُنہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ذلت آمیز شکست ہمیشہ ان کا مقدر بنی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد یعنی 1216ء کو ایک بار پھر ان کو مسلمانوں پر یلغار کی جرأت ہوئی۔ اس غرض کے لئے مختلف عیسائی ریاستوں نے ایک اتحاد بنایا جسمیں اسٹریا، ہنگری، جرمنی اور کچھ دیگر عیسائی ریاستیں شامل تھیں۔ اس اتحاد نے دو لاکھ پچاس

---

[1]: تاریخ اسلام، ،صفحہ نمبر440-441۔

[2]: تاریخ اسلام، ،صفحہ نمبر440-441۔

ہزار سپاہ پر مشتمل ایک لشکر جرار تشکیل دیا اور مصر پر چڑھ دوڑے۔ اس مہم جوئی میں اگرچہ کوئی کامیابی اُنہیں ہاتھ تو نہ آئی بلکہ مسلمانوں کے ہاتھوں شرمناک ہزیمت سے دوچار ہوئے۔ مگر پھر بھی ان کی شکست خوردہ افواج کے ہاتھوں ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ اور معصوم مسلمان تہہ تیغ ہوئے۔

عیسائی افواج ان یورشوں اور اہل اسلام کے ساتھ ان ٹکراؤں میں صلیب کا نشان بطور اظہار تعصب استعمال کرتی تھیں۔ اس لئے عیسائی مسلمان جنگ کے یہ سلسلے تاریخ میں صلیبی جنگیں کہلائیں۔

اس کے علاوہ سپین میں مسلمانوں کے ساتھ جو ہوا اور سقوط غرناطہ کے بعد متعصب عیسائیوں نے بے یار و مددگار مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے وہ ایک الگ داستان ہے۔ ممتاز محقق اور مصنف ڈاکٹر حقی حق اس کا نوحہ یوں لکھتے ہیں:

> "دو جنوری 1492ء کی سہ پہر اندلس کے مسلمانوں پر بہت بھاری تھی۔ یہ سقوط کی پہلی شام تھی۔ کلمہ گوؤں پر ابتلا کی طویل رات کا آغاز ہو چکا تھا۔ غرناطہ کی کشادہ مسجدیں ملکہ ازابیلا اور فرڈیننڈ کے عیسائی لشکریوں اور گھوڑوں کے پیشاب سے متعفن ہو رہی تھیں۔ مسجدوں کے صحن ان فوجی ساز و سامان اور ہتھیاروں سے لدے ہوئے خچروں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس شام غرناطہ میں آذان کی بجائے ہر طرف مسلمانوں کی آہ و بکا سنائی دیتی تھی یا شراب سے مدہوش، جشن فتح مناتے ہوئے عیسائی لشکریوں کے ہنکارے۔ غرناطہ میں جگہ بہ جگہ

آگ لگی تھی، جس میں قرآن، نادر کتابیں اور نایاب قلمی نسخوں کی صورت میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ علمی میراث کو نذر آتش کیا جارہا تھا۔ عبدالرحمن الداخل کے قائم کردہ مرکزی کتب خانے کی تین لاکھ سے زیادہ جلدوں کے جلنے سے غرناطہ میں ایسا کثیف دھواں چھا گیا کہ جس کی سیاہی مسلمانوں کی سیاہ بختی سے ہرگز کم نہ تھی"۔[1]

ایک اور مصنف لکھتے ہیں:

"897ھ / 1492ء میں غرناطہ پر فرڈیننڈ اور ملکہ ازابیلا کے قبضہ کرنے کے چند سال بعد ہی عیسائیوں نے مذہبی تعصب کی بنیاد پر سپین سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کا عمل شروع کیا اور اخراج کا یہ کام بتدریج 1022ھ / 1613ء تک پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس عرصے کے دوران تقریباً تیس (30) لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو سپین چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ اور لاکھوں کو قتل، غرق آب اور آگ میں جلادیا گیا۔ جسمانی اور ذہنی اذیت ولوٹ مار اس کے علاوہ تھے۔ نتیجے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اپنی منزلوں تک بھی نہ پہنچ سکی اور ہزاروں دوران سفر ہی مر کھپ گئے۔ خصوصاً ان مسلمانوں کو زیادہ جانی نقصان اُٹھانا پڑا جنھوں نے پہاڑی دروں اور سمندری راستوں سے فرانس، شمالی افریقہ

---

[1]: ہوئے تم دوست جس کے، صفحہ نمبر 24۔

اور بحر روم کے جزائر کی طرف مہاجرت کی۔ عیسائیوں نے بحری سفر کے لئے مسلمانوں کو کشتیاں تو فراہم کیں، لیکن ساحل تک پہنچنے سے قبل ہی ان کشتیوں کو سمندر میں غرق کر دیا"۔[1]

اب ماضی قریب اور حال کی باتیں:

یہ تھیں ان دو اقوام کی ماضی بعید کی کارستانیاں۔ اب آتے ہیں ماضی قریب اور حال کی جانب یعنی بیسوی صدی کے دوران اور اکیسوں صدی کے ابتدائی ایام میں یہودیوں اور عیسائیوں کے اہل اسلام کے ساتھ تعلقات کی نوعیت، خصوصاً اسلام کے ساتھ ان کی دلی کدورت، کبھی در پردہ اور کبھی کھلا عام ان کی خلاف اسلام سرگرمیوں اور شر انگیزیوں کا سیر حاصل تذکرہ کریں گے اور اس کے علاوہ یہ بھی بتاتے چلیں گے کہ جس کسی کے دل میں نسلی تفاخر اور توسیع پسندی و بالادستی جیسے امراض خبیثہ جگہ بنالیں۔ ان سے انسانیت کی فلاح اور بھلائی کی توقع رکھنا، بعید العقلی، فضول خیالی اور خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ بلکہ یہ امراض اُن کو ایک خون خوار کتا بنادیتے ہیں۔ جو ہر آنے جانے والے پر بھونکتا ہے اور کبھی اپنے لئے خطرہ سمجھ کر کاٹنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔

روز اول ہی سے یہ امراض ان دونوں اقوام کو یرغمال بنائے ہوئے ہیں اور اُن میں برداشت کے تمام مادے سلب کر چکے ہیں۔ اب تک دنیا میں کسی بھی مد مقابل قوت کو اُنہوں نے برداشت نہیں کیا۔ تاریخ میں جس کسی بھی قوت نے ان کے مقابلے میں سر اُٹھانے کی

[1]: تاریخ اسلام (مسلم سپین کی تاریخ)، صفحہ نمبر 252-253۔

کوشش کی، اُس کا سر کچلنے کے لئے اُنہوں نے ہر قسم کا حربہ اختیار کیا اور دنیا پر بلا شرکت غیرے اپنی بالادستی برقرار رکھنے کے لئے اپنے تمام وسائل جھونکے۔

اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ تو ان کا رویہ ابتدا ہی سے محاصمانہ چلا آرہا ہے۔ اور اب تک ان کے اس رویئے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یعنی پہلے بھی اُنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی مقدور بھر کوششیں کیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ پہلے بھی کبھی درپردہ اور کبھی کھلا عام خلاف اسلام سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے اور آج بھی زور و شور سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

آج دنیا کے گوشے گوشے میں مسلمان جو مسلسل تختہ مشق بنا ہوا ہے یا ظلم کے جو پہاڑ ان پر ڈھائے جا رہے ہیں اور خوب پیٹ رہا ہے۔ ان سب کاروائیوں میں ان دونوں اسلام دشمن قوموں کا بالواسطہ یا بلاواسطہ ہاتھ ملوث ہے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ ماضی بعید میں یہ دونوں قومیں تنہا تنہا اہل اسلام کے ساتھ نبرد ازما تھیں اور آج ایک اتحاد یعنی اکٹھ کی صورت میں مسلمان کو بدترین ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہی ہیں۔

عالم اسلام پر اُن کی پہلی ضرب:

14 مئی 1948ء کو مغرب نے عالم اسلام پر پہلی ضرب فسلطینی سرزمین پر ایک یہودی ریاست قائم کر کے لگائی۔ جس نے آج ایک ناسور کی شکل اختیار کی ہوئی ہے اور جس سے پورا

kutubistan.blogspot.com

خطہ شدید عدم استحکام کا شکار بنا ہوا ہے۔

دنیا میں تتر بتر یہودیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کر کے فلسطین میں لا بسانے، وہاں کے مقامی عرب مسلمانوں کو حق خود ارادیت و حق ملکیت سے محروم کرنے اور کٹر اسلام دشمن یہودی ریاست کی بنیاد رکھنے میں مغرب نے جو سرعت اور پھرتی دکھائی تھی اور پھر عربوں کے اس درد سر کو برقرار رکھنے کے لئے جس انداز میں اُسے استحکام دیا اس سے دنیا کا بچہ بچہ خوب واقف ہے۔

3 جولائی 1936ء کو ڈیلی ٹیلگراف اپنی اشاعت میں لکھتے ہیں:

"فلسطین میں یہود اکثریت کی تخلیق یہودیوں اور انگریزوں کے درمیان ایک سچے اتحاد کا مظہر ہے"۔[1]

ایک احسان مند یہودی مبصر نے 10 نومبر 1938ء کو اس احسان کے جواب میں کہا:

"ہم تہہ دل سے انگریزوں کے ساتھ تعاون کرتے رہیں گے"۔[2]

یہودی ریاست (اسرائیل) کے قیام کی کوششوں کے دوران اس وقت کے امریکی صدر ولسن نے ایک بیان میں کہا:

"ہماری گورنمنٹ کی غیر مشروط حمایت کے ساتھ اتحادیوں نے فلسطین میں ایک یہودی ریاست کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا ہے"۔[3]

---

[1]: فتنہ یہود، صفحہ نمبر 74-75۔

[2]: ایضاً۔

[3]: ایضاً۔

اسرائیل کے قیام کا جیسا ہی اعلان ہوا تو امریکہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اُسے فوراً تسلیم کر لیا۔ شکاگو ٹریبون نے اپنی 18 مئی 1948ء کی اشاعت میں امریکہ کی اس عجلت کے بارے میں لکھا:

"ڈپلومیٹک عجلت میں ٹرومین نے ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔ اسرائیلی حکومت تسلیم کرنے میں ٹرومین نے آدھا گھنٹہ کا بھی انتظار نہیں کیا۔ حکومت کو تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن کوئی بھی نہیں جانتا کہ حکومت کیا ہے اور اس کے حدود کون سی ہیں۔ ٹرومین نے یہ کچھ جاننے کا انتظار نہیں کیا۔ اس کی نظر یہودی ووٹوں پر تھی۔ یہی اس کی عجلت کی علامت ہے"۔ [1]

اسرائیل کے قیام کے بعد مغرب کی ساری توجہ اس نوزائیدہ یہودی ریاست کے استحکام پر رہی تاکہ اسے مستقلاً عربوں کی غیض و غضب سے بچایا جاسکے۔ کیونکہ اس کا برقرار رہنا ہی ان کے مفاد میں تھا۔ لہذا اسے مضبوط اور مستحکم رکھنے کے لئے مغرب نے حاتم طائی کو بھی شرمندہ کرتے ہوئے اسے ہمیشہ مادی اور حربی لحاظ سے مالامال رکھا اور اس اسلام دشمن غاصب ملک کی ہر قسم مدد کی۔

قیام کے وقت سے لے کر مختلف اوقات میں اسرائیل کو جو مغربی امداد ملی اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

[1]: فتنہ یہود، صفحہ نمبر 83۔

❖ مئی 1948ء سے لے کر 1957ء تک امریکہ نے اسرائیل کو 1.1 بلین ڈالرز بطور امداد دی۔

❖ 1952ء میں اس مدد و تعاون کے بل بوتے پر (UZI) سب مشین گن تیار ہوئی۔

❖ 1953ء میں طیارہ ساز کمپنی بیدک وجود میں آئی۔ جو بعد میں اسرائیل ائیر کرافٹ انڈسٹری کے نام سے مشہور ہوئی۔

❖ 1960ء میں فرانس کے تعاون سے فوگا (Fovga) اور میجسٹر (Megister) تربیتی طیارے بنائے۔

❖ 1980ء کے عشرے میں اسرائیل نے (Python II) میزائل، بلیزر، راکٹ اور مرکاوا ٹینک بنائے۔

❖ 1980ء ہی میں امریکہ نے اسرائیلی فضائیہ کے لئے F16 طیارے فراہم کئے۔

❖ جولائی 1988ء میں امریکہ کے محکمہ دفاع پینٹاگون کے تعاون سے (Arrow) میزائل کا منصوبہ شروع کیا۔ جو تین مرحلوں میں مکمل ہو گا۔ اس کا پہلا مرحلہ مکمل ہو چکا ہے۔

❖ اپریل 1992ء میں امریکہ نے دوسرے مرحلے کی تکمیل کے لئے 320 ملین ڈالرز کی منظوری دی۔ ایرو میزائیل بہت زیادہ اونچائی پر انٹی بلاسٹک میزائیلوں کو نشانہ بنا سکتا ہے اور پیٹریاٹ سے زیادہ مؤثر ہے۔ اس کا نشانہ

99.9 فیصدہ صحیح ہے۔ اس کے علاوہ اسرائیل جریکو (Jerico) میزائیل بھی بنارہاہے۔

- ❖ اگست 1992ء میں اسرائیلی وزیراعظم سے ملاقات کے بعد امریکہ کے سابق صدر جارج بش نے اسرائیل کے لئے دس ارب ڈالرز کے غیر مشروط قرضے کی منظوری دیدی۔[1]

توسیع پسندانہ سوچ رکھنے والے اسرائیل نے مغرب کی مسلسل کرم نوازیوں اور باقی دنیا کی چشم پوشی سے بھرپور استفادہ کیا اور اتنے دلیر ہوگئے کہ روایتی ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ تباہ کن ایٹمی ہتھیار بنانے پر بھی توجہ مرکوز کردی اور بڑے بڑے منصوبے بنائے۔

باوثوق ذرائع کے مطابق ان کا یوڈیفٹ نامی کارخانہ وسیع پیمانے پر ایٹمی اسلحے کی تیاری میں لگا ہوا ہے۔ اندازۃً اس وقت ان کے پاس دو سو کے قریب ایٹمی وارہیڈز موجود ہیں جو پوری دنیا کو کئی دفعہ فنا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ان تباہ کن ہتھیاروں کو منزل پر پہنچانے کے لئے اسرائیل نے زمین سے زمین پر مار کرنے والے دورمار بلاسٹک میزائیل بھی بنائے۔ یہ بھی کافی تعداد میں ہیں اور اُسے اریحا II کا نام دیا گیا ہے۔

مغرب کا یہ ناجائز بچہ اور چند لاکھ کی آبادی رکھنے والا اسرائیل بالعموم پوری دنیا اور بالخصوص عالم عرب کے لئے آج ایک مستقل خطرہ بنا ہوا ہے۔ کہ کسی بھی عرب ملک کو اس

---

[1]: مسلم دنیا، 97-1996ء، صفحہ نمبر 256۔

سے پنجہ آزمائی کرنے سے قبل ہزار بار سوچنا پڑتا ہے۔ شام، لبنان، اُردن اور مصر ماضی میں ان کی دہشت گردی کا براہ راست نشانہ بنے ہیں اور اپنی توسیع پسندانہ خواہش کی تکمیل کے لئے ان ممالک کے وسیع و عریض رقبے پر اب تک بلاجواز قابض ہے۔

رقبے اور آبادی کے لحاظ سے اسرائیل خطے کا ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ مگر فوجی اعتبار سے آج دنیا کا چوتھا بڑا ملک شمار کیا جاتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی اسلامی ملک عسکری میدان میں اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

محترم عبدالرحمن عمر "ضرب طیبہ" میں لکھتے ہیں:

> "جغرافیائی حوالے سے یہ ملک چاروں طرف مسلم ممالک میں گھرا ہوا ہے۔ عسکری حوالے سے اسرائیل مکمل طور پر ایک فوجی ریاست ہے۔ اس کی کل آبادی پینتالیس لاکھ چونتیس ہزار 4534000 نفوس پر مشتمل ہے۔ جس میں سینتیس لاکھ چونتیس ہزار 3734000 یہودی ہیں۔ اسرائیلی فوج سہال 172000 فوجیوں پر مشتمل ہے اور سہال کے ریزرو سپاہیوں کی تعداد 430000 ہے۔ اسرائیل میں فوجی تربیت ہر شخص کے لئے لازمی ہے۔ 18 سال کی عمر کے تمام نوجوان مردوں پر 30 ماہ اور عورتوں پر 24 ماہ کی فوجی سروس لازمی ہے۔ اس لازمی فوجی سروس کے بعد یہ افراد 55 سال کی عمر تک ہر سال اوسطاً ایک سے لے کر دو ماہ کی فوجی سروس انجام دیتے۔ سہال کا بری بازو 134000 سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ فضائی بازو 32000 افراد پر مشتمل

ہے۔ جبکہ بحری بازو میں سات ہزار افراد شامل ہیں۔ اسرائیل اپنی قومی پیداوار کا 10 فیصد حصہ اپنی افواج پر خرچ کرتا ہے۔یوں عسکری اعتبار سے اسرائیل دنیا کی چوتھی بڑی فوجی قوت ہے۔ جس کے پاس بہترین میزائیل اور ایٹمی قوت بھی موجود ہے"۔[1]

دوران سرد جنگ اور اس کے بعد:

جنگ عظیم دوم کی ہولناکیاں اور آگ وخون کا دریا عبور کرنے کے بعد جب دنیا عملاً دو بلاکوں میں بٹ گئی۔ ایک بلاک اشتراکیت کا داعی بنا اور اسی کو تمام بیماریوں کے لئے تریاق سمجھتا تھا۔ جبکہ دوسرے بلاک نے سرمایہ دارانہ نظام کو اپنا اُڑھنا، بچھونا بنایا اور اُسی کو تقویت دینے اور دنیا پر مسلط کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔یعنی گویا کہ ان دونوں نظریات کے درمیان سرد جنگ(Cold War)کا آغاز ہوا۔

اس جنگ میں دنیا کے بعض ممالک نے سرمایہ دارانہ نظام کا اثر قبول کیا اور کیپٹل ازم کے حامیوں کے ساتھ ہو لئے۔ جبکہ بعض نے اپنا وزن اشتراکیت کے علم برداروں کے پلڑے میں ڈال دیا اور اسی کی ترویج و پھیلاؤ کے لئے ہراول دستہ بن گئے۔

اسی طرح اس جنگ میں عالم اسلام کی اکثریت نے اپنی نادانیوں کی وجہ سے پوری طرح مغرب کا ساتھ دیا۔ اسرائیل کی صورت میں مغرب کا لگایا گیا گھاؤ بھول گئے تھے، دنیا میں ایک

---

[1]: ضرب طیبہ، مئی-جون 2002ء۔

الگ حیثیت اور اسلامی تشخص اُجاگر کرنے کے لئے ساز گار ماحول اور مواقع کی قدر نہ کی۔ بلکہ اپنی تمام تر خدمات اور وسائل سوشلسٹ بلاک کے مکمل خاتمے کے لئے اہل مغرب کی سپرد کر کے مغرب کا آلہ کار بنی رہی۔

دونوں بلاکوں کے درمیان یہ زبردست کھینچا تانی کئی عشروں تک جاری رہی، جس میں سوشلزم کے علم برداروں کو بالآخر اپنے خود ساختہ اور ناقص نظام کی اندرونی خامیوں کی بدولت شرمناک شکست ہوئی۔ اس نظام کا خمیر جہاں سے اُٹھا تھا وہاں دفن ہوا۔ ان کے بانیوں کے نصب مجسمے مختلف مقامات پر کھلا عام سڑکوں پر گھسیٹے گئے اور سویت روس کی بذریعہ جبر قائم وحدت کا شیرازہ بکھر گیا۔

یعنی یہ کہ یہ دو باطل اور غیر خدائی نظاموں کے درمیان معرکہ آرائی تھی۔ جس میں ایک کو ذلت امیز شکست سے دوچار ہونا پڑا، جبکہ دوسرے کو وقتی طور پر جیت ہوئی۔ لیکن یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی اس جیت میں عالم اسلام نے بھی مغرب کا شانہ بشانہ لڑکر ایک خاص کردار ادا کیا۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ اہل مغرب کی یہ جیت عالم اسلام کی بے پناہ تائید وحمایت سے ہی ممکن ہوئی تو بے جانہ ہو گا۔

ایک مغربی دانشور "برنارڈ لیوس" کہتے ہیں:

"سویت یونین کیسے ٹوٹا؟ اور آھنی پردے کے پیچھے سے ایک بے ضرر روس کیسے بر آمد ہوا؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا ختمی جواب مؤرخ اور سیاسی تجزیہ نگار ابھی تک تلاش کر رہے ہیں۔ لیکن ایک بات طے ہے۔ کہ سرد جنگ کے دوران اگر مسلمان ملکوں نے کھل کر اور اپنی سلامتی

داؤ پر لگا کر امریکہ کی حمایت نہ کی ہوتی تو شاید آج حالات مختلف ہوتے"۔[1]

جنگ میں اشتراکیوں سے نبرد آزمائی کے دوران مدد اور تعاون کے بل بوتے پر عالم اسلام کو شاید یہ خوش فہمی لاحق تھی کہ بعد از جنگ مغرب کے ساتھ والہانہ دوستی کا آغاز ہو گا، باہمی روایتی تعصب اور دشمنی کا خاتمہ ہو گا اور مسلمان دنیا بھر میں آزادانہ و باعزت زندگی گزارنے کا حق دار ٹھہر جائیگا۔ مگر ہائے افسوس کہ مسلمانوں کے اس خواب کی تعبیر ایسی نہ نکلی اور وقت نے بھی یہ ثابت کیا کہ یہ محض خوش فہمی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

کیونکہ مغرب کا دل اس وقت بھی مسلمانوں اور اسلام کی نفرت سے لبریز تھا۔ مگر چونکہ اس وقت وہ حربی لحاظ سے بہرہ ور بلاک سے نبرد آزما تھے اور اس مشکل ترین چوٹی کو سر کرنے کے لئے انہیں مسلمانوں کی تائید و حمایت مطلوب تھی۔ اس لئے اپنے لئے ایک اور محاذ کھولنے سے گریز کیا اور مسلمانوں کے بارے میں وقتی طور پر خاموشی اختیار کی۔

مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش بننا اور اس ساری کاروائی میں امریکہ کا درپردہ کردار اُن کی اُس نفرت کا بین ثبوت ہے۔

امریکی سی۔ آئی۔ اے کا سابق سربراہ مسٹر کے سی اپنی یادداشتوں میں امریکی و مغربی منافقت، دوغلہ پن اور اسلام دشمنی کا پردہ چاک کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہم نے 1964ء میں مضبوط ترین اسلامی قوت پاکستان کے بارے میں

[1]: بحوالہ ماہنامہ حکایت، اکتوبر 2003ء۔

دو ایسے منصوبے بنائے تا کہ پاکستان کو کمزور ترین کیا جاسکے۔ ہم نے پہلے منصوبے کے طور پر مشرقی پاکستان میں پاکستان کو کمزور کیا۔ ہم چاہتے تھے کہ پاکستانی فوجیں وہاں سرنڈر کر دے۔ ہم وہاں کے عوام میں جتنا زہر گھول سکتے تھے ہم نے گھول دیئے۔ اس دوران اس وقت پاکستان کے فوجی حکمران سے ہم جتنی غلطیاں کرواسکتے تھے ہم نے کروائیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری توقع سے کہیں پیشتر پاکستانی فوج نے سرنڈر کر دیا۔ ہم حیران تھے کہ جنرل نیازی نے اتنی جلدی کیوں جنرل اروڑہ کے سامنے سر جھکادیا۔ ہماری منصوبہ بندی کے تحت پاکستان کا ایک بازو اس سے الگ ہو گیا۔ اس دوران امریکہ پاکستان کا دوست بنا رہا اور ہم نے دوستی کے روپ میں خوب دشمنی نبھائی"۔[1]

چہروں پر سجی یہ ظاہری مسکراہٹیں اور در پردہ خلاف اسلام یہ شرارتیں ان کی اُس وقت تک رہیں، جب تک دنیا دو بلاکوں میں منقسم تھی اور سرد جنگ جوبن پر تھی۔ کیونکہ اُس وقت اُنہیں مسلمانوں کی حمایت کی سخت ضرورت تھی۔ مگر جیسے جیسے جنگ کی کالی گھٹائیں چھٹنے لگیں، سوشلزم کیپٹلزم کے آگے گھٹنے ٹیکنے لگے اور اشتراکیت کی تابوت پر آخری کیل ٹھونکنے والا دن قریب نظر آنے لگا، تو مغرب کی آنکھیں بدل گئیں۔ چہرے پر مسکراہٹ کی جگہ غصہ چھا گیا اور دل کا میل کچیل باہر اکر پورے عالم اسلام میں کھلے بندوں ظلم کا ایک

---

[1]: روزنامہ اوصاف، 4 جولائی 2001ء، مظہر برلاس کے کالم سے ماخوذ ہے۔

طوفان برپا کر گیا۔

اسلام اور اہل اسلام کے متعلق ان کے رویئے میں ایک حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوئی، اپنے سازشی توپوں کے دہانے عالم اسلام کی طرف موڑ دیئے۔ اسلام اور اس کے پیروؤں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ کرہ ارض کے تمام امن پسند حلقوں کے سامنے اسلام کو دہشت پسند مذہب کے طور پر پیش کیا، مسلمانوں کو دہشت گرد Terrorist اور امن عامہ کو تہہ و بالا کرنے والا گردانا گیا۔ تاکہ عوام الناس ان سے اور ان کے مذہب (اسلام) سے نفرت کرنے لگے اور اسی طرح دنیا میں مسلمان ایک الگ تھلگ قوم بن کر رہ جائے۔

مغرب کے کرتے دھرتے لوگ کھل کر تعصب بھرے خیالات کا اظہار کرنے لگے تھے۔ مثلاً سابق امریکی صدر نکسن نے سرد جنگ کے آخری دنوں یعنی 1985ء میں ایک امریکی رسالے "فارن افیئر" میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں کہا تھا کہ:

> "روس و امریکہ کو اپنے تمام تر اختلافات کو بھلا کر اسلامی بنیاد پرستی کا مقابلہ کرنے کے لئے باہمی تعاون کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ یہ دونوں کے لیے زیادہ خطرناک چیز ہے"۔[1]

ایک اور سابق امریکی صدر رونالڈ ریگن اپنی خود نوشت "Ronald Reagon: An American Life the Moment" میں لکھتے ہیں کہ:

---

[1]: بحوالہ ماہنامہ آئین، جون 1994۔

"دراصل اسلامی بنیاد پرستی ہی لبرل اور سیکولر حکومتوں کے دشمن ہے۔ وہ اسلامی نظام کے علمبر دار ہیں اور اپنے پیروکاروں کو یہ سکھاتے ہیں کہ اگر وہ مخالف قوتوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے تو سیدھے باغ عدن میں جائیں گے۔ اگر اسلامی بنیاد پرستی کو عروج نصیب ہو گیا، تو دنیا صدیوں پرانی رجعت پسندی سے دوچار ہو جائیگی اور اگر خصوصاً ایٹمی اور کیمیائی اسلحہ ان مشتعل مزاج عناصر کے ہاتھ لگ گیا اور اُنہوں نے اسے اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنا سیکھ لیا تو دنیا تباہ ہو جائیگی"۔[1]

نیٹو کے ایک سابق سیکرٹری جنرل "ولی کلائیز" نے کہا:

"اسلامی بنیاد پرستی کم از کم اتنی ہی خطرناک ہے جتنا کمیونزم۔ مہربانی فرما کر اس خطرے کی اہمیت کو کم نہ کیجئے"۔[2]

جرمنی کے چانسلر ہلمٹ کوہل اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

"بنیاد پرستی کا خطرہ ان بڑے خطرات میں سے ہے جس کا آج ہمیں سامنا ہے"۔[3]

فرانس کے وزیر دفاع فرانکوئیس لیوٹارڈ نے متنبہ کرتے ہوئے کہا:

---

[1]: بحوالہ آئین، جون 1994۔

[2]: بحوالہ ہفتہ روزہ ایشیاء، 22 – 16 اگست 2001ء۔

[3]: ایضاً۔

"اسلامی بنیاد پرستی آج اتنی ہی خطرناک ہے۔ جتنا کبھی کمیونزم تھا"۔[1]

مغربی ذرائع ابلاغ بھی اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے اور دنیا کے دیگر مذاہب کے معتقدین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کا لاوا بھرنے کے لئے روز بروز کوئی نہ کوئی من گھڑت کہانی گڑھ رہے تھے۔ یعنی بقول مسلم سجاد کہ:

"جرمنی ٹی وی پر انہی دنوں ایک سیریز اسلام کی تلوار کے نام سے چلی اور اس کے علاوہ روس کے سابقہ مسلم ریاستوں پر ایک دستاویزی فلم بھی پیش کی گئی۔ یہ پروگرام ایک نام ونہاد ماہر اسلام Peter Schal Latour نے تیار کیا۔ اس میں بار بار یہ بات پیش کی گئی کہ اسلام امن عالم کے لئے خطرہ ہے۔ اس کے جنونی پیروکار آزادی، عدل اور مساوات کے دشمن ہے اور مغرب کو پانی سر سے اونچا ہو جانے سے پہلے اسلامی طاقتوں پر حملہ کر دینا چاہیئے"۔[2]

پرنٹ میڈیا میں "سنڈے ٹائم" نے اپنی 10 جون 1990ء کی اشاعت میں دنیا کو اسلام کے خطرے سے ڈراتے ہوئے لکھا:

"تقریباً وارسا پیکٹ کا خطرہ کم ہو گا لیکن اس دہائی اور اس کے بعد ہر گزرتے سال کے ساتھ بنیاد پرست اسلام کا خطرہ بڑھتا جائے گا۔ یہ

---

[1]: ایضاً۔

[2]: ترجمان القرآن، مارچ 1995ء۔

خطرہ مقدار اور قسم میں سرد جنگ کے خطرے سے مختلف ہو گا۔ لیکن مغرب کو اس کے تار و پود کو جاننا ہو گا۔ جس طرح اس سے قبل اس نے سویت کمیونزم کے اجزائے ترکیبی کو جانا تھا"۔ [1]

ویسے مغرب کا یہ وطیرہ رہا ہے۔ کہ وہ چیلنج کرنے والی قوتوں کو کبھی بھی اصلی نام سے یاد نہیں کرتے۔ بلکہ وقتی طور پر جو بھی لفظ دنیا میں بطور گالی مشہور ہوتا ہے اسے ہتھیار کی شکل دیتا ہے اور پھر اس خاموش ہتھیار سے حملہ اور ہو کر اُنہیں بدنام کرتا ہے۔

آج یہی کچھ مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ بھی ہو رہا ہے۔ صرف سرد جنگ کے دوران ایک خاص مصلحت کے تحت خاموش رہے۔ لیکن سرد جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی چُپ کا روزہ توڑ دیا اور دنیا بھر میں مسلمانوں کی کردار کشی، اُنہیں ذلیل کرنے اور دنیا کی نظروں میں گرانے کے لئے ہر اُس لفظ اور اصطلاح کا بھرپور سہارا لیا۔ جو اُن کے اپنے قائم کردہ معیار پر پورا اُترنے کی اہلیت کی حامل رہیں۔ اور لفظ دہشت گردی و بنیاد پرستی کا شمار ان اصطلاحات میں ہوتا ہے۔

معنی خیز محسن کشی:

مغرب کی تاریخی بے وفائی اور محسن کشی دیکھئے۔ کہ جب مغربی حریف سویت یونین کے خاتمے پر مہر ثبت کرنے والی سویت افغان جنگ آخری موڑ پر پہنچ گئی۔ زخم خوردہ سویت یونین افغان مجاہدین کی پے درپے ضربوں سے چور چور ہو رہا تھا۔ اس کا غرور اور طاقت کا نشہ افغان

---

[1]: بحوالہ ہفتہ روزہ ایشیاء، 16 – 22 اگست 2001ء۔

سر فروشوں کے جذبہ ایمانی کے سامنے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ ان کے گرم پانیوں تک پہنچنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ افغانستان ان کیلئے رستا ہوا ناسور بن گیا، اقتصادیات ڈانواں ڈول ہو گئیں اور مجاہدین کے مسلح دستے اُن کی بھاگی ہوئی فوجوں کے تعاقب میں سرحدیں پار کرنے لگے۔ تو آہ و بکاہ کرنے لگا اور ہر جگہ ان کے بچاؤ بچاؤ کی صدائیں گونجنے لگیں۔

یہود اور عیسائیوں کے مفادات کا حقیقی نگراں ادارہ اقوام متحدہ کو جب مسلمان کے ہاتھوں روس حد درجہ ذلالت اور گوناگوں مشکلات میں گھرا ہوا نظر آیا تو فوراً ایک لمحہ ضائع کئے بغیر درمیان میں کھود پڑا۔ ادارے کے اس وقت کے سیکرٹری جنرل نے اس تنازعے کے حل کے لئے ایک خصوصی نمائندہ (جو کہ غالباً ڈیکو کارڈویز تھا) کو نامزد کیا۔ جس نے اصل فریقوں سے بات چیت کا سلسلہ شروع کیا۔ بات چیت کا سلسلہ اگرچہ خاصا لمبا تھا۔ لیکن بالآخر اقوام متحدہ کی کاوشیں رنگ لے آئیں اور تنازعے کے تمام فریق افغانستان، سویت یونین اور سویت قبضے کے خلاف فرنٹ لائن سٹیٹ کا کردار ادا کرنے والا پاکستان اقوام متحدہ کے زیر نگرانی مذاکرات پر آمادہ ہوئے۔

دنیا کی نظریں اُس وقت مذاکرات کی میز پر مرکوز تھیں۔ مذاکرات کے ادوار کبھی امید و بیم کے دیئے جلاتے اور کبھی دنیا کو مایوسیوں اور پریشانیوں کے تاریک غار میں دھکیلتے۔ مگر آخر کار تمام اُمور طے کر لئے گئے، سویت فوجوں کی واپسی کے نظام الاوقات پر اتفاق رائے ہو گیا۔ صرف پاکستان کی طرف سے اُٹھائے گئے ایک نکتے پر اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ جو کہ یہ تھا کہ اس بات کی ضمانت دی جائے کہ افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی کے بعد اقتدار کی خلاء کس طرح پُر ہو گی؟۔ یہ پاکستانی فوج اور اس وقت کے صدر مملکت جنرل ضیاء الحق کا موقف

تھا۔ جس سے مذاکرات تعطل کے شکار ہوتے نظر آرہے تھے۔ کیونکہ خود اقوام متحدہ، مغرب کا سرغنہ امریکہ اور سویت یونین یہ ضمانت دینے پر ہر گز تیار نہ تھے۔ کہ افغانستان کے عوام جہاد کے ثمرات سمیٹ لیں۔ لیکن جنرل ضیاء اور افواج پاکستان اپنے موقف پر بدستور قائم تھے اور اس سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے پر تیار نہ تھے۔

امریکہ نے جب جنرل ضیاء کی ضد اور مکمل نو کی وجہ سے مذاکرات کیلئے سجا ہوا میدان سمٹتا ہوا دیکھا تو آنکھیں دکھانے لگا اور پاکستان پر طرح طرح کا دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ جنرل ضیاء اور افواج پاکستان تو دباؤ میں نہ آئے۔ تاہم اس وقت کے ناپختہ سول حکمران محمد خان جونیجو کو جلد شیشے میں اُتار لیا گیا۔ جس نے اس وقت کے صدر پاکستان اور افواج پاکستان کو ناراض اور ملکی و افغان مفادات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے وزیر خارجہ زین نورانی کو امریکی منشاء کے مطابق بدنام زمانہ جنیوا معاہدے پر دستخط کرنے کے احکامات صادر کئے۔

پھر اس ایک غلطی کا انجام کیا ہوا؟ یہ کہ سویت فوجوں کی واپسی کے فوراً بعد مجاہد تنظیموں میں اقتدار کی رسہ کشی شروع ہوگئی اور افغانستان میں خانہ جنگی کا ایک ایسا خوف ناک آتش فشاں پھٹ پڑا جس کے بہتے ہوئے لاوے سے بہت ساری قیمتی جانیں لقمہ اجل بن گئیں۔ بدامنی نے سارے ملک کو پلک جھپکتے ہی لپیٹ میں لے لیا، ہنستے بستے گھر اجڑ گئے اور سارا افغانستان کھنڈرات کا دیس بن کر رہ گیا۔

اس وقت کا ایک بااختیار فوجی جرنیل محترم مرزا اسلم بیگ میری ان گذارشات کی تصدیق روزنامہ اوصاف میں 24 جولائی 2001ء کو چھپنے والے اپنے ایک کالم میں ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"اُس وقت روسی افغانستان سے واپس جارہے تھے اور جنرل ضیاء پر دباؤ تھا کہ جنیوا معاہدے پر غیر مشروط دستخط کر دیئے جائیں۔ پاکستان کی سول حکومت بھی اسی موقف کی حامی تھی۔ امریکہ اور روس بھی یہی چاہتے تھے۔ کہ افغانستان میں جہادیوں کی حکومت نہ بن سکے۔ مگر جنرل ضیاء اور افواج پاکستان کا موقف یہ تھا کہ اس وقت تک دستخط نہ کئے جائیں جب تک اس بات کی ضمانت نہ دی جائے کہ افغانستان میں انتقال اقتدار کا طریقہ کار کیا ہو گا؟"۔

اسے مغرب کا محسن کشی نہ کہے تو کیا کہے؟ کہ جن لوگوں نے ان کو سرخ فتنے سے نجات دلائی اور ان کے نظام کو تقویت بخشی، پھر وہی لوگ مطلب نکلنے کے بعد ان کے معتوب ٹھہرے اور جنہوں نے ان کے ایک ناقابل شکست دشمن کو قابل شکست بنا کر دکھایا اور اس کے چیتھڑے اُڑادیئے، وہی ان کے مغضوب بنے اور دہشت گرد، بنیاد پرست، جاہل، دقیانوسی، وحشی، درندہ اور ان جیسے دیگر غلیظ القاب پائے۔

ورنہ اس بات پر پوری دنیا گواہ ہے کہ ماضی میں جب بھی اور جہاں کہیں بھی ان دو بلاکوں (سویت بلاک–مغربی بلاک) کا آمنا سامنا ہوا تو مغرب نے ہمیشہ پیٹھ دکھائی اور تاریخی بزدلی کا مظاہرہ کیا۔ ویتنام کی جنگ تو کل کی بات ہے، جہاں سے امریکی فوج نے بھاگ کر ہی جان چھڑائی تھی اور اُلٹے پاؤں بھاگی تھی۔

پاکستان کا اسلامی تشخص اور مغرب:

الحمدللہ مملکت خداداد پاکستان کو بہر حال یہ اعزاز حاصل ہے. کہ دنیائے اسلام کا یہ واحد ملک ہے جو خالصتاً اسلام ہی کے نام پر بنا ہے. اور جس کی اساس اسلام ہی ہے. باقی اسلامی ممالک بے چارے تو نسلی اور لسانی تقسیمیں ہیں. جو استعماری قوتوں نے سلطنت عثمانیہ کے انہدام کے بعد باقاعدہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کی ہیں.

جبکہ پاکستان کے اسباب تخلیق اُن سے مختلف ہیں اور برصغیر کی ہندو اکثریت کے مظالم سے تنگ مختلف نسلوں، زبانوں، ثقافتوں اور الگ بودوباش ورہن سہن کی حامل چھوٹی چھوٹی مسلم قومیتوں کو جس قوت محرکہ نے باہم یکجاء کیا تھا، شیر وشکر بنایا تھا. جس کی بدولت ایک عظیم متحد مسلم قوم وجود میں آگئی اور پھر بحیثیت ایک قوم بہ یک آواز زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے کے لئے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک آزاد و خود مختار اسلامی ریاست کا مطالبہ کیا. اور پھر طویل وجاں گسل جدوجہد کے بعد اُسے عملاً حاصل بھی کر لیا. تو ان سب عوامل کی پیچھے کارفرما وہ قوت محرکہ فقط لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی تھی. کوئی اور چیز نہیں. پاکستان کی اسلامی شناخت کے دشمن اور محمد بن قاسم کی بجائے راجہ داہر کو اپنا ھیرو قرار دینے والے حلقے لاکھ ناک بھوں چڑھائیں. لاکھ اقبالؒ اور قائداعظمؒ پر بُھتان طرازی کریں. اور لاکھ افسانے گڑھیں. تاہم برسرزمین حقیقت یہی ہے. اور حقیقت جھٹلائی نہیں جاسکتی. آخر ہم بانی پاکستان قائداعظمؒ کی ان تقاریر سے کیا مطلب اخذ کریں؟ جو انہوں نے ۱۹۴۰؁ سے لے کر ۱۹۴۷؁ کے دوران کی ہیں. جن میں بقول ایک مصنف کہ ایک تقریر کے

دوران قائد نے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ:

"پاکستان کا مطلب محض آزادی اور استقلال نہیں، اس کا مطلب مسلم نظریہ ہے. جسے ہم نے بچانا ہے. جو ہم تک ایک بیش قیمت ہدیئے کے طور پر منتقل ہوا ہے. اور جس کے متعلق ہمیں اُمید ہے کہ دوسرے بھی ہمارے ساتھ اس سے مستفید ہوں گے"[1]

بقول مصنف ایک اور جگہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کی وضاحت کرتے ہوئے قائد نے فرمایا تھا:

"مجلس دستوریہ. مسلمانوں کے لئے ایسی قانون سازی کر سکے گی. جو شرعی قوانین سے متصادم نہیں ہوں گی. مسلمان اب مزید مجبور نہیں ہوں گے کہ غیر اسلامی قوانین کا اتباع کریں."[2]

بانی پاکستان کی ان فرمودات کے علاوہ خود مسلمان سیکولر قوتوں کا اصل مربی یہودیوں کی کٹر یہودی ریاست اسرائیل بھی پاکستان کا یہ نظریاتی تشخص محسوس کر چکی ہے. اور بہت پہلے ہی اسے اپنا حقیقی جواب قرار دے چکی ہے. ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے فوراً بعد اس وقت کے اسرائیلی وزیر اعظم ڈیوڈ بن گورین (Ben Gurion) نے پیرس (فرانس) کی ساربون یونیورسٹی میں یہودیوں کے ایک اجتماع سے خطاب کے دوران اپنے خُبث باطن کا اظہار کیا تھا. انہوں نے کہا تھا کہ:

1- سیکولرزم: (مباحث اور مغالطے)، صفحہ نمبر ۳۲۶- ۳۲۷.

2- سیکولرزم: (مباحث اور مغالطے)، صفحہ نمبر ۳۲۶- ۳۲۷.

"بین الاقوامی صیہونی تحریک کو کسی طرح بھی پاکستان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیئے. پاکستان در حقیقت ہمارا اصلی اور حقیقی آئیڈیالوجیکل (نظریاتی) جواب ہے. پاکستان کا ذہنی و فکری سرمایہ اور جنگی و عسکری قوت و کیفیت آگے چل کر کسی وقت ہمارے لئے باعث مصیبت بن سکتی ہے. ہمیں اچھی طرح سوچ لینا چاہیئے. بھارت سے دوستی ہمارے لئے نہ صرف ضروری ہے بلکہ مفید بھی ہے. ہمیں اس تاریخی عناد سے لازماً فائدہ اُٹھانا چاہیئے. جو ہندو پاکستان اور اس میں رہنے والے مسلمانوں کے خلاف رکھتا ہے. یہ تاریخی دشمنی ہمارے لئے زبردست سرمایہ ہے. لیکن ہماری حکمت عملی (Strategy) ایسی ہونی چاہیئے. کہ ہم بین الاقوامی دائروں کے ذریعہ ہی بھارت کے ساتھ اپنا ربط و ضبط رکھیں. (یروشلم پوسٹ ۹ اگست ۱۹۶۷ء)"[1]

اسرائیل کی طرح مغرب کے پیٹ میں بھی پاکستان کے اسی اسلامی تشخص سے مروڑ اُٹھ رہا ہے. اور مسلسل اُن کی قبض معدے کا باعث بن کر اُنہیں بے آرام کئے ہوئے ہیں. سرد جنگ کے خاتمے تک تو بحالت مجبوری برداشت کر لیا گیا. کیوں کہ خطے میں اس وقت سویت کمیونزم کا خطرہ موجود تھا. اور اس خطرے کا خاتمہ ایک نظریاتی اساس رکھنے والے ملک ہی کے ذریعے کیا جا سکتا تھا. تاہم سرد جنگ کے خاتمے، اور گرم پانیوں تک بزور بازو پہنچنے کا سویت خواب چکنا چور ہونے کے ساتھ ہی مغرب نے آنکھیں بدل لیں. اور اپنے لے پالک

1- یہودی پروٹوکولز،، صفحہ نمبر ۱۲

اسرائیل اور پاکستان کا ازلی دشمن بھارت کے ساتھ مل کر اس واحد عظیم اسلامی ریاست "پاکستان" کے خلاف سازشوں میں مصروف عمل ہو گئے. اور ان منفی قوتوں کو تقویت دے کر اُن بدخواہ ہاتھوں کو مضبوط کرنے لگے جو روز اول ہی سے اسلام کے نام پر قائم اس وحدت عظیم کا شیرازہ بکھیرنے، اور اسے پارہ پارہ کرنے کے درپے ہیں.

مسئلہ خواہ کشمیر کا ہو، سر کریک وغیرہ کا ہو، یا پانی کا. پاکستان کے بھارت کے ساتھ تمام اہم اور بنیادی تنازعات میں مغرب کا واضح جھکاؤ بھارت کے جانب ہے. اور ان تمام مسلّمہ تنازعات میں بھارت کے میں نہ مانوں کی رٹ اور ہٹ دھرمی کے پیچھے مغربی، اور خاص کر امریکی تھپکی بصیرت رکھنے والی آنکھوں کو صاف دکھائی دیتی ہے.

علاوہ ازیں پاکستان کا ازلی دشمن بھارت اگر پاکستان مخالف عناصر کو فنڈنگ کر رہا ہے اور اُنہیں دھشت گردی کی بھاری تربیت دے کر اُن سے پاکستان کے اندر دہشت گردی کرا رہا ہے تو مغرب کا روحانی آقا برطانیہ بھی پیچھے رہنے والا نہیں. اور ان پاکستان مخالف نام و نہاد لِسانیت کے پرچارک علیٰحدگی پسند قوم پرستوں کو شاہی مہمان بنا کر پناہ دیئے ہوئے ہیں جو پاکستانی قانون کو تشدد، تخریب کاری، اغواکاری، بھتہ خوری، ڈاکہ زنی، قتل اقدام قتل اور ان جیسے دیگر لاتعداد و بے شمار جرائیم میں مطلوب ہیں.

ایک صائیب مشورہ:

محترم بھائیو اور بہنو! یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّمہ ہے. کہ ہمارے پیارے ملک مملکت خدا داد پاکستان کے اسلامی و نظریاتی تشخص کے خلاف سازشیں زوروں پر ہیں. دشمن قوتیں اور خاص کر اسرائیل، بھارت بشمول مغرب (بالخصوص امریکہ) یہ شیطانی تکون اس ملک کو بھی دیگر اسلامی ممالک کی طرح نسلی اور لسانی بنیادوں پر ٹکڑوں میں بانٹ کر اپنی باجگزار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تبدیل کرنا چاہتی ہیں. ہمارے اندر کچھ غدار بھی ان کی جانب دست تعاون دراز کئے ہوئے ہیں. اور آقاؤں کی خوشنودی کے لئے ان کے اشارہ ابرو پر اپنی ہی کشتی میں چھید کر کے میر جعفر و میر صادق جیسے ملّت فروشوں کا قابل نفرت و مذمت کردار کا اعادہ کر رہے ہیں. تاہم مایوس ہونے، پریشان ہونے، اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں. ہم آج بھی باآسانی ان سازشوں کو ناکامی کا راستہ دکھا سکتے ہیں. اور وہ اس طرح کہ ہم اپنے اندر اخوت کا وہ جذبہ از سر نو زندہ کریں جو قیام پاکستان کے وقت تھا. ایک خدا، ایک قرآن، اور یک رسولؐ کی خاطر تمام نسلی لِسانی اور مسلکی تفرقات کو بالائے طاق رکھیں، اپنی صفوں میں موجود لارنس آف عربیہ، شیخ مجیبوں اور الطافوں کو بے وقعت و بے اثر بنادیں، اور خیبر سے لے کر بولان تک واحد مسلمان پاکستانی قوم، اور ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنیں. صرف اسی ایک صورت ہم نہ صرف پاکستان کو ان بدخواہوں کی شازشوں سے محفوظ بناسکتے ہیں، بلکہ اُسے استقلال و استحکام دے کر موجودہ اسلامی شکل وہئیت کے ساتھ قیامت تک اُسے قائم بھی رکھ سکتے ہیں. خاکسار کا یہ عاجزانہ مشورہ اُس عظیم پاکستانی قوم کے لئے ہے جو کم و بیش بیس کروڑ

افرادی قوت کی حامل ہے. اور جو ہواؤں کا رُخ اپنے حق میں موڑنے کی پوری اہلیت وصلاحیت رکھتی ہے. یعنی دلوں میں قیام پاکستان کے وقت والا اتحاد و یکجہتی کا جذبہ ہو، اور لبوں پر ہمہ وقت صبح و شام اللہ رب العزت کی حمد و ثناء کے بعد فقط ایک نغمہ ہو جس کے ابتدائی بول کچھ اسطرح ہو:

جس دیس میں رہتا ہوں اس کا نام ہے پاکستان
اس پر دل میرا قربان، اس پر جان بھی قربان

حرم کے پاسبانوں کا یہ عظیم ہے وطن
رسولؐ کے پروانوں کا یہ حسین ہے گلشن
ایک رب کے ماننے والے ہیں ہم سب ہیں مسلمان
اس پر دل میرا قربان، اس پر جان بھی قربان

ہم اس کے ہیں مکین یہ مسکن ہمارا ہے
چپہ چپہ اس ملک کا ہمیں جان سے پیارا ہے
خیبر ہو یا پنجاب اور یا سندھ، بلوچستان
اس پردل میرا قربان اس پر جان بھی قربان

اسلامی بم اور مغرب:

کوئی جانتا تک نہیں تھا کہ ایٹم بم کیا شے ہے اور کس بلا کا نام ہے۔ لیکن جب امریکہ نے ۱۶ جولائی 1945ء کو میکسیکو کے صحراء الاموگاردو (Alamogardo) میں پہلا ایٹمی تجربہ کیا اور پھر اس کے کچھ ہی دنوں بعد انتہائی شقاوت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جاپان کے دو شہروں پر یکے بعد دیگرے دو بم گرائے۔ جس سے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ دوسری عالمی جنگ ان تباہ کن بموں کی ہولناکیوں کے باعث اپنے منطقی انجام کو پہنچی اور جاپان کے یہ دونوں شہر مکمل طور پر راکھ کے ڈھیر بن گئے۔[1] تو دنیا کے دیگر ممالک اور اقوام کو بھی جان کے لالے

1- انسانیت کی تاریخ میں اس المناک اور عظیم حادثے کا ایک عینی شاہد اور متاثرہ ایک جاپانی شخص ۷۶ سالہ سوناؤ تسوبی اس دن کی قیامت خیزی اس طرح بیان کرتے ہیں.

"کہ شہر میں کئی دنوں سے کرفیو نافذ تھا. اتحادی طیاروں کے حملے کی اطلاعات کے باعث جاپانی حکومت کی جانب سے شہریوں کو گھروں سے نہ نکلنے کی تاکید کی جارہی تھی. ۵ اگست کی رات کو حملے کا خطرہ ٹل جانے کی وجہ سے لوگوں کو اپنے روز مرہ اُمور سرانجام دینے کی اجازت دے دی گئی. ۶ اگست کی صبح لوگ اپنے اپنے کام پر نکل کھڑے ہوئے. میری عمر اس وقت تقریباً بیس سال تھی. اسی روز میں گھر سے یونیورسٹی جانے کے لئے نکلا. صبح کے سوا آٹھ بجے تھے کہ میں نے فضاء میں سفید روشنی اور سُرخ رنگ کے شعلے اُبھرتے ہوئے دیکھے. بم مجھ سے ایک دو کلومیٹر دور فضاء میں ۸۵۰ میٹر بلندی پر پھٹا تھا. بم کے پھٹنے کی آواز میں نے صاف طور پر سُنی. اس وقت کوئی اس بم سے واقف نہیں تھا. دھماکے سے میں کئی گز دور زمین پر جا گرا. میرے حواس قابو میں نہ تھے. میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا. خاصی دیر بعد جب میرے اوسان بحال ہوئے تو قیامت کا سماں تھا. گھپ اندھیرے میں بے شمار انسانوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی. اور گرد و غبار کا طوفان تھا. میں ہمت کر کے اُٹھا اور گرتا پڑا. راستے میں ایسے اور دل خراش مناظر دیکھے. جنہیں یاد کر کے آج بھی کانپ اُٹھتا ہوں.

ہر طرف ہزاروں افراد کی جلی ہوئی لاشیں پڑی تھیں. لوگ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا

تھے. کچھ لوگ جان بچانے کے لئے اِدھر اُدھر دوڑ بھاگ رہے تھے. کوئی کسی کی مدد کو نہیں آرہا تھا. مجھے بھی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں؟ کیونکہ یہ علاقہ بھی تیزی سے آگ کی لپیٹ میں آرہا تھا. میں سمت کا تعین کئے بغیر بھاگ رہا تھا. ہر آدمی کا یہی حال تھا. میرے پیش نظر ایک بات تھی. کہ کسی طرح آگ کے اس سمندر سے خود کو محفوظ کرلوں. میں نے راستے میں کتنے قصبے اور گاؤں عبور کئے کچھ خبر نہیں. مسلسل دو گھنٹے بھاگنے کے بعد بم کے دھماکے کی جگہ سے ڈھائی کلو میٹر دور میو کی پُل پر پہنچ گیا. راستے میں لوگوں کی کیا حالت تھی اس کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے.

میں نے ایک نوجوان طالبہ کو دیکھا. جس کے بال جھڑ گئے تھے. اس کے چہرے سے خون رس رہا تھا. اور اس کا دایاں بازو ٹوٹ چکا تھا. ایک بوڑھے شخص کا سینہ پھٹ چکا تھا. اور پسلیاں باہر آچکی تھیں. جب وہ سانس لیتا تو اس کے پھیپھڑے باہر آجاتے. کچھ لوگوں کے سر اور جسم شیشے کے ٹکڑے لگنے سے زخمی ہو گئے تھے. کچھ لوگوں کے جسم آگ کی وجہ سے پگھل گئے تھے. اور ان کے جسم سے چربی لٹک رہی تھی.

ہیروشیما جیسا خوبصورت شہر دو گھنٹے میں خاکستر ہو چکا تھا. شہر کا اہم علاقہ جل گیا تھا. گھر تباہ ہو گئے تھے. گھروں کی دیواریں، چھتیں، گاڑیاں جل کر پگھل گئی تھی. ایٹم بم سے لگنے والی یہ آگ عام آگ سے کہیں زیادہ شدید تھی. آگ کی تپش اتنی زیادہ تھی. کہ ہر آدمی پانی کی تلاش میں ہیروشیما میں بہنے والے دریاؤں کی طرف بھاگ رہا تھا. اور اپنی آگ بجھانے کے لئے دریاؤں میں چھلانگ لگا رہا تھا. وہاں بہنے والے سات دریا انسانی لاشوں سے بھر گئے تھے.

خود میری یہ حالت تھی کہ پورا جسم جھلس گیا تھا. دونوں کان جل کر پگھل گئے تھے، جسم سے جلد غائب ہو چکی تھی. میری قوت جواب دے رہی تھی، اور زندہ رہنے کی اُمید دم توڑتی جارہی تھی، میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنے لئے تیار ہو چکا تھا.

اسی دوران فوج کا ایک ٹرک اس طرف آگیا تھا تاکہ زخمیوں کو قریبی بندرگاہ لے جایا جاسکے، جب یہ ٹرک قریب آیا تو اس پر سوار فوجیوں نے چلانا شروع کر دیا. کہ یہ ٹرک صرف نوجوانوں کے لئے ہے. کوئی دوسرا شخص اس پر سوار نہ ہو، دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہنا چاہتے تھے. کہ عورتیں، بچے اور بوڑھے ٹرک پر نہ چڑھیں. کیونکہ جنگ جاری تھی، اور نوجوان اس جنگ میں کام آسکتے تھے. لہٰذا ان کی اہمیت تھی. چنانچہ انہیں ہی کو انسان سمجھا گیا بقیہ کوڑا کرکٹ کے برابر تھے.

میری عمر چونکہ بیس سال تھی اس لئے مجھے ٹرک میں سوار کرالیا گیا۔ اَجینا بندرگاہ کی جانب جاتے ہوئے میں نیم بے ہوش تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں زمین پر لیٹا ہوا کراہ رہا تھا۔

فوجی مجھے پھینک کر چلے گئے تھے۔ جب رات کا اندھیرا پھیلا تو میں نے ایک جانی پہچانی آواز سنی جو میرے ایک ہم جماعت کی تھی۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ قریب ہی فوج کا ایک عارضی ہسپتال قائم کیا گیا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو میں تمہارا علاج کراؤں گا۔ اگرچہ وہ خود زخمی تھا لیکن اس نے زبردستی مجھے اپنے کندھوں پر سوار کرایا اور ایک کشتی میں ڈال دیا۔

آدھے گھنٹے بعد ہم نینوشیما نامی ایک جزیرے پر اُترے، جہاں سے مجھے ایک اسٹریچر پر ڈال کر ہسپتال لے جایا گیا۔ تین روز تک میری خدمت کرنے کے بعد اُس دوست نے مجھے خدا حافظ کہا۔ اس نے مجھے بتایا کہ یہ فوجی ہسپتال ہے اور فوج اس کا انتظام کرنے آرہی ہے۔ وہ غیر فوجیوں کو ہسپتال سے باہر پھینک دے گی۔ اب بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ کیونکہ تمہارے جیسے زخمی کے لئے اب کوئی دوسرا ہسپتال بھی قریب نہیں ہے۔ اپنے دوست سے رُخصت ہو کر میں کوما میں چلا گیا۔ مجھے ۱۵ اگست کی جنگ کے خاتمے کی اطلاع بھی نہیں ہوئی۔

چالیس روز بعد مجھے ہوش آیا تو میں بدستور زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا تھا۔ اس دوران ایک معجزہ رونما ہوا۔ میری ماں مجھے تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئی۔ اور وہ مجھے گھر لے گئی۔ گھر پہنچنے پر میری حالت دوسرے متاثرین سے مختلف نہ تھی۔ سر کے بال جھڑ چکے تھے، منہ اور مسوڑوں پر خون جم چکا تھا۔ جسم کے جلے ہوئے حصوں میں کیڑے پڑ چکے تھے۔ ڈاکٹر روزانہ میری موت کی پیشن گوئی کرتے۔ میں زندہ ہوتے ہوئے بھی مُردوں سے بدتر تھا۔ اسی طرح تین ماہ گذر گئے، مگر میں زندہ رہا۔ یہاں تک کہ چھ ماہ بعد اس قابل ہوا کہ چلنے پھرنے لگا۔

آج میں ۷۶ برس کا ہوں اور عمر کی یہ منزل آنے تک سات مرتبہ ہسپتال جا چکا ہوں۔ بلکہ داخل ہوا ہوں جب کہ کئی دفعہ سخت بیمار ہوا۔ ستر برس بعد جب میں بیمار ہوا تو میرے ڈاکٹروں نے خاندان کے افراد سے کہدیا۔ کہ یہ آج رات تک زندہ نہیں رہے گا۔ میں پھر بھی زندہ رہا۔ مجھے کئی سنگین بیماریاں لاحق ہیں اور ہر ماہ اپنا معائینہ کرواتا ہوں۔ اُنہوں نے بتایا کہ ہیروشیما کے حادثے میں زندہ بچ جانے والے افراد اگرچہ زندہ ہیں۔ لیکن وہ خود یا ان کی نسلیں بے شمار بیماریوں میں مبتلا ہیں۔

اُنہوں نے بتایا کہ جس وقت ہیروشیما پر بم گرایا گیا۔ تو پچاس سے ساٹھ ہزار افراد موقعہ ہی پر ہلاک ہوگئے۔

سرکاری اعداد شمار کے مطابق ہیروشیما کے ساٹھ فی صد لوگ ایٹمی دھماکے سے ہلاک ہوگئے تھے. بے شمار گھروں میں زندہ جل گئے، ہزاروں کے اوسان زندگی بھر بحال نہ ہوسکے ان دھماکوں سے آج بھی لاکھوں لوگ سرطان اور دیگر موذی بیماریوں میں مبتلا ہیں.

سوناؤ تسوبی نے مزید آگے چل کر بتایا. کہ وہ آج بھی امریکہ سے سخت نفرت کرتا ہے. اگرچہ میں کئی امریکی دانشوروں اور وفود سے اس مسئلے پر تبادلہ خیال کرچکا ہوں. میں نے امریکہ کا دورہ بھی کیا. لیکن امریکہ سے میری نفرت میں کوئی کمی نہیں ائی."

(روزنامہ جنگ کی سنڈے میگزین ۲۲ تا ۲۸ جولائی ۲۰۰۱ء)

ایک مصنف نے لکھا ہے کہ:

"کئی سال کی منظم جدوجہد اور کروڑوں روپیہ کے صرف سے بالاخرہ امریکہ ذراتی (Atmoic Bomb) کے ایجاد میں کامیاب ہوگیا. جس پر اس جنگ کی شکست و فتح کا انحصار تھا. اور ۱۶ جولائی کو $5\frac{1}{2}$ بجے اس قوت و وسعت کا پہلا امتحان لیا گیا.

بے جان آہنی برج اور بے حس فضائی آسمانی کے بعد اس کا دوسرا تجربہ ذی روح دشمن پر کیا گیا. جس کو ہیبت زدہ کرکے شکست دینے کے لئے مغرب کی حکمت وضعت نے اپنی بہترین قابلیت صرف کی تھی. ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کا بدقسمت شہر ہیروشیما اس کا پہلا نشانہ بنا. اس کے گرتے ہی عظیم الشان شہر تودہ خاک بن گیا. نہ کوئی جاندار باقی رہا نہ بے جان. آن کی آن میں انسان، حیوان، عمارتیں سب معدوم تھیں. دھماکے کی شدت، ہوا کا دباؤ اور دھواں قیامت خیز تھا. گرد و غبار کا جھلستا، اُبلتا اور کھولتا ہوا میلوں اونچا ایک پہاڑ تھا. اور اس پہاڑ کے نیچے جہنم کی سی آگ تھی. جس نے ہر چیز کو خاکستر کردیا. اُس طیارے کو جس نے بم گرایا تھا. اسے گراتے ہی جلد سے جلد اپنی سلامتی کے لئے وہاں سے بھاگنا پڑا ورنہ تباہ ہوجاتا. دھماکہ اتنا مہیب تھا. کہ بم گرانے والوں کا پتہ پانی تھا. حیرت، ہیبت اور خوف کے عالم میں ہر ایک کی زبان سے "یاخدا" کی آوازیں نکل رہی تھیں. لیکن جب یہ وہاں سے واپس آئے تو اتحادی حلقوں میں نعرہ ہائے مسرت بلند ہورہے تھے. اور ہر شخص شاد و مسرور تھا"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر،، صفحہ نمبر ۲۷۳. مصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

پڑ گئے اور یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ مستحکم دفاع کے لئے ایٹمی اسلحہ کا حصول ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

لہذا سب نے اور بالخصوص ترقی یافتہ اقوام نے دیگر ترجیحات پر ان ہتھیاروں کے حصول کو ترجیح دی، اپنے وسائل عوامی فلاح و بہبود پر صرف کرنے کی بجائے ایٹمی بھٹیوں میں جھونک دیئے، انسانیت کی بربادی ان کی مطمع نظر ٹھہری اور اسی طرح دنیا میں ایٹمی ہتھیاروں کی تباہ کن وانسانیت دشمن دوڑ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

سویت روس بھی چونکہ اس وقت ایک عالمی طاقت کے طور پر اُبھرا تھا۔ اس لئے اُس کے دل میں بھی مسابقت کی خواہش در آئی اور میدان میں کھود پڑا۔ اس کے سائنس دان اور اہل علم ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کو کارِ خیر سمجھ کر اس میں جُت گئے۔ جس میں چار سال لگاتار کوششوں کے بعد اُنہیں خاطر خواہ کامیابی ملی اور اس کامیابی کا اظہار اس نے 1949ء میں اپنے پہلے بم کی کامیاب آزمائش کر کے کیا۔

اس کے بعد سابق غاصب عالمی طاقت برطانیہ بھی اس دوڑ میں شامل ہوا اور 1952ء میں آسٹریلیا کے بونٹی بیلو نامی جزیرے کے مقام پر اپنا بم آزمایا اور دنیا میں تیسری ایٹمی قوت کے طور پر اُبھرا۔

بعد ازاں فرانس بھی اس دوڑ میں شامل ہوا اور اپنے آپ کو چوتھی ایٹمی طاقت کے طور پر منوانے کے لئے 1960ء میں کامیاب ایٹمی دھماکہ کیا۔

یعنی نیو میکسیکو کے صحراء سے شروع ہوئی یہ دوڑ پورے شباب پر تھی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے شوقین کھلاڑیوں میں بتدریج اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ 1964ء میں عوامی

جمہوریہ چین اس میں شامل ہوا. 1974ء کو 18 مئی کے دن بھارتی سائنس دانوں نے اس وقت کی بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی کو The Buddah Smile والے کوڈ ورڈز بتاکر یہ اطلاع دی کہ ہندوستان ایٹمی طاقت بن چکا ہے۔ جبکہ ساتھ ساتھ اُس وقت کے نسل پرست جنوبی افریقہ اور مٹھی بھر اسرائیل کے نقار خانوں سے بھی ایک مریل و خفیف سی آواز اُٹھی جس نے دنیا کو مدہم اور غیر محسوس انداز میں یہ پیغام پہنچایا کہ غلط فہمی دور کیجئے ہم بھی ایٹمی قوت کے حامل ملک بن چکے ہیں اور اسی طرح دنیا اُنہیں بھی غیر اعلانیہ ایٹمی طاقتیں ماننے پر مجبور ہو گئی۔

ایٹمی صلاحیت کے حامل یہ ممالک ایٹمی تجربات کے بعد دھڑا دھڑ ایٹمی اسلحے کی تیاری میں لگ گئے اور ان کی لیبارٹریاں شب و روز اس قسم کی مصروفیات کے لئے مختص ہو کر رہ گئیں تو تمام دنیا میں فکر و تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی۔

اس تشویش نے خصوصاً اُمت مسلمہ کو کچھ زیادہ ہی متاثر کیا۔ کیونکہ ان کے دو روایتی حریف ممالک یعنی بھارت اور اسرائیل بھی یہ صلاحیت حاصل کر چکے تھے اور اُنہیں ان دونوں سے احترام انسانیت کی توقع نہ تھی۔ کیونکہ ماضی میں دونوں مختلف اوقات میں مسلمانوں کے خلاف میدان میں اُترے تھے اور ان کی انتہا پسندانہ حرکات کو دیکھ کر مسلمان یہ محسوس کر چکے تھے کہ اسلام دشمنی میں مبتلا یہ قوتیں اسلام اور مسلمان کے خلاف کسی بھی حد تک جاسکتی ہیں۔

یورپی یونین میں شمولیت کا خواہش مند ترک، شہنشاہیت کا زیر تسلط ایران اور دولت کی ریل پیل اور ذاتی عیاشیوں و دیگر ناؤنوش میں مدہوش عرب حکمرانوں کا دھیان تو اس طرف نہ گیا۔ تاہم اس وقت پاکستان کے دور اندیش عوامی راہنما ذوالفقار علی بھٹو نے جب عالم اسلام کی

طرف بڑھتے ہوئے خطرے کی بو سونگھ لی اور عام مسلمانوں کے اندر پائے جانیوالے جذبات و احساسات کو محسوس کیا۔ تو پاکستان کو باقاعدہ ایٹمی طاقت بنانے کی پیش بندی کرنے لگے۔

بھٹو مرحوم اس معاملے میں بڑے پُرجوش اور پُرعزم تھے۔ پاکستان کو ایک ناقابل تسخیر اسلامی ریاست بنانا اور اسلامی تہذیب کو دنیا کی دیگر تہذیبوں کے ساتھ برابری پر لانا مرحوم کا دیرینہ خواب تھا۔ ممتاز صحافی زاہد ملک بھٹو مرحوم کے اُس والہانہ عزم و جنون کے متعلق لکھتے ہیں:

> "بھٹو مرحوم کے بارے میں یہ بات طے ہے۔ کہ پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کا ان کا جنون اور خواب تو بہت قدیم تھا۔ اُنہوں نے 1965ء میں جب ایوب کابینہ میں وزیر خارجہ تھے۔ نہایت جذباتی انداز میں کہا تھا، اگر بھارت نے ایٹم بم بنایا تو چاہیں ہمیں گھاس اور پتے کھانا پڑیں، یا ہم بھوکے رہیں، ہم بھی ایٹم بم بنا کر رہیں گے۔ کیونکہ ہمارے پاس اس کا کوئی متبادل تو ہو گا۔ ایٹم بم کا جواب ایٹم بم ہی ہو سکتا ہے"۔[1]

یہ اُن کے اُس وقت کے جذبات و احساسات تھے جب پاکستانی حکومت میں ان کی حیثیت ایک جز کی سی تھی اور جب 1970ء کے بعد ملک کی بھاگ دوڑ کلی طور پر ان کے ہاتھ آئی تو اپنے اس دیرینہ اور قدیم خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے ٹھوس اور عملی اقدامات کئے۔ فرانس سے ری پری سیسنگ پلانٹ کا معاہدہ کیا، ہالینڈ میں مقیم محب وطن پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے رابطہ کیا اور اس کو ملک و ملت کی خدمت کرنے کا موقع

---

[1]: ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم، ، صفحہ نمبر 160۔

عطا کیا، جس سے باقاعدہ پاکستانی ایٹمی پروگرام کی بساط بچھ گئی اور مسلمانانِ عالم کی امیدوں و آرزؤں کی شمع فروزاں ہو گئی۔

مرحوم بھٹو کے عزم و استقلال اور ڈاکٹر عبد القدیر خان کی حب الوطنی و ملک و قوم کے لئے جذبہ ایثار و قربانی کی بدولت پاکستانی ایٹمی پروگرام کی شروعات سے اگر ایک طرف عالم اسلام میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی، زندگی سے مایوس مسلمانوں کے مرجھائے ہوئے چہرے جینے کی ایک نئی تمنا کے ساتھ کھِل اُٹھے اور اُنہیں اپنا مستقبل تابناک دکھائی دینے لگا۔ تو دوسری طرف مغرب میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور جا بہ جا اسلامی بم کا زبردست شور اُٹھا۔

یہ مغرب اور اہل مغرب کی اسلام محاصمت نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ قبل ازیں عیسائی، ہندو اور یہودی ریاستیں اس ٹیکنالوجی میں خاصی پیش رفت کر چکی تھیں اور آئے روز کامیابی کی نت نئی چوٹیاں سر کرتی جا رہی تھیں۔ مگر اس وقت نہ اس کے ماتھے پر فکر انسانیت کی شکنیں پڑیں اور نہ ہی امن عالم کے لئے اُسے کوئی خطرہ محسوس ہوا۔ تاہم جیسا ہی ایک مسلمان ملک پاکستان نے رائج الوقت دوڑ میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا اور پاکستانی قوم نے بھی دیگر اقوام کی طرح باوقار جینے کا عصری فارمولہ سمجھ لیا۔ تو مغرب میں ہر طرف ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ یعنی گویا کہ اُن پر زمین شق ہو گئی اور آسمان ٹوٹ پڑا۔ اور بھرپور میڈیا مہم کے ذریعے پورے دنیا میں پاکستان کے اس نوزائیدہ پروگرام کو ایک خوف ناک اور دہشت ناک روپ میں پیش کرنے لگا۔

آغاز سے لے کر آج تک مغرب نے پاکستانی ایٹمی پروگرام کے خلاف کتنی سازشیں کیں، کتنی رکاوٹیں ڈالیں؟ کتنے مشکلات کھڑے کئے اور پاکستانی راہنماؤں کو باز آنے پر مجبور

کرنے کی کتنی بار کوششیں کیں؟ اور باز نہ آنے کی صورت میں اُنہیں کتنی دھمکیاں دیں؟ میں اس کی مرحلہ وار تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ کیونکہ یہ کئی عشروں پر محیط ایک لمبی اور طویل بحث ہے۔ ہالینڈ میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان پر ایٹمی راز چُرانے کا مقدمہ، فرانس کا ری پری سیسنگ پلانٹ کی فراہمی سے انکار، امریکہ کی پاکستانی پروگرام کی مسلسل مانیٹرنگ، اقتصادی اور فوجی امداد کی بندش اور ہنری کسنجر (جو کہ اس وقت امریکہ کے وزیر خارجہ تھے) کے ذریعے پروگرام کے بانی بھٹو کو دی جانے والی دھمکیاں ہی دراصل وہ منفی ہتھکنڈے اور سازشیں تھیں۔ جو مغرب نے پاکستان کو دفاعی، صنعتی اور اقتصادی طور پر کمزور اور ایک مسلمان ملک کو جوہری توانائی سے استفادہ کرنے سے محروم رکھنے کے لئے کیں۔

پاکستانی ایٹمی پروگرام کے اُن روحِ رواں عناصر جنہوں نے اپنا تن، من، دھن سب کچھ اس مقدس مشن کے لئے وقف کر رکھا تھا کو بطور خاص مغرب کے معاندانہ سلوک کا سامنا کرنا پڑا۔ بقول محترم زاہد ملک کہ بھٹو نے 1977ء کو (جب پاکستان ایک بدترین سیاسی بحران کی زد میں تھا) اسمبلی فلور پر مغرب کے سازشی کردار کی خوب نقاب کشائی کی۔ اُنہوں نے نتائج کے پرواکئے بغیر ڈنکے کی چھوٹ پر کہا تھا کہ:

> "موجودہ سیاسی بحران ایک ملک کی طرف سے پاکستان کے خلاف کی جانے والی بہت بڑی سازش ہے۔ یہ ملک نہیں چاہتا کہ پاکستان اقتصادی لحاظ سے خوشحال اور مستحکم ہو۔ دنیا جانتی ہے کہ ہاتھی بڑا کینہ پرور ہوتا ہے اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہاتھی کا حافظہ بھی بڑا تیز ہے۔ چنانچہ ان ہاتھیوں نے ویتنام کے متعلق پاکستان کی پالیسیوں کو معاف

نہیں کیا"۔ پھر اسی زور خطابت میں اُنہوں نے دعویٰ کیا کہ "کسنجر نے مجھے ذاتی طور پر دھمکی دی کہ میں ری پری سیسنگ پلانٹ سے دستبردار ہو جاؤں ورنہ تمہیں ہولناک انجام کی عبرت ناک مثال بنادیا جائیگا"۔[1]

دنیا اور خاص کر پاکستان کے سیاسی مدو جذر پر گہری نگاہ رکھنے والے حلقوں کے مطابق کہ بھٹو جن وجوہات کی بناء پر مغرب کا معتوب بنے اور اس کے نتیجے میں عالمی و پاکستانی سیاسی سکرین سے غائب ہوئے۔ ان جملہ وجوہات میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ مرحوم ہر حال میں پاکستان کو ایک جوہری طاقت بنانے اور عالمی برادری میں عالم اسلام کو ایک نمایاں مقام دلانے کے عزم پر ڈٹے ہوئے تھے۔

اس کے بعد جنرل ضیاء کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا اور اسی جرم کی پاداش میں دیگر ستائیس جرنیلوں سمیت 17 اگست 1988ء کو بہاولپور کی فضاؤں میں شعلہ زن ہوگئے۔ سیاسی اختلاف اپنی جگہ لیکن دوران اقتدار مرحوم نے بھی بڑی جان فشانی سے بھٹو کے لگائے گئے اس پودے کی آبیاری کی اور اسے دل و جان سے عزیز جانا۔ باخبر لوگ پختہ یقین سے دعویٰ کرتے ہیں کہ سانحہ بہاولپور کی سازش کے سارے تانے بانے ایک مغربی ملک ہی میں بنے تھے۔

ضیاء حکومت کا سورج غروب ہونے کے بعد پاکستان میں نام ونہاد سیاسی دور آیا۔ جو قسما قسم قباحتوں کا مجموعہ تھا۔ اس دور میں قومی و ملی مفاد پس منظر میں چلے گئے تھے، سیاسی راہنما اور کرتے دھرتے کارکن تجوریا بھرنے میں مصروف تھے۔ لوٹ کھسوٹ، ذاتی مفادات اور اقربا پروری جیسی قباحتوں کا ننگا ناچ جاری تھا۔ محب وطن پاکستانیوں کو وسوسوں اور اندیشوں

---

[1]: ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم، ، صفحہ نمبر 259۔

نے گھیر رکھا تھا اور ہر کسی کو یہ خوف لاحق تھا کہ ذاتی مفاد کے اسیر یہ سیاستدان کہیں ایٹمی معاملات پر بھی سودا بازی نہ کر بیٹھے۔

پاکستانیوں کے خدشات بجا تھے کیونکہ دوران اقتدار ذاتی مال و زر میں اضافے کے خواہش مند اور ملکی معاملات کو پس پشت ڈالنے والے خود غرض حکمرانوں سے ہمیشہ یہی توقع کی جاتی ہے۔

اُن دنوں اُن سیاسی راہنماؤں پر ایٹمی پروگرام کے سلسلے میں بے انتہا مغربی دباؤ تھا۔ دن بہ دن اُن میں مزاحمت کی قوت کمزوری ہوتی جارہی تھی اور قریب تھا کہ نام ونہاد یہ عوامی راہنما اس دباؤ کے آگے سر تسلیم خم کرتے اور گھٹنے ٹیکتے۔ مگر چونکہ اس پروگرام کے وابستگان کی حب الوطنی شک و شبے سے بالاتر تھی، غلام اسحق خان جیسے محب وطن اور ہر آلائش سے پاک صدر کی سرپرستی اُسے حاصل تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا کو ہر حال میں پاکستان کا ایٹمی طاقت بننا منظور تھا۔ اس لئے بدخواہوں کی ہر سازش ناکام ہوتی گئی اور پاکستانی ایٹمی پروگرام کسی نہ کسی انداز میں کامیابی کی جانب آگے بڑھتا گیا۔

بڑے نشیب و فراز دیکھنے کے بعد 1998ء کو جب پاکستانی پروگرام نے ہدف کامیابی کو چھوا، اور بالآخر اس وقت کے وزیر اعظم پاکستان نواز شریف نے بے پناہ عوامی دباؤ کے آگے مجبور ہو کر ہندوستانی دھماکوں کے جواب میں دھماکے کرنے کا فیصلہ کیا۔ جو کہ خطے میں طاقت کا توازن درست کرنے کے لئے بے حد ضروری تھے۔ تو مغرب کو اس میدان میں پہلے سے قائم اپنی اجارہ داری خطرے میں نظر آئی۔ اور چشم زدن میں ایکا کرتے ہوئے پاکستان کو اڑے ہاتھوں لے لیا۔ طاقت ور میڈیا کے ذریعے اسلام، مسلمان اور پاکستان کے خلاف بے بنیاد

پروپیگنڈوں کا طوفان برپا کیا۔ ہر جگہ ہٹو بچو کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور یہ تاثر پھیلانا شروع کیا کہ ایٹمی تیکنک (Technique) چونکہ پہلے پارساؤں اور مسیحاؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ مگر اب بدقسمتی سے جنونی مسلمانوں کے ہاتھ لگنے والی ہے۔ جس سے دنیا مٹ جائیگی اور زمین پر رینگنے والی خلقِ خدا یعنی انسان وحیوان سب نابود ہو جائیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ 28 مئی 1998ء سے قبل امریکی صدر کلنٹن اور دوسرے مغربی راہنماء ہر روز دن میں کئی بار پاکستانی راہنماؤں سے ہاٹ لائن پر رابطہ کرتے تھے۔ اُنہیں ہندوستانی دھماکوں کا جواب نہ دینے کا حکم دیتے، فوجی و اقتصادی امداد کی نوید سناتے اور حکم عدولی کی صورت میں پتھر کے زمانے میں واپس دھکیلنے کی دھمکیاں دیتے تھے۔

کچھ لوگ خوش فہمی میں مبتلا تھے اور ان دھمکیوں کو محض بڑھک بازی سے محمول کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ دھماکوں سے پاکستان مستقل طور پر مغربی دباؤ اور بلیک میلنگ سے نکل آئے گا۔ رفتہ رفتہ جیسے ہی گرد بیٹھتی جائے گی، پاکستان اور مغرب کے درمیان برابری کی بنیاد پر اُستوار خوش گوار تعلقات کا دور آتا رہے گا، گلے شکوے دور ہوں گے، غصہ ختم ہو گا اور خوش دلی سے ایک اسلامی ملک پاکستان کو مسلمہ ایٹمی قوت تسلیم کر لیا جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا اور کچھ ہی عرصہ بعد جب پاکستان نے واقعتاً ہندوستانی دھماکوں کے جواب میں دھماکے کر ڈالے تو مغربی منافقت کھل کر سامنے آگئی۔ دنیا نے کھلی آنکھوں سے اس دوہرے معیار کو دیکھا جو بھارت کے مقابلے میں پاکستان کے ساتھ اپنایا گیا تھا۔ پھر ہر کسی پر یہ راز بھی منکشف ہوا کہ مغرب اور اہل مغرب بھارت، اسرائیل و دیگر غیر اسلامی قوتوں کے معاملے میں تو درگزر سے کام لے سکتے ہیں، لیکن ایک اسلامی ملک کے معاملے میں ہر گز نہیں۔

دور جانے کی ضرورت نہیں۔ آج سے چند سال قبل کی بات ہے کہ مغرب نے ایٹمی دھماکوں کے بہانے صرف پاکستانی معیشت کو سخت گیر پابندیوں اور دیگر اقدامات کے ذریعے ایک مشکل صورتحال سے دوچار کر دیا تھا اور پاکستان دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اگر گیارہ ستمبر 2001ء کو امریکہ میں دہشت گردی کے واقعات نہ ہوتے، پاکستان کی سٹریٹجک اہمیت ایک بار پھر واضح نہ ہوتی اور نظریہ ضرورت کے تحت راتوں رات مغربی مقاطعہ ختم نہ ہوتا اور صورتحال بدستور حسب سابق رہتی تو ان پابندیوں کے باعث پاکستان کا ماضی کا ارجنٹائن اور حال کا یونان بننا بعید نہ تھا۔

عراقی پروگرام کی تاراجی:

یہودی ریاست اسرائیل نے 1981ء میں جس ملک کے ایٹمی تنصیبات کو فضائی بمباری سے تاراج کئے تھے وہ بھی بدقسمتی سے ایک مسلمان ملک عراق تھا۔ اس کا قصور بھی یہی تھا کہ وہ مسلمان تھا اور ایک مسلمان ملک کا ایٹمی طاقت بننا مغرب اور اس کے لاڈلے اسرائیل کو ہرگز گوارہ نہ تھا۔ اسرائیل کے اس اقدام کے پیچھے پرزور مغربی تائید وحمایت کارفرما تھی۔

ایرانی پروگرام کا کانٹا:

اسلامی جمہوریہ ایران کا ایٹمی پروگرام جو کہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے اور میزائل ٹیکنالوجی میں حالیہ پیش رفت نے بھی ان کی راتوں کی نیندیں اُڑائی ہوئی ہیں۔ امریکہ کی جانب سے ہر روز روس، ایران اور شمالی کوریا پر ایٹمی اشتراک عمل کے جو الزامات عائد کئے جارہے ہیں۔ یہ بھی دراصل مغربی غصے اور خفت کی علامتیں ہیں۔

دعوے اور حقائق:

مسلمان اور دوسری حریف قوموں کے ایٹمی پروگراموں پر معترض اور مبلغ امن ہونے کا دعویدار مغرب اگر ایک طرف دنیا کو ایٹمی تباہ کاریوں سے بچانے کی فکر میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور اس کے لئے اپنے سوا تمام حریف اقوام اور بالخصوص مسلمانوں کو اس میدان میں پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ تو دوسری طرف خود اپنے اسلحہ خانوں میں دن بہ دن ایٹمی ہتھیاروں کی تعداد میں اضافہ کرتا جارہا ہے۔ محترم معاذ حسن نے اپنی تصنیف "سی۔ٹی۔بی۔ٹی اور اسلامی بم" میں مغربی ممالک اور دنیا کی دیگر اہم قوتوں کے اسلحہ خانوں میں موجود ایٹم بموں کی جو تعداد بتائی وہ کچھ اس طرح ہے:

ملک کا نام	ایٹم بموں کی تعداد	ملک کا نام	ایٹم بموں کی تعداد
(1)روس	23000	(2)امریکہ	12000
(3)فرانس	450	(4)چین	400
(5)برطانیہ	620"۔[1]		

جبکہ وقائع نگاروں نے حال ہی میں جو اندازے لگائے ہیں۔ اُن اندازوں کے مطابق صرف روس اور امریکہ کے اسلحہ خانوں میں اس وقت ایٹم بموں کی مجموعی تعداد پچاس ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔ جبکہ مغرب کے فطری حلیف ممالک بھارت اور اسرائیل کے ہاں بھی موجودہ ایٹم بم سو– دوسو کی لگ بھگ کا اندازہ ہے۔ ان بموں میں تباہ کن صلاحیت اس قدر زیادہ ہے کہ سینکڑوں بار اس دنیا کو تلپٹ کر سکتی ہے۔

اسرائیل اور بھارت کی پشت پناہی:

[1] سی۔ٹی۔بی۔ٹی اور اسلامی بم، ، صفحہ نمبر 98۔

اسرائیل کون سا ملک ہے؟ کہاں قائم کیا گیا ہے؟ کیسے وجود میں لایا گیا ہے؟ اس کے قیام میں کس نے کیا کردار ادا کیا؟ بعد از قیام اس کو ہر لحاظ سے ایک قوی اور مستحکم ریاست کس نے بنائی؟ اُسے زندہ رکھنے کے لئے اَب کون آکسیجن دے رہا ہے؟ کیوں دے رہا ہے؟ اور آب کن لوگوں کا لاڈلا بنا ہوا ہے؟ ان سوالوں کے جوابات ہم کتاب کے گذشتہ صفحات پر تفصیل کے ساتھ دے چکے ہیں. اب یہاں ہم بات کریں گے بھارت کی، اس کے مذہبی تشخص کی، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتاتے چلیں گے کہ قیام کے وقت سے لے کر اب تک اس ریاست نے عالمی سیاست میں کس انداز سے اپنا رول پلے کیا؟ اور اس کے اس رول کے نتیجے میں دنیا اور بالخصوص جنوبی ایشیاء کے عوام کی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟

قارئین! بھارت جنوبی ایشیاء کی ہندو اکثریت رکھنے والی وہ ریاست ہے جو پاکستان کی طرح باقاعدہ تقسیم ہند کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی. جو ہندو تہذیب والی واحد ریاست کہلائی تھی. جبکہ پاکستان اسلامیان ہند کی اُمیدوں کا مرکز بنا تھا اور اسی کو دائمی مسکن بنانے کے ارمان دلوں میں سجائے ہوئے تھے. تاہم تاریخ کا تلخ تجربہ ہے کہ بھارت اُن بدبختوں کا ملک ہے جو کبھی وعدے ایفاء نہیں کرتے. بلکہ دھوکہ دہی، فریب کاری، اور کہے سے مکر جانے ہی کو اپنا ایک ہنر مانتے ہیں. دنیا کی خاموش آنکھیں روز اول ہی سے اس کی اس اُلٹ پلٹ کو دیکھتی چلی آرہی ہے اور مؤرخ اپنے بے رحم قلم سے اُسے نوٹ کرتا جارہا ہے. یعنی بٹوارے کے وقت باقاعدہ یہ طے ہوا تھا کہ ریاستوں کے الحاق کا فیصلہ وہاں کے عوام کی رائے سے ہوگا. یعنی اُن سے پوچھا جائے گا کہ وہ پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا بھارت کے ساتھ۔ ایک ممتاز مؤرخ ثروت صولت بھی لکھتے ہیں.

"حکومت برطانیہ نے ۱۹۴۷ء میں جب برطانوی ہند کو آزادی دینے اور اور حکومت کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا تو. ۳

جون کے منصوبہ کے تحت ریاستوں کے بارے میں یہ طے کیا گیا کہ ریاستوں کے حکمران بھارت یا پاکستان جس ملک سے چاہیں الحاق کر سکتے ہیں. لیکن اس اجازت کے ساتھ یہ بات از خود فرض کر لی گئی تھی کہ ریاستوں کے حکمران اپنی اپنی ریاست کے مستقبل کا فیصلہ کرتے وقت اپنے عوام کی خواہشات اور ریاست کی جغرافیائی حیثیت کو بھی مد نظر رکھیں گے"[1]

تاہم ہندو بنیا کچھ ہی ثانیہ بعد اس شرط سے صاف مکر گیا اور بڑی بے دردی سے آزاد ریاستوں پر قابض ہونے لگا. حیدرآباد دکن، جونا گڑھ، گورداسپور اور دیگر ریاستیں تو آسانی سے ہضم ہوئیں. البتہ اس کا اگلا شکار "ریاست جموں و کشمیر" ان کے گلے کی ہڈی ضرور بن گئی. جو نہ اُگلی جاسکتی تھی اور نہ نگلی جاسکتی تھی. لہٰذا خوف اور ترع کے عالم میں اس وقت کا بھارتی وزیر اعظم نہرو راتوں رات امریکہ بھاگا، منتوں سے اقوام متحدہ کے سلامتی کونسل کا اجلاس بلوایا. اور پھر اسی سلامتی کونسل کی ایک قرارداد کے ذریعے اُسی شرط سابقہ پر جنگ آزادی کشمیر بند کروائی (جو اگر جاری رہتی اور نہرو زرا دیر لگاتے تو شاید آج سری نگر بھی پاکستان کا زیر انتظام ہوتا) اور عالمی فورم پر اُس قرارداد کے مِن و عَن پر عمل درآمد کا پکا وعدہ بھی کیا.

کہا جاتا ہے کہ اس وقت کے بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اس وقت کے پاکستانی وزیر اعظم لیاقت علی خان کو بھی تار بھیجا تھا اور اس میں اُن سے بھی وعدہ مذکورہ کا اعادہ کیا گیا تھا.

1-ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، صفحہ نمبر ۱۷۴-۱۷۶ .

بشکریہ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ

ریاست جموں و کشمیر کا یہ نقشہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہے. اس میں پوری ریاست کی ضلع وار آبادی دکھائی گئی ہے. اوپر والے ہندسے ضلع کی کل آبادی جبکہ نیچے والے ہندسے مسلمانوں کی آبادی کو ظاہر کرتے ہیں.

نقشے کے مطابق ریاست نہ صرف مسلمان اکثریت کی بنیاد پر پاکستان کا حق بنتا ہے. بلکہ نقشے پر غور کیجئے جغرافیائی طور پر بھی پورا علاقہ پاکستان سے جڑا ہوا نظر آتا ہے.

ملاحظہ ہو اس کا نفس مضمون:

> ”ہمارا یہ وعدہ کہ امن و امان قائم ہوتے ہی ہم اپنی فوجوں کو واپس بلالیں گے اور ریاست کے مستقبل کا فیصلہ ریاست کے عوام کی مرضی پر چھوڑدیں گے صرف آپ ہی کے سامنے نہیں ہے بلکہ ریاستی عوام اور پوری دنیا کے سامنے ہے“[1]

لیکن ہائے افسوس کہ بھارت یہاں بھی دغا دے گیا اور ابھی اقوام متحدہ کی اس قرارداد کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ بھارت نے یوٹرن لے لی اور دھڑلے سے جموں و کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دے دیا. اقوام متحدہ کے سلامتی کونسل کی وہ قرارداد جسمیں کشمیری عوام کو اظہار رائے کا حق دیا گیا تھا کو جوتی کی نوک پر رکھا. اور کیل کانٹوں سے لیس لاکھوں کی تعداد میں مزید فوج اُتار کر اس پر زبردستی قابض ہوا اور اب تک قابض ہوا چلا رہا ہے. جبکہ کشمیر کی مسلمان اکثریت غلام بنی ہوئی اور خوف و دہشت کے سائے جینے پر مجبور ہے.

اس کے علاوہ سیکولر بھارت کے اندر اقلیتوں کے ساتھ جو ناروا سلوک ہو رہا ہے وہ ایک

---

[1]۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، صفحہ نمبر ۱۷۴- ۱۷۶ .

= ایودھیا میں بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر اس کی زندہ مثال ہے.

الگ لمبی بحث کی متقاضی داستان ہے اس کی تفصیل میں نہیں جاونگا. بلکہ مختصراً عرض کروں گا کہ بھارت دنیا کا واحد ملک ہے. جہاں شدت کے ساتھ اقلیتوں کے حقوق کی پامالی ہو رہی ہے. سکھوں کو نعرہ آزاد خالصتان بلند کرنے کی پاداش میں بے رحمی سے ایسے کچل دیئے گئے کہ بے چارے دوبارہ اُٹھ کر کھڑا ہونے کی طاقت تک کھو بیٹھے، مسلمانوں کو عید قربان کے موقع پر بھی گائے ذبحہ کرنے کی اجازت نہیں. ان کی بے شرم جمہوریت اور نام ونہاد سیکولر معاشرہ میں نہ مسلمان محفوظ ہے، نہ عیسائی محفوظ ہے اور نہ سکھ. مساجد ڈہائی جارہی ہیں اور اس کی جگہ مندریں تعمیر ہورہی ہیں، دن دیہاڑے چرچوں اور کلیساؤں پر حملے ہو رہے ہیں، یہاں تک کہ زندہ انسانوں سے بھری بھری ٹرینیں جلائی جارہی ہیں. مگر ان سب پر مغرب اور مسلمان ممالک میں کتے اور بلی کی موت پر واویلا مچانے والے مغربی انسانی حقوق کے اداروں کے ہونٹ سلے ہوئے ہیں اور زبانیں گونگ ہیں. اب تک کسی بھی بااثر مغربی طاقت نے اسے اقوام متحدہ کے سلامتی کونسل کی قراردادوں کی اسی طرح بے توقیری پر نہیں ٹھوکا اور نہ ملامت کیا. بلکہ اُلٹا اس عہد شکن ملک کو اسی اقوام متحدہ کے سلامتی کونسل کی مستقل نشست دلانے پر تلے ہوئے ہیں جس کی قرار دادیں وہ روز اول ہی سے روندتے چلے آرہے ہیں اور ساتھ ساتھ اس غیر ذمہ دار ملک پر سول نیوکلیئر ٹیکنالوجی کی مد میں بھی نوازشیں کر رہے ہیں. ریاست ہائے متحدہ امریکہ اس دوڑ دھوپ میں سب سے آگے ہے جبکہ برطانیہ اور فرانس بھی کندھا ملا کر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں.

کشمیر پر ناجائز قبضہ، بھارت کے اندر انسانی حقوق کی پامالی، اور بھارت کی دیگر بد اخلاقیوں پر مغرب کی معنی خیز خاموشی اور در پردہ اشیر باد سے آخر مسلمان کیا مطلب اخذ کریں؟ یہی نا- کہ سب کا قدر مشترک فقط اسلام دشمنی ہے اور مسلمان دشمنی ہے. اس قدر مشترک کے باعث بھارت اور مغرب باہم فطری حلیف اور دوست بنے ہوئے ہیں اور فطری دوست کی ہر بد تمیزی وبد اخلاقی پر صرف مسکرایا ہی جاتا ہے. اور یہی کچھ مغرب بھارت کے حوالے سے کر رہا ہے.

چونکہ اس کے زیادہ تر بڑے بڑے تنازعات پاکستان کے ساتھ ہیں. اور پاکستان چونکہ ایک اسلامی ملک ہے اس لئے بھارت مغرب کی آنکھوں کا تارا بنا ہوا ہے اور اس پر اپنی نوازشات آرزاں کی ہوئی ہیں.

خون مسلم سے تر مغربی دامن:

انسانی خون کا پیاسا مغرب کی آنکھیں ہر وقت ایک ایسی نئی شکار گاہ کی تلاش میں رہتی ہیں۔ جس میں ان کے مہلک ہتھیار پوری طرح اپنی سحر انگیزی دکھائے اور پل بھر میں میدان سینکڑوں، ہزاروں انسانی لاشوں سے بھر دے۔ اس کے لئے یہ پہلے سے بنے ہوئے ماحول سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور اگر ماحول پوری طرح نہ بنا ہو تو پھر یہ لوگ از خود اُسے بناتے ہیں اور جب ان کا مطلوبہ ماحول بن جائے تو پوری طرح تیاری کے ساتھ آستین چڑھا کر اور ہر نوع کے آتشین اسلحہ سے مسلح ہو کر میدان جنگ میں کھود پڑتے ہیں اور پھر

خلق خدا کے ساتھ یہ خون خوار درندے جو کچھ کر گزرتے ہیں۔ اسے دیکھتے ہوئے پوری دنیا آنگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔

سرد جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی اس نے تازہ شکار گاہ اسلامی خطہ خلیج کو بنایا۔ جہاں اُنہوں نے پہلے عراق کے حکمران صدام حسین کو ایک اسلامی برادر ملک کویت کو ہڑپ کرنے پر اُکسایا۔ اور یقین دہانی کروائی کہ اس کی اس جارحیت کو اُمت مسلمہ کا اندرونی مسئلہ سمجھا جائے گا اور اس کی ہر حرکت پر خاموشی اختیار کی جائیگی۔ جس پر وہ یقین کر بیٹھا اور 2 اگست 1990ء کو 130000 فوجیوں اور سینکڑوں ٹینکوں و دیگر گولہ بارود کی مدد سے اس کمزور ہمسائے پر لشکر کشی کرتے ہوئے قبضہ کر لیا۔

مگر جب وہ بری طرح پھنس گئے، واپسی کے تمام دروازے بند ہو گئے اور وہ ماحول بن گیا جس کے وہ آس لگائے بیٹھے تھے۔ تو جارحیت کی ترغیب دینے والا وہی مغرب تھا جس نے عراق اور اس کے حکمران کے خلاف بے سروپا پروپیگنڈوں کا ڈول پیٹنا شروع کیا اور دنیا کے سامنے پر زور انداز میں اُسے بطور غاصب، جارح اور دہشت گرد پیش کرنے لگا۔[1]

اس سے ان کا مقصد دنیا کو ہم نوا بنانا تھا اور جب پوری دنیا ان کی اس پروپیگنڈہ مہم سے متاثر ہو کر ہمنوا بن گئی تو ایک عظیم بین الاقوامی فوج تیار کر کے عرب کے ریگزاروں میں

---

[1]: یاد رہے کہ اُس وقت عراق میں امریکی سفیر ایک خاتون تھی۔ اُسی نے صدام حسین کو غیر جانبدار رہنے کی یقین دھانی کرائی تھی اور جنگ شروع ہوتے ہی سبکدوش ہو گئی۔

اُتر گئے۔ اور پھر اس لشکر جرار کی قیادت کرتے ہوئے بظاہر کویت کی خود مختاری اور عزت نفس کی بحالی کے بہانے عراقی عوام پر ٹوٹ پڑے۔

عسکری تجزیہ نگار لکھتے ہیں کہ جنگ خلیج میں امریکہ کی زیر قیادت مغرب کی اتحادی افواج نے عراق کے معصوم مسلمانوں پر جتنا اسلحہ و گولہ بارود استعمال کیا۔ اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں استعمال کیا گیا اسلحہ کی مقدار اس سے کہیں کم تھی۔

بزنس ویک نامی ایک رسالے نے انکشاف کیا کہ اتحادی جہازوں نے 1944ء کی جرمنی پر بمباری کے پورے سال کے مقابلے میں ایک ہفتے میں عراق پر دُگنے بم برسائے۔ امریکی فوجوں نے سٹار وار کا میزائیل ایرس (Eris) پہلی بار استعمال کیا۔ جنگ کے آغاز کی پہلی شب 100 ٹام ہاک میزائیل پھینکے گئے اور اسی شب 100 سے زائد حملے کئے گئے۔

امریکہ نے اعتراف کیا کہ اتحادی طیاروں نے 15 مارچ 1991ء کو صرف ایک دن میں عراق اور کویت پر 88500 ٹن بم برسائے۔ پہلی بار ریڈار پر نظر نہ آنے والے قزاق طیارے U.S.S 117A Stealth Fighter استعمال ہوئے۔ خلیج کے 43 دن کی جنگ میں ویتنام کی نوسالہ جنگ سے زیادہ چُست بم Smart Bomb آزمائے گئے۔[1]

آتش و آہن برسنے کا یہ سلسلہ پورے زور و شور سے 43 دن تک جاری رہا۔ جس نے

[1]: بحوالہ: مسلم دنیا 1991ء تا 1992ء۔

بالآخر عراق کی کمر توڑ کے رکھ دی اور دوبارہ سر اُٹھا کر چلنے کی طاقت کھو بیٹا۔

- تقریباً 86000 عراقی جنگ کی ہولناکیوں کی نظر ہو گئے۔
- کویت کے جو 5000 افراد ہلاک ہوئے وہ اس کے علاوہ ہیں۔
- اتحاد میں شامل ملک فرانس کی ایک مشاہداتی ٹیم کے مطابق گیارہ ہزار عراقی فوجی اور 45000 شہری اس جنگ میں ہلاک ہوئے۔
- الات حرب میں عراق کے 3500 ٹینک اور 2000 بھاری توپیں تباہ کر دی گئیں۔
- 25 ڈویژن فوج میں سے 23 ڈویژن فوج مکمل طور پر نیست ونابود کر دی گئی۔
- 25 فیصد سے زائد لڑاکا طیارے تباہ ہوئے۔
- اسلحہ اور توپ خانہ کو 80 فیصد بربادی سے دوچار ہونا پڑا۔
- رہائشی علاقوں پر بمباری سے 9000 گھر تباہ کر دیئے گئے۔
- عراق کے سرکاری اعلان کے مطابق 20 مساجد، 6 چرچ اور 10،000 تاریخی مقامات اتحادیوں کی فضائی بمباری کا نشانہ بنے۔[1]

خلیج کا میدان سجانے سے مغرب کے دو بڑے مقاصد تھے۔ ایک مقصد سرزمین عرب پر عراق کی صورت میں موجود اُس اسلامی قوت کا خاتمہ تھا۔ جو اُن کے اور اسرائیلی مفادات

---

[1]: بحوالہ: مسلم دنیا 1991ء تا 1992ء۔

کے لئے مسلسل خطرہ بنتا جارہا تھا۔ جبکہ دوسرا بڑا مقصد تیل کے ان بڑے ذخائر تک رسائی کا حصول تھا۔ جو دنیا میں صرف عالم عرب کی خاص معدنی دولت ہے۔

ان ذخائر پر عملاً قبضہ کے لئے مغربی دانش ور، حکماء اور صاحب فہم لوگ کافی عرصے سے سوچ بیچار کررہے تھے۔ صرف موقع کی تلاش تھی اور وہ موقع عراق کے آمر حکمران صدام حسین نے کویت پر حملہ کرکے اُنہیں فراہم کردیا۔

جنگ ختم ہوئی۔ کویت عراقی تسلط سے آزاد ہوگیا۔ لیکن مغربی افواج اب تک مختلف خلیجی ریاستوں میں ہر قسم کے جدید اسلحے اور کیل کانٹوں سے لیس ڈیرے ڈالی ہوئی ہیں۔ جس سے ان کے مذکورہ دونوں مقاصد بہ احسن پورے ہورہے ہیں۔ یعنی اپنے اور اسرائیلی مفادات کا مؤثر دفاع بھی ہورہاہے اور مؤخر الذکر مقصد کی تکمیل بھی اچھی شان سے ہورہی ہے اور تیل کے تمام وسائل پر عملاً قابض ہیں۔

ملاحظہ ہو! عرب کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے مغربی فوجی اَڈوں اور اس میں تعینات ہر قسم کے جدید اسلحہ سے مسلح فوج کی مکمل تفصیل جو ۱۹۹۹ء کو مختلف ذرائع ابلاغ میں شائع وئی تھی.

تفصیل:

نمبر شمار	اڈہ	ملک کا نام	دیگر تفصیل
(۱)	طائف	سعودی عرب	بیت اللہ سے ۵۴ میل کے فاصلے پر
(۲)	جدہ	سعودی عرب	بیت اللہ سے ۴۵ میل کے فاصلے پر
(۳)	تبوک	سعودی عرب	مدینہ منورہ کے قریب
(۴)	الجوف	===	
(۵)	حفرالباطن	===	
(۶)	ریاض	===	سعودی عرب کا دارالحکومت
(۷)	الخبر	===	
(۸)	الخرج	===	یہاں سعودیوں کا داخلہ ممنوع ہے
(۹)	الدمّام	===	
(۱۰)	الظہران	===	دیکھنے والے کو یہ یورپ لگتا ہے
(۱۱)	کویت	کویت	یہاں امریکہ کی تینوں افواج کے اڈے ہیں
(۱۲)	بحرین	بحرین	

(۱۳)	قطر	قطر	
(۱۴)	ابو ظہبی	ابو ظہبی	
(۱۵)	حصب	عمان	
(۱۶)	مطرح	===	
(۱۷)	مسقط	===	
(۱۸)	جزیرہ معیرہ		
(۱۹)	سوقطرہ	یمن	
(۲۰)	عدن	===	
(۲۱)	باب المندف	جبوتی	فرانس کی تینوں افواج کے اڈے یہاں ہیں
(۲۲)	مصوع	ایریٹریا	بحیرہ احمر میں ایک بندر گاہ ہے
(۲۳)	جزیرہ دھلک	===	
(۲۴)	حنیش	یمن	تین جزائیر ہیں
(۲۵)	بنیاس	مصر	
(۲۶)	وادی قنا	===	

(۲۷)	قاہرہ	===	
(۲۸)	صحراء سینا	===	
(۲۹)	شرم الشیخ	===	
(۳۰)	الاذرق	اُردن	
(۳۱)	تل ابیب I	اسرائیل	مقبوضہ فلسطین
(۳۲)	تل ابیب II	===	

اب خلیج میں مغربی افواج کی تعداد اور الات حرب کی تفصیل:

(۱) ۳ عدد طیارہ بردار جہاز۔ نمبر ۱ انٹرپرائیز نمبر ۲ جارج واشنگٹن نمبر ۳ انڈی پینڈنٹ.

(۲) ۵۳۵ جنگی طیارے

(۳) ۵۷ دیگر بحری جنگی جہازیں.

(۴) ۵۵ ہزار فوجی.

سعودی عرب میں متعین مغربی افواج اور آلات حرب:

۱۳۰ عدد جنگی طیارے

۵۰۰۰ ہزار فوجی

۴۴۱۰ عسکری ماہرین

کویت میں:

۵۰۰۰ ہزار فوجی

۳۴عدد جنگی طیارے

قطر میں:

۵۰۰۰ ہزار فوجی

۳۴عدد جنگی طیارے

بحرین میں:

۱۸عدد جنگی طیارے

۵۰عدد فوجی مشیر (امریکی بحریہ کا ہیڈ کوارٹر یہاں ہے)

امارات میں:

۶۰عدد فوجی

۱۲۰عدد فوجی ماہرین

عمان میں:

۷عدد فوجی مشیر

برطانیہ کے صرف خلیج اور اس کے چھ ممالک میں ۷۲۹ فوجی مشیر، ایک طیارہ بردار اور ۵ جنگی بحری جہاز تعینات ہیں.

فرانس کے ۲۱ جنگی طیارے، طیارہ بردار سمیت ۱۶ بحری جنگی جہاز اور ایک لاکھ تیس ہزار فوج تعینات ہیں.

خلیج میں صرف امریکی فوج کا سالانہ بجٹ پچاس ارب ڈالرز ہیں جسے خلیجی ریاستوں کو برداشت کرنا پڑ رہا ہے. (1)

مذکورہ تحریر یعنی خلیج کے گوشے گوشے میں مغربی لاؤ لشکر کی مستقل تعیناتی، جدید قسم کے الات حرب، اسلحہ و گولہ بارود کی بھاری مقدار اہل مغرب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے خفیہ عزائم سمجھنے کے لئے کافی ہیں.

عرب راہنماء اب کھلا عام یہ اعتراف کررہے ہیں کہ ہم نے اُنہیں خلیج بُلا کر بھیانک غلطی کی ہے۔

میں یقین سے کہتا ہوں کہ اب توان عرب ممالک میں ان کی مسلط کردہ لوگوں کی حکمرانی ہے۔ جنہوں نے ڈکٹیٹروں کی روپ میں عرب عوام کو پنجہ استبداد میں جکڑ رکھا ہے۔ مگر جس وقت عوام کا دماغ پھر گیا، غیض و غضب کا طوفان پھٹ پڑا، ان ایمان فروش اور

1- خلیج میں متعین مغربی افواج کی تعداد اور آلات حرب کی یہ تفصیل ہفتہ روزہ «ضرب مؤمن» یکم تا ۷ جنوری ۱۹۹۹ء سے لی گئی ہے.

برائے نام مسلمانوں کی اقتدار زمین بوس ہو گئی۔ اور پھر اگر انہوں نے خلیج سے مغربی افواج کو نکالنا چاہا تو اتنی بڑی خون ریزی ہو گی جس کے تصور سے بھی روح کانپ اُٹھتی ہے۔ اگر کسی کو پھر بھی خوش فہمی ہے تو وہ خوش فہمی جنوری 2002ء کو جرمنی کے شہر بون میں افغان ڈونر کانفرنس کے اختتام پر ایک امریکی ٹیلی ویژن کو اس وقت کے امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل کے دیئے جانے والے انٹرویو کے بعد ختم ہو جانی چاہیئے۔ جس میں اُنہوں نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ:

> "امریکی فوج خطے میں باقاعدہ ایک معاہدے کے تحت گئی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خلیج سے ہمارے کچھ خواب وابستہ ہیں۔ ان خوابوں کی تکمیل تک امریکی فوج وہاں تعینات رہے گی"۔

بلقان کا میدان:

خلیج میں لگی آگ ابھی پوری طرح بجھی نہیں تھی۔ بلکہ جگہ جگہ راکھ اُڑ رہی تھی اور دُھواں اُٹھ رہا تھا۔ کہ ارتھوڈک عیسائیوں نے ایک اور میدان گرم کر دیا اور بوسنیا کے اُن نہتے مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے۔ جو یوگوسلاویہ کی دیگر پانچ ریاستوں (کروشیا، سلووینیا، مقدونیا، سربیا، مانٹینگرو) کی طرح مسلم اکثریتی ریاست بوسنیا کو بھی ایک آزاد اور خودمختار حیثیت دلانے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ آزادی کے متوالے ان بوسنوی مسلمانوں پر

ظلم و ستم کے جو پہاڑ ڈھائے گئے اور ان کی نسل کشی کے لئے جو جدید حربے اور طریقے اختیار کئے گئے اس کی مثال نہیں ملتی۔ جنگ کے دوران پناہ گزین کیمپوں میں مقید مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک روا رکھا گیا کوئی مہذب قوم اس کی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

بوسنیا میں ارتھوڈک سرب عیسائیوں سے برسرِپیکار مجاہد کمانڈر "شیخ ابو عبد العزیز" نے پاکستان آمد کے موقعہ پر مرکز الدعوہ ولارشاد میں ایک انٹرویو دیا تھا۔ جسے بعد میں الدعوۃ میگزین نے اپنی اشاعت جنوری 1993ء میں شائع کیا۔ اس میں اُنہوں نے بوسنیا کے بے دست وپاء مسلمانوں پر مظالم کی داستان سناتے ہوئے کہا تھا:

> "ہم پہلے ایک مہاجر کیمپ گئے۔ وہاں ایک لڑکی جس کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ اس کی حالت یہ تھی کہ روتے روتے اس کے آنسو خشک ہوگئے۔ خاموش بیٹھی ہے اور کسی بات کا جواب نہیں دیتی۔ ہم نے زبردستی سوال کیا کہ آپ پریشان کیوں ہے؟ تو بتاتی ہے کہ کم از کم 20 سربین نے میری عزت لوٹی۔ صرف ایک مرتبہ نہیں، کئی مرتبہ"۔[1]

موصوف نے آگے چل کر کہا:

[1]: بحوالہ: مجلہ الدعوۃ، جنوری 1993ء۔

"اسی کیمپ میں ایک عورت، اس کی بھی بری حالت تھی۔ وہ رو رو کر نڈھال ہو گئی تھی۔ ہم نے پوچھا کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا کہ میرے تین بچے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے۔ جب ہم ان کے گھیرے میں آگئے، پہلے تو انہوں نے چاہا کہ میں راضی ہو کر ان کے ساتھ صحبت کرلوں۔ جب میں نے انکار کیا تو میری آنکھوں کے سامنے پہلے بچے کو ذبح کر دیا۔ تاکہ میں زنا کے لئے راضی ہو جاؤں۔ جب راضی نہ ہوئی تو دوسرے لڑکے کو بھی اس کی آنکھوں کے سامنے ذبح کر دیا۔ پھر بھی نہ مانی تو تیسرے کو بھی میرے سامنے ذبح کر دیا۔ پھر بھی نہ مانی تو مجھ پر تشدد کیا اور میں بے ہوش ہو گئی اور جب کئی گھنٹوں کے بعد ہوش آئی تو دیکھا کہ میری عزت لُٹ چکی ہے"۔[1]

مزید آگے چل کر ایک اور دلخراش واقعے کے متعلق بتایا کہ:

"مقامی مسلمانوں کے بقول ایک جگہ سربیوں نے مسلمانوں کو بس سے اُتارا اور کہدیا کہ جو عیسائی ہیں وہ علیحدہ ہو جائیں اور مسلمان علیحدہ ہو جائیں۔ کچھ مسلمان جان بچانے کے لئے عیسائیوں کے ساتھ مل گئے۔ مگر اس کے بعد سرب فوج نے عیسائیوں کو کہا کہ وہ اپنے لباس اُتار دیں۔ چونکہ مسلمان ختنہ کرتے ہیں اور وہاں کے عیسائی ختنہ نہیں

[1]: بحوالہ: مجلہ الدعوۃ، جنوری 1993ء۔

کرتے۔ اس لئے اُنہوں نے عیسائیوں کے ساتھ ملے ہوئے مسلمانوں کو بھی الگ کر لیا۔ اور پھر سب مسلمانوں کے اعضائے تناسل کاٹ کر اُنہیں ویسے ہی تڑپتا چھوڑ دیا"۔[1]

"امریکہ کی ایک انگریزی ہفتہ روزہ ٹائم نے انکشاف کیا، کہ بوسنیا میں تین لاکھ سے زائد افراد کو مختلف ایذائیں دے ہلاک کر دیا گیا۔ سرب درندوں نے ساٹھ ہزار خواتین کی زبردستی عصمت دری کی۔ سات لاکھ افراد کو کیمپوں کے اندر قتل کر دیا۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق سربوں کے زیر قبضہ علاقوں میں جہاں جنگ سے پہلے 356000 مسلمان بستے تھے اب وہاں ایک اندازے کے مطابق صرف 38000 مسلمان باقی رہ گئے"۔[2]

یہ تو میں نے ارتھوڈکس عیسائیوں کی متشددانہ ذہنیت اجاگر کرنے کیلئے صرف چند واقعات لکھنے پر اکتفا کیا۔ ورنہ ایسے لاتعداد واقعات ہوئے ہیں جسے میں نے بلا ضرورت کتاب کی طوالت کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے ضبط تحریر میں نہیں لایا۔ یعنی دوران جنگ اُنہوں نے ظلم و تشدد کے حوالے سے ایسی داستانیں رقم کیں اور ایسی حیوانیت دکھائی جو رہتی دنیا تک انسان کو ڈراتی رہے گی اور ہر قوم میں موجود امن پسندوں کے دلوں میں ان کے لئے موجود نفرت کو

---

[1]: ایضاً۔

[2]: بحوالہ: مسلم دنیا97-1996ء۔

بڑھاتی رہیگی۔

مسلمانوں کی اس نسل کشی میں سرب ار تھوڈکس عیسائیوں کو تمام مغرب کی پشت پناہی حاصل تھی۔ جنگ کے دوران اپنے فرمان بردار ادارہ اقوام متحدہ کے ذریعے کمزور اور بے بس مسلمانوں پر اپنے دفاع اور بچاؤ کے لئے اسلحہ کے حصول پر پابندی لگوادی۔ جبکہ سرب درندوں کو ہر قسم کی پابندی سے مستثنٰی قرار دیا اور یورپ کے وسط میں ایک چھوٹی سی اسلامی سلطنت کے متمنی مسلمانوں کے خاتمے کے لئے فریق مخالف کو ہر قسم کے اسلحے کی ترسیل جاری رکھی۔

بوسنوی مسلمانوں کے نعرہ آزادی کو اہل مغرب نے یورپ کے دروازے پر ایک دستک سمجھا تھا اور اُنہیں یہ خطرہ لاحق ہوا تھا کہ مسلمان ایک بار پھر اسلاف کے نقشہ قدم پر چلتے ہوئے اسلام کا علم اُٹھایا یورپ کی طرف آرہا ہے۔ اور دنیا پر خوف و دہشت کے سہارے کھڑی ان کی بادشاہت ریزہ ریزہ ہو کر گرنے والی ہے۔ ان کے بڑے بڑے لیڈروں نے اس خطرے کو محسوس کیا اور کھلے عام اس کا اظہار بھی کرنے لگے تھے۔

کھیتولک چرچ سے وابستہ سابق برطانوی وزیر اعظم جان میجر (جو کہ اُس وقت برطانیہ کے وزیر اعظم تھے) کی طرف سے اپنے ایک وزیر کو لکھا ہوا خط بطور ثبوت کافی ہے۔ جس کے حرف حرف اور لفظ لفظ سے ہم مذہب سرب عیسائیوں کی حمایت اور اسلام سے ان کا گہرا تعصب ٹپک رہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"ڈیئر ڈگلس!

سابق یو گو سلاویہ کے علاقے بوسنیا ہرزگوینا میں ماضی کے اور تازہ حالات کے بارے میں آپکی تفصیلی رپورٹ پر آپکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جیسا کہ آپ اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ گذشتہ مباحث کی روشنی میں یہ طے پاچکا ہے کہ مندرجہ ذیل پالیسیوں میں ملکہ عالیہ کی حکومت کسی تبدیلی کا ارادہ نہیں رکھتی۔

(1) ہم بوسنیا کے مسلمانوں کو مسلح کرنے اور اُنہیں بھاری تربیت دینے کے کسی بھی پروگرام پر اب یا مستقبل میں متفق نہیں ہوسکتے۔

(2) ہم اس علاقے میں اسلحے پر اقوام متحدہ کی عائد کردہ پابندیوں کو لاگو کرنے اور اس مقصد کے لئے طاقت استعمال کرنے کے پروگرام پر مستقل عمل کرتے رہیں گے۔ اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی ہم اس پابندی پر عمل کرائیں گے۔ کہ یونان، روس اور بلغاریہ کی طرف سے سربیا کو اسلحہ مل رہا ہے۔ جبکہ جرمنی، سلوینیا حتٰی کہ ویٹی کن (پوپ جان پال کا شہر، عیسائیوں کی ریاست) کروشیائی فوجوں کے ساتھ ایسا ہی تعاون کررہے ہیں۔ اس لئے یہ بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ کسی بھی اسلامی ملک یا اسلامی گروہ کی طرف سے بوسنیا کے مسلمانوں کو اسلحہ فراہم کرنے کی کوشش

کامیاب نہ ہو سکے۔ اس مقصد کے حصول اور اس کی زمین پر صحیح صورتحال کے ظاہر ہونے تک اس بات کی ہر ممکن کوشش کریں گے کہ بوسنیا ہرزگوینا کے حصے بخرے کریں۔ اس کو تباہ و برباد کریں اور ایک اسلامی ریاست جو یورپ کے اندر قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کے خاتمے تک جدوجہد جاری رکھیں۔ ہم سابق سویت یونین کے خلاف جس طرح افغانوں کو مسلح کرکے اور اُنہیں تربیت دے کر اسلامی جنگجو بنا چکے ہیں۔ یہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ اس غلطی کو بوسنیا ہرزگوینا میں دُہرائیں۔ ہم مسلم آبادی کو یہ تربیت ہرگز لینے نہیں دیں گے۔ ایسا کرنے سے وہ مسلم آبادی ہمارے لئے مسئلہ بن جائیگی جو یورپ اور شمالی امریکہ کے ملکوں میں ہجرت کرکے آچکی ہے۔ میں آپ کو ایران کے حوالے سے ایک امریکی دستاویز بھی ارسال کررہا ہوں اسے دیکھ لیجئے گا۔ جو یکم ستمبر 1992ء کی تیار کردہ ہے۔

موجودہ صورتحال میں اس رپورٹ میں درج ہدایات پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس لئے اس بات کا خاص اہتمام کیا جائے کہ برطانیہ میں مسلم آبادی پر کڑی نظر رکھی جائے۔ ایسے انتظامات یورپ میں کرنے ہوں گے۔

(3) سابق یوگوسلاویہ میں جب تک صورتحال غیر یقینی ہے۔ ہمیں اس بات کا اہتمام کرنا ہوگا کہ کوئی اسلامی ملک مغرب کی اس متفقہ پالیسی کی مخالفت نہ

کر سکے۔ ترکی پر بطور خاص نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ "وینس اوون امن مذاکرات" کا جھوٹا عمل جاری رہنا چاہئیے اور یہ کام اس وقت تک ہم کرتے رہیں گے جب تک بوسنیا ایک کار آمد ریاست کی حیثیت سے اور اس کی آبادی اپنی زمین سے مکمل طور پر مٹ نہ جائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ایک سخت پالیسی محسوس ہو۔ لیکن خارجہ اور دولت مشترکہ کے دفتر میں پالیسی سازوں اور مسلح افواج سے بزور اصرار کہوں گا کہ یہی سچی سیاست ہے جو مستقبل میں ایک مستحکم یورپ کے لئے ضروری ہے۔ جس کا اخلاقی نظام عیسائی تہذیب اور اخلاقیات پر اُستوار کرنا ہے۔ میں آپ کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ شمالی امریکہ اور یورپ کی تمام حکومتیں اس پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ اس لئے ہم خطے میں مسلم آبادی کو بچانے کے لئے کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی اسلحہ پر پابندی ختم ہونے دیں گے۔ ہم مسلمانوں کو یہ محسوس کرا دیں گے کہ وہ مغرب میں نئے عالمی نظام (New World Order) کی کسی صورت مخالفت نہیں کر سکتے۔ نام و نہاد مسلم حکومتوں کی بے عملی کی وجہ سے دنیا میں کوئی بھی قوت بوسنیا کو ختمی تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ وہ پندرہ جنوری 1993ء کے اسلامی کانفرنس کے منصوبوں پر عمل کرانے کے قابل نہیں ہیں۔ وہ اپنے وعدے پورے نہیں کر سکیں گے۔ اگر مغرب مسلمانوں کو بچانے کے لئے کوشش نہیں کرتا، تو وہ مکمل طور پر بے اختیار اور بے وقعت ہو کر رہ جائیں گے۔ وہ ہماری مخالفت کے قابل نہیں رہیں گے۔ ہم اُن کی حکومتوں پر مکمل طور پر قابض ہیں۔

جبکہ میں جانتا ہوں کہ میرے وزیر دفاع کی طرح ابھی آپ کا نکتہ نظر اتنا واضح نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ پارلیمنٹ میں ہم مشترکہ موقف اختیار کریں اور

یہی موقف اندرونی ملک بھی ہو۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ سابقہ وزیر اعظم اس پالیسی کی مخالفت کر چکی ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس حکومت کے تمام ارکان کابینہ کے فیصلوں کے پابندی اور احترام کریں گے۔

برائے ڈگلس ہاگ وزیر مملکت (از جان میجر[1])

اکیسوی صدی کا پہلا شکار "افغانستان":

شاطر مغرب شاطرانہ چالیں چل کر عالم اسلام کو ایک ایک کرکے مار رہا ہے۔ پہلے سوڈان اور ایران ان کے مغضوب بنے۔ پھر عراق کو تاراج کیا اور اکیسوی صدی شروع ہوتے ہی لٹے پٹے افغان ان کی دہشت گردی کی زد میں آگئے۔

سابق سویت یونین سے برسرپیکار اقتدار کے بعض حریص جہادی لیڈروں کے بعد از جنگ اعمال کے رد عمل میں اُٹھنے والی افغان عوام کے اُمنگوں کا ترجمان طالبان تحریک جب برقی لہر کی طرح اناًفاناً سارے افغانستان پر چھاگئی۔ تو افغانستان کی امن وسکون کو ترستی فضاؤں اور برسوں سے جاری خانہ جنگی کے ہاتھوں ستائے ہوئے اور تھکے ہارے افغان عوام نے شایان شان طریقے سے ان کا خیر مقدم کیا۔

طالبان قیادت نے اقتدار پر قابض ہوتے ہی اعلیٰ تدبر اور بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پورے افغانستان میں مکمل اسلامی نظام نافذ کیا۔ جس کی برکت سے امن و امان بحال ہوا۔ لوٹ مار، ڈاکہ زنی، چوری و قتل و غارت گری جیسی قباحتیں ناپید ہوگئی۔ خوف و ہراس کا ماحول ختم ہوا، چادر و چاردیواری کا تقدس بحال ہوا اور ہر افغان کے چہرے پر ایک معنی خیز

[1]: بحوالہ: مجلہ الدعوۃ، اگست 1993ء۔

kutubistan.blogspot.com

طمانیت چمک اُٹھی۔

مغرب اور خصوصاً سپر پاور کے گھمنڈ میں مبتلا امریکہ کو طالبان کی اسلامائزیشن سے سخت کوفت پہنچی۔ وہ سخت ملول تھے اور غصے و عتاب سے ہونٹ چبا رہے تھے۔ وہ اسی وقت طالبان کو اس سرکشی کے جرم میں کچلنے کے موڈ میں تھے۔ مگر دنیا اور خاص کر اُمت مسلمہ میں متوقع بھرپور احتجاج و مزاحمت کے اندیشے نے اُسے روکا اور وقتی طور صرف درپردہ سازشیں کرنے پر اکتفا کر بیٹھے۔

درپردہ سازشیں یہ تھیں کہ افغانستان کے 90٪ علاقے پر قابض ہونے کے باوجود طالبان حکومت دنیا میں تسلیم نہ ہوئی۔ تمام اُصول وضوابط کو روندتے ہوئے مغرب کے ذیلی ادارہ اقوام متحدہ نے صرف 5٪ کے نمائندے کو پورے افغانستان کا نمائندہ قرار دیا۔ مغربی دباؤ میں آکر پوری دنیا نے ان کا اقتصادی مقاطعہ کیا۔ آریانہ ایئر لائن بند ہو گئی، افغان بنکوں کے اثاثے منجمد کر دیئے گئے۔ افغانستان کی مدد و تعاون پر آمادہ دیگر خداترس ممالک نے بھی مغربی دباؤ کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور مدد سے ہاتھ کھینچ لئے۔ جن میں کچھ مسلمان ممالک بھی شامل تھے اور اسی طرح افغانستان دنیا سے الگ تھلگ ملک بن کر رہ گیا۔

جس کی وجہ سے افغانستان میں بھوک و افلاس محوئے رقص ہو گئے۔ کاروبارِ زندگی مفلوج ہو گئی، زندگی سے ناتا رکھنا ناممکن ہو گیا اور مختلف بیماریوں کی بلائیں افغان سرزمین پر ٹوٹ پڑیں۔

غرض یہ کہ طالبان حکومت کو جھکانے اور دیگر اسلامی ممالک پر مسلط اپنے وفادار حکمرانوں کی طرح انہیں بھی اپنی وفاداری پر مجبور کرنے کے لئے جو بھی بن پڑا مغرب نے اخلاق و تہذیب اور انسانی حقوق کو جوتی کی نوک پر رکھتے ہوئے کی اور ملامت و مذمت کی چنداں پرواہ نہ کی۔ تاہم طالبان موم کی طرح پگھلنے والے انسان نہیں، بلکہ اللہ واحد کے آگے سر جھکانے والے مضبوط افغان تھے اور افغان بمثل چٹان ہوتے ہیں۔ یہ ان کا امتیاز ہے کہ

انہیں توڑنے والے خود تو ٹوٹ جاتے ہیں، مگر وہ اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔

ظلم و ناانصافی کے حصار میں محصور طالبان کی بے مثال استقامت، پامردی، مضبوط ایمان و عقیدہ اور فولادی عزم و استقلال مغربی سامراج پر بم بن کر برس رہے تھے اور حیران و پریشان تھے۔ لہذا کھل کر میدان میں آنے اور افغان عوام کے محبوب حکمران طالبان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں ہونے والی دہشت گردی کے واقعات کو بلا کسی تحقیق سعودی نژاد اسامہ بن لادن (جو کہ افغانستان میں پناہ لئے ہوئے تھے) کے کھاتے میں ڈال دیئے اور پھر اسی بہانے طالبان پر چڑھ دوڑے۔

طالبان حکام نے بذات خود ان واقعات میں ملوث ہونے کی پُرزور تردید کی اور ساتھ ساتھ ملزم اسامہ بن لادن کو کسی تیسرے غیر جانب دار ملک کی تحویل میں دینے اور اس پر اسلامی قوانین کے مطابق مقدمہ چلانے کی پیشکش بھی کی۔ مگر سب بے سود، کیونکہ ہاتھی ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ چکے تھے اور کسی حال میں بھی رخ تبدیل کرنے پر تیار نہ تھے۔

لہذا جنگ شروع ہوئی۔ امریکہ اور برطانیہ پوری استعداد اور قوت کے ساتھ پے درپے فضائی بمباریوں اور کروز میزائیلوں سے قیامت مچانے لگے۔ روزانہ سو سو جہازوں کا غول کئی مرتبہ افغان فضاؤں میں گھستا اور بستیوں پہ بستیاں خاکستر کر کے بھاگ نکلتا۔ افغانستان کے چپے چپے پر بم گر رہے تھے، شہری علاقے، ہسپتال، مساجد، دینی مدارس اور خوراک کے ذخائر بطور خاص نشانہ بن رہے تھے۔ خستہ حال افغان انتہائی سہمے ہوئے تھے اور خوف کے عالم میں پناہ کی تلاش میں سرگرداں اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ افغان خواتین کے سہاگ اُجڑ رہے تھے۔ ننھے منے اور معصوم پھول کھلنے اور خوشبو بکھیرنے سے پہلے ہی بادِ خزاں کی خوراک بن رہے تھے۔ باپ بیٹے سے لاعلم تھا اور بیٹا باپ سے بے خبر۔

افغانستان پر امریکی و برطانوی مشترکہ فضائی حملے سات اکتوبر 2001ء کی شب شروع

ہوئے اور پوری شدت و تواتر کے ساتھ کئی ماہ تک جاری رہے۔ ان لگاتار حملوں کے باعث ہزاروں افغان مسلمان شہید ہوئے۔ ان میں اکثریت خواتین، بوڑھوں اور بچوں کی تھی۔ انسانی حقوق کے چیمپین امریکہ و برطانیہ افغانوں کے اجتماعی قتل عام کے لئے انوکھے طریقے اختیار کئے ہوئے تھے۔ یعنی پہلے شہری آبادی کے قریب جہازوں سے امدادی اشیاء کے پیکٹ گراتے تھے، جسے دیکھ کر بھوک کے ستائے افغان اس پر ٹوٹ پڑتے تھے اور جب لوگوں کا ایک ہجوم سا بن جاتا تو اوپر سے امریکی و برطانوی طیارے اندھا دھند بمباری شروع کر دیتے تھے۔ جس سے سینکڑوں بے گناہ و معصوم افغان مسلمان بیک وقت موت کے منہ میں چلے جاتے تھے۔ جگہ جگہ افغان عوام کا امریکہ کے گرائے گئے امدادی پیکٹوں کو ایک جگہ جمع کرنا اور پھر انہیں نذر آتش کرنا مغرب کے اس قبیح عمل کا ردعمل تھا۔

ایک اندازے کے مطابق بے رحم مغرب افغانستان پر دوران جنگ دس ملین ٹن سے زائد بارود پھینک چکے ہیں۔ غریب اور پسماندہ افغانستان پر سمارٹ بم، کلسٹر بم اور زیادہ تباہی مچانے والا ڈیزی کٹر و تھرموبیرک بم گرائے گئے۔ جبکہ بمباری کے لئے F14, F18, F16, B2, B1 اور اس سے بھی زیادہ جدید B.52 نامی طیارے استعمال ہوئے۔ جنہیں کارپٹ بمبنگ میں بھی کمال حاصل ہے اور جو حملے کی زد میں آنے والے پورے علاقے کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ عین جنگ کے دنوں یعنی 8 نومبر 2001ء کو روزنامہ اوصاف میں شائع ہونے والے اپنے ایک کالم میں محترم میجر ریٹائرڈ سہیل پرواز اپنے مخصوص انداز میں مذکورہ طیاروں کی خاصیت اور اس کے کارپٹ بمبنگ کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

> "امریکی و برطانوی فضائیہ کے کم از کم سترہ اقسام کے نہایت جدید لڑاکا طیارے لگاتار چوبیس گھنٹے بلا توقف شفٹوں میں نان اسٹاف بمباری کر کے بارود، راکھ اور گرد کے قالین بچھا رہے ہیں اور قالین بھی ایسے

دبیز جنہیں دیکھ کر کابل اور قندہاری قالین بھی شرمائیں"۔

خدشات اور اندیشے:

11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں ہونے والی دہشت گردی کے بعد نہتے افغانوں اور امریکہ جیسی سپر طاقت کے درمیان چھڑنے والی جنگ کو اگرچہ اہل مغرب نے دہشت گردی کے خلاف امن پسندوں کی معرکہ آرائی کا نام دیا تھا اور اپنے اس موقف کو تقویت دینے کے لئے خلاف اسلام پروپیگنڈوں کا سہارا بھی لیا۔ تاہم مغرب اور خصوصاً امریکا کی تاریخ، امریکہ کی عادات و خصائل، ان کی شدت پسندی، منتقم المزاجی، انتہا پسندی اور خاص کر توسیع پسندانہ سوچ سے واقفیت رکھنے والے مسلمان دانش ور اور صاحب فہم حلقوں نے اس سے اختلاف کیا۔ اور ان کے اس موقف کو ان کے دیرینہ عزائم کی تکمیل کے لئے ایک مؤثر بہانہ قرار دیا۔

اُنہوں نے ببانگ دہل ان خدشات کا اظہار کیا تھا۔ کہ مغرب خلیجی ممالک کے وسائل کو مُٹھی میں کرنے کے بعد اس جنگ کی آڑ میں اب سنٹرل ایشیاء کے مسلمان ریاستوں میں موجود معدنی وسائل تک رسائی چاہتا ہے اور اس کا یہ خواب افغانستان کو قابو کئے بغیر شرمندہ تعبیر ہونا ممکن نہ تھا۔

ابتداء میں طالبان سے بڑی امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں۔ لیکن جب ایک معاملے میں طالبان انتظامیہ نے امریکہ کی یونی کول نامی کمپنی کو نظر انداز کر کے اس پر ارجنٹائن کی ایک کمپنی کو ترجیح دی اور اس حوالے سے ہر قسم دھونس، دھمکی اور دباؤ کو رد کیا۔ تو امریکہ کے ماتھے پر غضب ناک تیوریں نمودار ہوگئے۔ اور اسی وقت طالبان کو منظر سے ہٹانے کی تدبیریں سوچنے لگے تھے۔ دنیا پر قبل از جنگ طالبان حکومت کو تسلیم نہ کرنے کے لئے دباؤ ڈالنا، طالبان کا معاشی گھیراؤ کرنا اور اُنہیں مختلف النوع بندشوں میں جکڑنا امریکہ بشمول تمام

مغرب کی اسلام دشمنی اور طالبان دشمنی کے سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔

مذکورہ فہم و فراست رکھنے والے یہ سب لوگ متفقہ طور پر ان خدشات اور اندیشوں کا اظہار کرتے تھے۔ کہ طالبان کی رخصتی کے بعد افغانستان میں اُنہیں مستقل طور پر ایک اڈہ میسر آئے گا جو ان کے لئے کثیر المقاصد اہمیت رکھے گا۔ یعنی اس کے ذریعے اُنہیں وسطی ایشیائی ریاستوں کے تیل اور دیگر معدنی ذخائر تک با اسانی رسائی بھی ہوسکے گی۔ اور ساتھ ہی ساتھ افغانستان میں مستقل پڑاؤ ڈال کر نظریاتی و فطری حریف طاقتوں یعنی چین، ایران و پاکستان کی سرگرمیوں کو بھی مؤثر انداز میں مانیٹر کر سکیں گے۔

مذکورہ لوگ آگے چل کر یہ بھی کہتے تھے کہ جنگ اور بعد از جنگ کے حالات سے حاکم بدہن اسلامی ملک پاکستان پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ پاکستانی معیشت و اقتصادیات، دفاعی قوت، ایٹمی پروگرام، جس میں نمایاں پیش رفت کی بدولت پاکستان عالم اسلام میں پہلی اور دنیا میں ساتواں ایٹمی قوت گردانا گیا ہے۔ اور کشمیر کاز عالمی استعمار کی نظر بد کا براہ راست نشانہ بنیں گے۔

سابق ائی-ایس-ائی چیف اور افغان سویت جنگ کا ہیرو پاک فوج کا مایہ ناز جرنیل جنرل ریٹائرڈ حمید گل مرحوم نے جنگ شروع ہوتے ہی دوھائی دی تھی کہ نائین الیون بہانہ ہے. افغانستان ٹھکانہ ہے. اور پاکستان نشانہ ہے. اور وہی ہوا جس کی پیش گوئی مرحوم نے کی تھی. پاکستان کو اس جنگ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال کے باعث ناقابل تلافی جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا. افغانستان پر امریکی حملے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی دہشت گردی کے طوفان نے پورے ملک کو لپیٹ میں لے لیا. جس سے ہزاروں کی تعداد میں پاکستانی شہری لقمہ اجل بن گئے. اب تک کے اعداد و شمار کے مطابق کم از کم ساٹھ ہزار سویلین، پولیس اور پاک فوج کے قابل فخر سپوت شہید ہو چکے ہیں. معاشی نقصان اس کے علاوہ ہے. جو کم و

بیش ایک سو بیس ارب ڈالرز سے متجاوز ہے. جبکہ پندرہ سالوں میں اس کے بدلے کولیشن سپورٹ فنڈ کی مد میں پاکستان کو ملنے والی امریکی امداد تیس ارب ڈالرز بھی نہیں.

سقوط بغداد کا منظر:

افغانستان کو ڈکارنے کے فوراً بعد اہل مغرب پھر عراق کی طرف متوجہ ہوئے اور پچھلی خلیج جنگ کے دوران معصوم عراقیوں پر ظلم وبربریت کے حوالے سے جو کسر چھوڑی تھی۔ اُسے انجام تک پہنچانے کی ضد کرنے لگے۔

حسب سابق اس بار بھی وہی پرانا طریقہ واردات اپنایا گیا۔ ایک نہتے اور بارہ برس سے زائد اقوام متحدہ کی مختلف جکڑ بندیوں میں جکڑے ہوئے بے ضرر مسلمان ملک عراق کے خلاف کئی بے سروپا افسانے گھڑے گئے۔ کئی بے بنیاد کہانیاں تخلیق کی گئیں۔ عراقی حکمران صدام حسین کی آمرانہ حیثیت کو بددیانت مغربی میڈیا کے ذریعے خوب اُچھالا گیا۔ ان کا تعلق القاعدہ سے بھی جوڑا گیا اور ساتھ ساتھ یہ مضحکہ خیز الزام بھی دھر کر خوب واویلا مچایا گیا کہ عراق مہلک اور وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار (Weapon of Mass Distruction) بنا رہا ہے۔ جس سے عالمی امن کو شدید خطرہ ہے اور اس خطرے کا بروقت سدباب وقت کی ضرورت ہے۔

اس تمام تر پروپیگنڈہ مہم کا مقصد عراق کو دنیا بھر میں ایک نفرت زدہ ملک بنا کر اسے تنہا کرنا اور پوری دنیا کو ان کے خلاف امادہ جنگ کرنا تھا۔ اس مقصد کے لئے بھرپور سفارتی مہم بھی چلائی گئی، طرح طرح کے لالچ بھی دیئے گئے اور بوقت ضرورت دھونس، دھمکیوں کا بھرپور استعمال بھی

کیا گیا۔ مگر اس تمام تر کوشش بسیار کے باوجود بھی جب دنیا ان کے بہکاوے میں نہ آئی، بلکہ تاریخ میں پہلی بار کچھ اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیک آواز ظلم کو ظلم کہا، عراق کے خلاف کسی بھی اقدام کو جارحیت سے تعبیر کیا اور ایک پُرامن ملک کے خلاف یوں یکطرفہ جنگ میں ہم رکاب بننے سے گریز کیا۔ اقوام متحدہ بھی دنیا کا تیور دیکھ کر منہ پھر گیا اور اس بار اس نے بھی جب ناجائز کو جائز بنانیوالی سند فراہم کرنے سے احتراز کیا۔ تو مسلمان ملک عراق کی بربادی کے خواہش مند مغرب کے دو سرخیل ممالک امریکہ اور برطانیہ آگ بگولہ ہوگئے۔ کیوں کہ دنیا اور ہر دم تابعدار اقوام متحدہ سے اُنہیں اس قسم کی رسپانس ملنے کی توقع نہ تھی۔ لہذا انتہائی غصے اور خفت کے عالم میں ان دو مغربی ممالک کے راہنماء اکٹھے ہوئے۔ اپنی چند دیگر باجگزار ریاستوں سے ملکر ایک نہایت ہی مختصر سا اتحاد بنایا اور اس اتحاد کی صورت میں آستین چڑھا کر عراق پر جھپٹ پڑے۔

عالم انسانیت بلا امتیاز ایک پُرامن ملک پر اس طرح یکطرفہ یلغار کے خلاف سراپا احتجاج بن گئی۔ لیکن افسوس کہ یہ ساری احتجاجیں اور مذمتیں اُس بدمست سانڈ کا راستہ نہ روک سکیں جو بپھر چکا تھا اور جو بہر حال عراق کو کچلنے پر بضد تھا۔

لہذا وہی ہوا جو اُن کے من میں تھا۔ دنیا کی تمام تر مخالفت کے باوجود عراق پر یلغار کی گئی اور بیس روزہ خون آشام جنگ کے بعد بالآخر اس پر قبضہ کر لیا گیا چشم فلک دیکھتی رہی، دنیا آنسو بہاتی رہی، اقوام متحدہ اپنی بے بسی پر دھاڑیں مار مار کر روتا رہا اور ایک آزاد ملک عراق پر دن دیہاڑے کاری ضرب لگادی گئی۔ اس کی خود مختاری سلب کرلی گئی، ایک نئے طرز کا طوق غلامی عراقیوں کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ عراق کا قومی پرچم اُتار پھینکا گیا، اہم عراقی مقامات و تنصیبات پر امریکی و برطانوی جھنڈے لہرائے گئے اور اسی طرح پہلے سے غم زدہ اُمت مسلمہ کو سقوط کابل

کے صرف ڈیڑھ سال بعد سقوط بغداد کی صورت میں ایک اور دل خراش منظر دیکھنا پڑا۔

امریکہ و برطانیہ کی زیر قیادت کل پانچ ممالک پر مشتمل نام و نہاد مغربی اتحاد 20 مارچ 2003ء کو عراق پر حملہ آور ہوا اور 9 اپریل 2003ء تک پورے عراق پر آگ برساتا رہا۔ حملہ آور امریکہ نے بے گناہ عراقی عوام پر اس دفعہ ایک نئے ہولناک بم کا تجربہ کیا۔ جسے ماب (Moab) یعنی (Mother of all Bomb) کہا جاتا ہے۔ جو اکیس ہزار پونڈ وزن رکھتا ہے اور جس کی تباہ کن صلاحیت کسی بھی چھوٹے درجے کے ایٹم بم (Small Size Neauclear Bomb) سے کم نہیں۔ یہ خوف ناک بم جنگ سے کچھ ہی روز قبل امریکی اسلحہ خانوں میں ایجاد ہوا اور پھر بڑی بے دردی سے عراقی شہروں پر گرایا گیا۔ جس سے عراق کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ ہنستے بستے شہر ویران ہو گئے۔ عراق کے اوپر آسمان دُھواں دار بادلوں سے اٹ گیا۔ زمین پر لاشوں کے ڈھیر لگ گئے، انسانی اعضاء اور لوتڑے دور دور تک بکھر گئے۔ آسمان چھوتی عمارتیں آن کی آن میں زمین بوس ہو گئیں اور یوں پورا نظام مملکت درہم برہم کر دیا گیا۔

آئندہ کے ارادے اور عزائم:

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

مغرب امریکہ کی زیر قیادت پروگرام کے عین مطابق آگے بڑھ رہا ہے اور حائل رکاوٹیں با احسن عبور کرتا چلا جا رہا ہے۔ جزیرۃ العرب پر عظیم تر اسرائیل کی تشکیل اور باقی دنیا پر سیاسی، معاشی، اقتصادی اور فوجی تسلط کا قیام، کرہ ارض پر بسنے والی عالم انسانیت کے لئے مغرب کا ایک خوف ناک دو نکاتی ایجنڈا ہے۔ اور اس خیالی نقشے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے اُن کے

دلوں میں بے قراری کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ یہ دو اہداف ہی ان کی منزل ہے اور وہ بلا خوف و خطر اُس منزل کی جانب گامزن ہے۔ اس منزل کی طرف جانیوالے راستے میں جو بھی حائل ہو گا اور راستہ روکنے کی کوشش کرے گا۔ اُسے یوں ہی مسل دیا جائے گا۔ افغانستان اور عراق پر قابض ہونے اور وہاں پر اپنے ایجنٹوں کی حکومت قائم کرنے سے قصہ تمام نہیں ہوا۔ بلکہ یہ دو بیچارے ممالک تو اُس ڈرامے کے ابتدائی دو اقساط تھے جو 11 ستمبر 2001ء کے بعد سے ریہرسل کے تمام مراحل سے نکل کر باقاعدہ سٹیج ہوا چلا آرہا ہے اور جو چل رہا ہے۔ اب یہ سیریل مزید چلے گی، ظلم و ستم کا یہ سلسلہ مزید آگے بڑھے گا، مزید قد آور اسلامی ممالک زد میں آئیں گے، مزید مسلمان بہنوں کے سہاگ اُجڑیں گے اور مزید مسلمان بچے یتیم ہوں گے۔ امریکہ کے ایک سابق صدارتی امیدوار جنرل ویزلی کلارک کے اس انکشاف سے بھی ان خدشات کی تصدیق ہوتی ہے کہ:

"امریکہ اتحادیوں کے ہمراہ آئندہ مزید چھ، سات اسلامی ممالک شام، ایران، لبنان، لیبیاء، صومالیہ اور سوڈان پر حملے کا مصمم ارادہ رکھتا ہے"۔[1]

ابتداء عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھ ہوتا ہے کیا

---

[1]: جنرل ویزلی کلارک نے یہ انکشاف اپنی زیر طبع کتاب میں کیا تھا۔ بحوالہ: بی بی سی 4 اکتوبر 2003ء۔

راقم کا مدعا تحریر:

تحریرہٰذا سے راقم کا مدعا قوموں اور تہذیبوں کے درمیان نفرتوں کی خلیج حائل کرنا ہرگز نہیں. بلکہ واحد مقصد مغربی ڈگڈگی پر ہر دم ناچنے والی، گونگی، بہری، نامرد دنیا کو آئینے میں اصل دہشت گرد کا مکروہ چہرہ پورے خدوخال کے ساتھ دکھانا،اور خاص کر دنیا بھر کے مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کرنا ہے. کہ یہود و نصاریٰ پر مشتمل مغرب مسلمان کا کسی بھی حال میں دوست و خیر خواہ نہیں ہوسکتا. ان سے دنیاوی لین دین اور تجارت وغیرہ کرنے پر کوئی قدغن نہیں.(1) البتہ اُنہیں دوست اور ہمدرد سمجھنا واضح قرآنی احکام سے کھلی بغاوت اور سراسر گھاٹے کا سودا ہے. کیونکہ یہ دو اقوام لفظ دوستی کی خوب صورت تعریف پر نہ پہلے کبھی اُتری ہیں. اور نہ آئیندہ اُتریں گی. یہ میں نہیں، قرآن بولتا ہے. تاریخ کے یہ چند بے نقاب گوشے بولتے ہیں. اور ناقابل تردید زمینی حقائق بولتے ہیں. جیسا کہ ایک شاعر نے کہا تھا کہ:

حقیقت چھپ نہیں سکتی کبھی بناوٹ کے اصولوں سے
اور خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

1: البتہ ان سے تجارت کرتے ہوئے بھی محتاط رہنا ہوگا کیونکہ برطانیہ نے ماضی میں ایک تجارتی کمپنی (Eeast Indain company) کی روپ میں برصغیر پاک وہند پر قبضہ کیا تھا.

نظم

اے مرد مؤمن اُٹھ سوئے عالم کو جگادو
جو راز اُن سے پنہاں ہے اُسے خوب سمجھادو

ظلم کی چکی میں مخلوق پس رہی ہے
مظلوم پر ظلم کی ایک حد ہو رہی ہے
زخموں سے چُور چور دُنیا تڑپ رہی ہے
ہر نگاہ مسیحا کی بھی راہ تک رہی ہے

تڑپی ہوئی دنیا کو مرہم کی دوا دو
جو راز اُن سے پنہاں ہے اُسے خوب سمجھادو

ایک حبس چھایا ہوا ہے ظلمت کا راج ہے
اور انسان ہی کے ہاتھوں انسان تاراج ہے
کبھی نہ تھی یہ صورت جو صورت آج ہے
یہاں بے ایمان کے سر پہ بزرگی کا تاج ہے

ایمان کی قوت سے وہ تاج گرا دو
جو راز اُن سے پنہاں ہے اُسے خوب سمجھادو

توحید کے علم کو ہاتھوں میں تھام کر
سنّت کی تعلیم دنیا میں عام کر
بُتوں کا بُت خانے میں بھی کام تمام کر
آزاد فضاؤں سے اشنا صبح و شام کر

بندوں کی بندگی سے بندوں کو چھڑا دو
جو راز اُن سے پنہاں ہے اُسے خوب سمجھا دو

اس کام کے لئے تیری سیرت بھی ہے در کار
ایسا نہ ہو کہ تم کو جانا جائے بے کار
ہے تاثیر کا قاتل دامن تیرا داغ دار
ہو گفتار کا دھنی ہے ضعیف تیرا کردار

قرآن کے سانچے میں سیرت کو بنا دو
جو راز اُن سے پنہاں ہے اُسے خوب سمجھا دو

اَفضل ہے تو عالم میں یہ رب کا ہے فرمان
عظیم ہے یہ رُتبہ اس رُتبے کو تو پہچان
اُٹھ جاؤ غلاظت سے اگر ہو مسلمان
پھر دشت و سمندر میں برپا کرو طوفان

جلوے اپنے دوبارہ سائرؔ کو دکھا دو
جو راز اُن سے پنہاں ہے اُسے خوب سمجھا دو

●●●

نمبر ۹

اور اقوام متحدہ

اقوام متحدہ کیا ہے؟ دنیا کو اس کا تصور کس نے دیا؟ اور اس سے ان کے پس پردہ مقاصد کیا تھے؟ سر دست ہم اس موضوع کو نہیں چھیڑیں گے۔ بلکہ صرف اس ایک پہلو پر بحث کریں گے کہ اس ادارے کے جو ظاہری اغراض و مقاصد بیان کئے گئے تھے۔ وہ کیا تھے؟ اور اب تک ان اغراض و مقاصد کی جانب اس ادارے نے عمل درآمد کے حوالے سے کتنی مسافت کا راستہ طے کیا ہے؟

قارئین کرام! گذشتہ صدی کے تقریباً وسط تک دنیا کو بالکل یہی صورتحال درپیش تھی جس کا آج سامنا ہے۔ یہی ظلم کی سیاہ رات تھی، یہی تہذیبی بالادستی کے خوف ناک معرکے تھے اور یہی خون آشام علاقائی و عالمی جنگیں تھیں۔

انصاف سویا ہوا تھا اور دنیا ظلم کی کالی گھٹاؤں میں گم تھی، یہی حیوانیت تھی، یہی تذلیل انسانیت، یہی درندگی تھی اور یہی سفاکی۔ ایک ہی آدمؑ کی اولاد کالے، گورے، عربی، عجمی، یورپین، ایشیائی، مسلمان، ہندو یہودی اور عیسائی جیسے ناموں پر بٹی ہوئی تھی۔ طاقت ور طاقت کے نشے میں مست ہو کر ہر قانون و ضابطے کی دھجیاں اُڑاتا تھا۔ جبکہ کمزور و لاغر سہما ہوا تھا اور پُر عذاب زندگی سے نجات کے لئے رب کے حضور موت کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ انسانی حقوق کا احترام ختم ہو چکا تھا۔ ظلم و دہشت کا اندھا راج تھا، بین الاقوامی سرحدیں پامال ہو رہی تھیں، کمزوروں کو حشرات الارض سمجھ کر کچلنا معمول بن چکا تھا، جس پر فضائیں مغموم تھیں اور کائنات حضرت انسان کی ان حرکات پر مسلسل آنسوں بہا رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ یکایک ایک خبر اُڑی اور اُڑتی اُڑتی روتی، سر پیٹتی، اور سہمی خلق خدا کے کانوں میں جاگزیں ہو گئی کہ:

"انسان اپنے کئے پر نادم ہو چکا ہے۔ لہذا ہر مذہب، ہر رنگ، ہر نسل، ہر زبان کے دانا و فہیم نمائندے جلد باہم مل رہے ہیں۔ جس کی مشاورت سے بالآخر ایک جاندار اور ہر دم متحرک بین الاقوامی ادارہ وجود میں آئے گا۔ جو عرف عام میں اقوام متحدہ یا UNO کہلائے گا۔ جس کے فیوض و برکات سے دنیا پر چھائے ہوئے ظلم کے سیاہ بادل چھٹ جائیں گے اور انصاف کا لازوال سورج طلوع ہو گا"۔

اس ادارے کے خدوخال، فرائض و ذمہ داریوں کے متعلق بتاتے ہوئے مزید کہا گیا کہ:

"یہ انتہائی فعال اور طاقت ور ادارہ ہو گا۔ جو پہلے سے موجود بے جان اور عضو معطل لیگ آف نیشنز کی جگہ لے گا۔ بین الاقوامی سیاست کو افہام و تفہیم سے چلانے اور انسان کو انسانیت کی پٹڑی سے نہ اُترنے دینے کی ذمہ داری اُسی کی ہو گی۔ یہ دنیا کے لئے ضابطہ اخلاق وضع کرے گا۔ اور پھر بزور بازو اُن ضابطہ اخلاق پر عمل درآمد کرائے گا۔ جس کے بعد دنیا یکدم شانت ہو جائیگی، چاروں طرف انصاف کا غلغلہ ہو گا۔ طاقتور کی طاقت تخریب کے بجائے تعمیر انسانیت کے لئے وقف ہو گی۔ لڑائی جھگڑے ختم ہوں گے۔ ہر مذہب، ہر زبان، ہر رنگ اور ہر نسل کے درمیان بہتر تعلقات کار یعنی Working Relations قائم ہوں گے، گھاؤ لگانے کی بجائے گھاؤ بھرنے کی رسم شروع ہو گی، جہالت کی تاریکیاں علم کی ضیاپاشیوں سے شکست کھاجائیں گی اور حضرت انسان عملاً اشرف المخلوقات جیسے بلند مرتبے پر فائز ہوں گے"۔

اُڑی ہوئی خبر کے یہ میٹھے بول سُننے تھے کہ یکدم خلق خدا کے جسم میں حرارت آئی، مغموم فضائیں جھومنے لگیں، کائنات کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑے، ہر ذی روح کے دل میں دوبارہ جینے کی تمنا مچلنے لگی اور ہر آنکھ اُس دن کا انتظار کرنے لگی، جس کی ابتدائی نرم وملائم سفیدی اس میں قطرہ شبنم بن کر ٹھنڈک ڈالنے والی تھی۔

انتظار کی یہ تلخ وطویل راتیں خدا خدا کرکے اس وقت تمام ہوئیں جب 1945ء کی ماہ

اپریل کا سورج نکلا۔ جس سے شبہات کے آندھیرے یقین کے اُجالوں میں بدل گئے اور جس کی معصوم شعاعوں نے مذکورہ خبر کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

یعنی ٹھیک اُسی ماہ دنیا حرکت میں آئی۔ دنیا کے گوشے گوشے سے ہر قوم، ہر نسل اور ہر تہذیب کے نمائندے اکٹھے ہوئے۔ گفت و شنید شروع ہو گئی، صلاح و مشورے اور مذاکرات کے ادوار چل پڑے۔ جس کے نتیجے میں بالآخر وہ ادارہ یعنی اقوام متحدہ وجود میں آیا جس کے لئے دنیا عرصہ دراز سے ترس رہی تھی اور جس کی سواگت کے لئے ایک بار پھر خلق خدا نے امید کے دیئے روشن کئے تھے۔

اقوام متحدہ کے قیام کا جیسا ہی باقاعدہ اعلان ہوا، تو دنیا خوشی و مسرتوں سے شرابور ہو گئی، خاموشی کا طلسم ٹوٹ گیا، وادیاں انسانی قہقہوں سے گونج اُٹھیں، جگہ جگہ شادیانے بجے، مبارکبادیں وصول ہوئیں، نذر و نیاز بانٹے گئے اور ساتھ ساتھ ہر دانا کی آنکھیں بڑی بے قراری و بے تابی سے ان معجزات کی راہ تکنے لگیں جو بقول اُڑی ہوئی خبر کہ اقوام متحدہ کے وجود سے ہی رونما ہوں گے اور جو دنیا میں خوش گوار تبدیلی کے نقیب بنیں گے۔

راہ تکنے کا یہ عمل اور اقوام متحدہ کے طفیل یک لخت بدلی ہوئی، تہذیب و شائستگی کی خوشبو سے مہکتی اور ہنستی بستی، اُچھلتی کھودتی، جھومتی گاتی خوش حال دنیا کی ہنہناہٹ سننے کے لئے خلق خدا کی یہ بے چینی، یہ بے قراری اور یہ بے تابی اپریل 1945ء سے شروع ہوئی اور ہنوز جاری ہے۔ لیکن ہائے قسمت کہ امیدوں، آرزوں اور تمناؤں کا محور یہ عالمی ادارہ روز اول ہی سے مسلسل پتھر بنا ہوا ہے۔ جو نہ تو ظلم کی آگ میں سُلگتی دنیا کی کیفیت محسوس کرنے کے لئے دل رکھتا ہے اور نہ ستم رسیدہ خلق خدا کی آہ و بکاہ سننے کی صلاحیت۔

جن عظیم مقاصد کو مد نظر رکھ کر جس پیار و محبت سے اس ادارے کو بنایا گیا تھا اور جو خوبصورت باتیں اس کا نصب العین قرار پائیں اور اسی وجہ سے اس سے جتنی بے شمار امیدیں وابستہ ہوئیں۔ انتہائی ظلم دیکھئے کہ ابتداء ہی سے اس بدبخت ادارے نے ان مقاصد سے ہٹ کر اپنے لئے بالکل اُلٹ سمت کا تعین کیا اور اسی پر چل پڑا۔ جس سے تمام امیدوں پر ٹھنڈی اُوس پڑ گئی، تمام خواب چکنا چور اور فضائیں ناامیدی اور مایوسی کے تعفن سے الودہ ہوئیں۔

فوری ردعمل نہ ملنے کے بعد دنیا آس لگائی بیٹھ گئی کہ دیر آید درست آید کہیں نہ کہیں تو وہ دن ضرور آئے گا۔ جس دن اس کے جسم مردہ میں جان آئے گی اور ایک نئی انسانی دنیا کی تعمیر کے لئے اس کی تمام تر صلاحیتیں جلوہ گر ہوں گی اور یہ آس لگائی لگائی سات عشرے گذر گئے اور آٹھواں گزر رہا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اس سارے عرصے میں اقوام متحدہ اُن سحر انگیز صلاحیتوں سے یکسر عاری اور اس حوالے سے اس کا وجود بالکل عدم وجود کے برابر رہا۔

زمین سے ظلم و فساد کا خاتمہ، ظالم کی راہ میں سدِ راہ بننا، مظلوم کی اشک شوئی کرنا، مساوات کو فروغ دینا اور انصاف عام کرنا جیسی باتیں اس ادارے کے منشور کے اہم نکات ضرور ٹھہریں۔ تاہم اپنی اس طویل زندگی میں اس ادارے نے کبھی بھی ان اہم نکات پر دھیان نہیں دیا اور نہ کبھی اپنی ترجیحات میں شامل کیا۔

بلکہ اُلٹا ظلم کی آگ بجھانے کی بجائے اُسے مزید بھڑکایا۔ ہر ظلم میں ظالم کا معاون و مددگار بنا رہا، ظلم پر ظالم کو عملاً شاباش دینے لگا، مساوات کو فروغ دینے کی جگہ دوہرے معیار کو فروغ دیا اور انصاف عام کرنے کی جگہ اُسے چند منظور نظر اقوام تک محدود کر دیا۔ جس سے

تمام سلجھاؤ کے متقاضی اور تصفیہ طلب مسائل مزید الجھ گئے، امن کی فاختائیں نہ اُڑ سکیں، اخوت و رواداری کا ماحول نہ بن سکا، خواب پورے نہ ہو سکے، آرزوئیں تشنہ رہیں، اور کرہ ارض کو شانتی نگر بنانے کی سوگند اُٹھانے والی انسانیت خود اپنے ہی ہاتھوں اُسے برباد کرنے لگی۔

نئے فتنوں نے سر اُٹھایا، نئے سرے سے تنازعات کا آغاز ہوا، کمزور و طاقت ور کے درمیان پھر سے میدان سج گیا۔ طاقت ور کو طاقت آزمائی و ظلم و فساد برپا کرنے کی کھلی چھوٹ مل گئی اور کمزور کو مسلسل ظلم سہنے اور صبر کرنے کا درس دیا جانے لگا۔ اس کی قراردادیں ہمیشہ کمزوروں کی گردن دبوچنے والے آہنی پنجے ثابت ہوئیں جبکہ طاقتور کے لئے محض مجذوب کی بڑ، اس کے سِوا کچھ نہیں۔

مذکورہ بالا یہ تمام تر فتنہ گر خرابیاں اقوام متحدہ کے وجود کے ساتھ روز اول ہی سے چپکی ہوئی چلی آرہی ہیں اور دنیا کو مہذب انداز میں مسلسل جہنم بنائی ہوئی ہیں۔ اگر بہ نظر عمیق دیکھا جائے تو آج بھی دنیا وہی کے وہی کھڑی نظر آتی ہے جہاں 1945ء سے قبل تھی۔ یعنی آج بھی وہی غلبہ و بالادستی پانے کی خون آشام تہذیبی دوڑ ہے۔ آج بھی وہی کمزور کی دنیا برباد کرکے اپنی دنیا آباد کرنے کی ناروا خواہشیں ہیں۔ وہی طاقت ور کی گن گرج اور کمزور کی چیخ و پکار ہے۔ وہی دنگا فساد، وہی انسان کے ہاتھوں انسانیت کی تذلیل، وہی قتل عام، وہی خون ریزیاں، وہی مار دھاڑ، وہی چیر پھاڑ، وہی بربریت اور وہی درندگی۔

عالمی منصف کا تصور اگرچہ اچھا تھا۔ لیکن زمینی حالات پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ یعنی عالمی منصف کی گدی پر براجمان یہ ادارہ دنیا کو انصاف نہ دے سکا۔ اس کا ہونا اس لحاظ سے نہ ہونے کے برابر رہا۔ اس ادارے کے وجود میں آنے اور پھل پھولنے سے درحقیقت دنیا پر کوئی

خوشگوار اثر نہیں پڑا، کوئی قابل ستائش تغیر رونما نہیں ہوا، کوئی چیز نہیں بدلی۔

ہاں البتہ وقت اور چہرے ضرور بدلے، آلات تشدد اور ظلم کی نوعیت میں جدت ضرور آئی، سچ، جھوٹ اور ظلم وانصاف میں تمیز کرنے والے پیمانے کا ایمان ضرور متزلزل ہوا۔ پہلے ظلم کو بلا جھجک ظلم کہا جا سکتا تھا۔ مگر خلق خدا سے اب یہ حق بھی چھین لیا گیا۔ کیونکہ طاقت ور اپنی ہر دھونس اور ظلم کے ساتھ اب بڑے طمطراق سے اس ادارے کا سرٹیفکیٹ لہراتا ہے جس پر بدقسمتی سے ضروری کارروائی برائے امن کے الفاظ جلی حروف سے کندہ ہوتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ اقوام متحدہ کی کوکھ سے جنم لینے والے جانب دار قوانین وضوابط بقاء انسانیت کے بجائے دنیا کو مستقل طور پر طوائف الملوکی کی جانب دھکیل رہے ہیں اور عالم انسانیت کو شدید انتشار کا شکار بنا رہے ہیں۔ لیکن اس نام ونہاد ادارے کے رائج الوقت جھوٹ کو سچ، رات کو دن، آندھیرے کو اُجالا اور ظلم کو انصاف زبردستی منوانے والے جیسے خلاف فطرت ضابطوں نے سب کی زبانوں پر تالے لگائے ہوئے ہیں۔ مجال ہے کہ کوئی منہ کھولے اور کلمہ حق کہنے کی جسارت کرے۔ تہمت لگنے اور معتوب ٹھہرنے کے خوف سے ہر کوئی لب کشائی کرنے سے گریزاں ہے۔ یعنی گویا کہ چہار سو خاموشی ہی خاموشی ہے اور زندہ انسانوں کی یہ دنیا بہ ظاہر ایک سنسان قبرستان کا منظر پیش کر رہی ہے۔

حرف آخر یہ کہ روئے زمین کو دُھندلا پن سے نکال کر روشنی کی طرف کھینچ لانے اور غم زدہ چہروں پر مسکراہٹیں بکھیرنے کی غرض سے بنا یہ عالمی ادارہ اپنی ناقص اور امن دشمن کارکردگی کی وجہ سے خلق خدا کے لئے باعث رحمت کے بجائے مسلسل باعث زحمت بنا ہوا ہے، کوئی لاکھ صفائیاں پیش کرے، لاکھ دعوے کرے اور لاکھ بقاء انسانیت کے لیے اس

ادارے کی افادیت جتانے کی کوشش کرے، تاہم ناقابل تردید سچ یہی ہے۔

اگر میرے ان ریمارکس سے تعصب یا جانب داری کی بُو آتی ہو، تو برائے کرم خود اس کی شروع سے لے کر آج تک کی کارکردگی کا جائزہ لیجئے یا اُن اقوام کے کسی باضمیر فرد سے پوچھئے جو اس ادارے کے دوہرے معیار اور ناانصافی کا اب تک براہ راست نشانہ بنی ہیں۔ خواہ وہ کیوبن ہو، شمالی کورین ہو، فلسطینی ہو یا ایرانی، عراقی ہو، افغانی ہو، لیبیائی ہو، کشمیری ہو، چیچنوی ہو یا بوسنوی، یقین کامل ہے کہ سب کے چہروں پر یہی لکھی ہوئی تحریر بالکل صاف و عیاں نظر آئے گی۔ کہ اقوام متحدہ اپنے بنیادی فرائض و ذمہ داریوں سے یکسر غافل اور مقاصد کے حصول میں ہمہ وقت ایک ناکام و نامراد ادارہ ہی ثابت ہوا۔

محترم طارق جان میرے خیالات کی تائید ان الفاظ سے کرتے ہیں. لکھتے ہیں.

"بد قسمتی یہ ہے کہ اقوام متحدہ، جو ۱۹۴۰ء کے عشرے کی اتحادی قوتوں کی وصی (Legatee) کی حیثیت رکھتی ہے. کا نسبت نامہ ہی مشکوک ہے. پھر اس کے پالنے پوسنے اور پروان چڑھانے کا عمل ایسا داغ دار ہے کہ کسی طور کی لفاظی اور طراری اسے پاک نہیں کر سکے گی. اپنی ابتداء ہی سے یہ ادارہ تیسری دنیا کے ممالک کے لئے ایک غیر متحرک اور ہر جنبش سے عاری لیکن پر جوش خطابت والی مجلس مباحثہ کی صورت بنا رہا ہے. اس کا کام صرف یہی لگتا ہے کہ مغربی اقوام کے عالمی مفادات کو تقویت دے. امن و امان کی بحالی، جو اس کا واحد اہم کام بتایا جاتا ہے، اپنی اصل میں جھگڑے نپٹانے سے زیادہ انہیں

الجھائے رکھنے کا ایک جال ہے"[1]

سلامتی کونسل کا قیام، عالمی اعتماد کا پہلا خون:

اقوام متحدہ پر سے عالمی اعتماد کا بلند و بالا مینار پہلی بار اس وقت ریزہ ریزہ ہو کر گرنے لگا۔ جب اس کی کوکھ سے ایک اور ادارے نے جنم لیا جو سلامتی کونسل (Security Councel) کہلایا۔ جس نے یکسانیت کا تصور مٹا دیا، ظلم کو قانونی شکل عطا کی، اونچ، نیچ کی بنیاد رکھ دی اور اقوام عالم کو کمزور و بالادست جیسے دو پاٹوں میں عملاً تقسیم کرکے رکھ دیا۔

اس کے بظاہر تو کل پندرہ ممبران ہوتے ہیں۔ پانچ مستقل جبکہ دس غیر مستقل، جس کا انتخاب جنرل اسمبلی ہر دو سال کے لئے کثرت رائے سے کرتی ہے۔ تاہم طاقت کا منبع دراصل مستقل نشستوں پر براجماں وہ پانچ ارکان ہیں جن کے پاس ویٹو پاور کی چھڑیاں (Sticks) ہیں اور ان چھڑیوں کی بدولت وہ ہر وقت اقوام متحدہ کے اجتماعی فیصلوں پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔

ویٹو پاورز سے مسلح پانچ کی اس اکٹھ نے اقوام متحدہ کو حقیقتاً یرغمال بنایا ہوا ہے۔ دنیا کی بے مثال جمہوری قدروں کی پامالی یہی پانچ کرتے ہیں۔ کوئی بات ان کی مرضی کے بغیر سند کا درجہ نہیں لے پاتی خواہ اُسے سینکڑوں ارکان پر مشتمل جنرل اسمبلی کی حمایت حاصل کیوں نہ ہو، یا عوام الناس کو دور رس فائدہ پہنچانے والی کیوں نہ ہو، بلکہ صرف وہی بات شرف قبولیت پاتی ہے جس میں ان کے مفادات کی ہر دم نگرانی کا عزم ظاہر کیا گیا ہو اور جو ان کے مقاصد کی

[1]۔بحوالہ (سیکولرزم مباحث اور مغالطے)، صفحہ نمبر506- 507.

احسن طریقے سے تکمیل کرتی ہو۔

ممتاز تجزیہ نگار ڈاکٹر شاہد مسعود اقوام متحدہ کے اس ذیلی ادارے (سلامتی کونسل) کی تخلیق، اس کے پیچھے چھپے عزائم اور بعد از تخلیق اس کے عملی کردار کے بارے لکھتے ہیں۔

"اقوام متحدہ کے پرچم تلے کام کرنے والے لاتعداد اداروں کا کام محض یہ ہے کہ وہ اپنے رکن ممالک کو مختلف رپورٹوں کی روشنی میں تجاویز مرتب کر کے پیش کریں۔ لیکن اقوام متحدہ کا ایک ادارہ از خود وہ فیصلے کرنے کا حق رکھتا ہے۔ دنیا کے 191 ممالک جس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے پابند ہیں۔ یہ اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل ہوتی ہے۔ جس کی رکنیت دوسری جنگ عظیم کے فاتحین ممالک نے آپس میں اس بنیاد پر تقسیم کرلی تھی کہ دنیا کی طاقتور ترین اقوام ہونے کے سبب اُنہیں تمام عالم پر حکمرانی کا حق حاصل ہے۔ اس کے پانچ مستقل اراکین یعنی امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس اور چین ویٹو کا حق رکھتے ہیں جبکہ دس غیر مستقل نمائندے جو ہر دو سال بعد منتخب ہوتے ہیں اور جن میں پاکستان بھی ہے وہ ویٹو کا حق نہیں رکھتے۔ ویٹو کی طاقت رکھتا کوئی بھی ایک ملک دنیا بھر کے ممالک اور عوام کی خواہشات پر کئے گئے کسی فیصلے کو رد کرنے کا حق رکھتا ہے۔ 17 جنوری 1940ء کو سیکورٹی کونسل کے لندن میں ہونے والے پہلے اجلاس سے لے کر آج تک دنیا ایک بے بس پرندے کی طرح اپنی چونچ پروں میں دابے

اشتعال سے بھرے اور استدلال سے عاری دلائل کی بنیاد پر اس ویٹو کے ہتھوڑے سے بارہا فلسطین، افغانستان، کشمیر، عراق، صومالیہ، ایران، انڈونیشیا اور الجزائر سمیت دنیا کے غریب اور پسماندہ ممالک کو کچلتا دیکھ چکی ہے۔ یہی ویٹو لبنان کی گلیوں کو خون سے نہلاتا رہا اور اسی اختیار نے شاہ ایران کے تحفظ کیلئے ایران میں لاکھوں انسانوں کی گردنیں کٹوائیں۔ الجزائر میں عوام کی منتخب حکومت کا تختہ اُلٹ کر اپنے چہیتوں کو تخت پر بٹھانے کے لئے تین لاکھ انسانوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا اور اسی ویٹو کے زور پر صابرہ اور شتیلہ کے کیمپوں میں رقص ابلیس ہوتا رہا ہے۔ اور اسی کی تھپکی اسرائیلی فوج کو فلسطینی بچوں کے سینے چھلنی کرنے کا حوصلہ دیتی رہی اور اس کی چشم پوشی نے نصف صدی سے کشمیر کو آج بھی ایک آتش کدہ بنائے رکھا ہے"۔[1]

موصوف مزید آگے لکھتے ہیں:

"یہ مدعی، وکیل، منصف خود ہی جلاد کا کردار ادا کرنے والی قوتیں چاہتی ہیں کہ دنیا بھر کے ممالک اپنے کندھے ان کی بندوقوں کے لئے پیش کرتے وقت آنکھیں کھول کر یہ بھی نہ دیکھیں کہ نشانہ کون ہے فیصلہ تسلیم کریں ورنہ ایک قرارداد کی منظوری سے نافذ ہونے والی

---

[1]: ویوز آن نیوزII، صفحہ نمبر 219-220۔

پابندیاں ہزاروں انسانوں کو نگل سکتی ہے۔لاکھوں غربت اور بھوک کا لقمہ بن سکتے ہیں اور بے گھر، بے لباس انسانوں کو بمبار طیاروں کی پیہم بمباری اور کروز میزائیلوں کی موسلا دھار بارش انکے ایک اشارے پر خاک بنا سکتی ہیں"۔[1]

سلامتی کونسل کی مستقل نشست اور ویٹو پاور جیسے امتیازی تمغے کے باعث یہ پانچوں سپر طاقت بنے ہوئے ہیں اور زبردستی خود کو بطور بالادست اقوام منوائے ہوئے ہیں۔ یعنی ہر ضابطے سے آزاد اور ہر قانون سے مبراء، جبکہ باقی مخلوق کی حیثیت ان کے نزدیک کیڑے مکوڑوں سے زائد نہیں۔

طاقت کے نشے میں دُھت سلامتی کونسل کے یہ پانچ مستقل ارکان اقوام متحدہ کے قیام کے وقت سے لے کر آج تک صرف اپنے ذاتی مفادات کے اسیر رہے ہیں اور اسی مقصد کے لئے ان کی تمام تر توانائیاں و صلاحیتیں وقف رہیں۔ دنیا کے اجتماعی مفاد اور عوام الناس کی اجتماعی بھلائی سے اُنہیں کبھی بھی دلچسپی نہیں رہی۔ کیونکہ ان سب کا موٹو فقط اپنی ہی بالادست حیثیت کو ہر حال میں قائم رکھنا، بلکہ اُسے مزید تقویت دینا ہے اور اس کے لئے وہ کچھ بھی کر گزرنے سے نہیں چوکتے۔ ان کے ان افعال و اعمال سے اقوام متحدہ کی اصل روح اور اس کی بنیادی اصولوں کی کتنی نفی ہوتی ہے اور عالم انسانیت پر کیا اُفتاد گرتی ہے۔ اس کا انہیں کوئی غم نہیں۔

---

[1]: ویوز آن نیوز II، ، صفحہ نمبر 219-220۔

چونکہ دھونس اور زبردستی یہ بے مہار طاقتیں سلامتی کونسل کی پلیٹ فارم سے ہی جماتی ہیں اس لئے اُنہی کی وجہ سے اقوام متحدہ عوام الناس میں ناقابل، اعتبار بنتا جارہا ہے اور آئے روز اس کے ماتھے پر بدنامی کی نت نئی کالک ملتی جارہی ہے۔

ایک عظیم قوم کے ساتھ عظیم ناانصافیاں!

ایک جدید اور عالمگیر مذہب کے پیروکار ہونے کے علاوہ آبادی کے لحاظ سے بھی مسلمان دنیا کی ایک عظیم قوم ہے۔ جو ایک ارب پچاس کروڑ افرادی قوت کی حامل ہے۔ ایسی عظیم قوم کو نظر انداز کرنا گویا کہ عالمی امن سے عدم دلچسپی اور پہلو تہی کا جان بوجھ کر کھلا اظہار ہے۔ لیکن کیا عجب ستم ظریفی ہے کہ اقوام متحدہ ان روز روشن حقائق کو روندتے ہوئے شروع ہی دن سے یہی کچھ کرتا چلا آرہا ہے اور اس عظیم قوم کو پوری دیدہ دلیری سے یکسر نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ جس سے اس کی نام ونہاد امن پسندی کا بھانڈا بھی خوب پھوٹتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہر دانا و فہیم کے اس یقین کو بھی تقویت ملتی ہے کہ اقوام متحدہ دراصل عالمی ادارے کی آڑ میں چند مخصوص اقوام اور طاقتوں کے مفادات کا تحفظ کررہا ہے اور اُنہی کا آلہ کار بنا ہوا ہے۔

اسلام دشمنی اس ادارے کے انگ انگ سے ٹپک رہی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اقوام متحدہ کی بنیادیں خالصتاً اسلام دشمنی پر ہی اُستوار ہیں تو حق بجانب ہو گا۔ زمینی حقیقت بھی یہی ہے اور چشم فلک نے بھی اب تک یہی کچھ دیکھا کہ اقوام متحدہ کے کمان سے نکلا ہوا زیادتی،

دوہرے معیار اور ناانصافی کا ہر تیر ہمیشہ مسلمان ہی کے سینے میں پیوست ہوا، دوسری اقوام ہمیشہ محفوظ رہیں۔ خواہ وہ ویٹو پاور کی بندر بانٹ میں حصہ نہ دینے کی بد دیانتی ہو، دنیا بھر سے فرار ہو کر آنے والے یہودی گھس بیٹھیوں کو فلسطین کے اصلی باشندے قرار دینا ہو تقسیم فلسطین کی بساط بچھانا اور سات فیصد رقبے پر مٹھی بھر قابض یہودیوں کو پورے ملک کے پچپن فیصد زرخیز رقبے سے نوازنا ہو، کشمیری مسلمانوں کو حقیقی آزادی کے لئے ترسانا، اپنی ہی پاس کردہ قراردادوں کو فرسودہ و ناقابل عمل قرار دینا اور اسی طرح مسلمان سے متعلق اس اہم قضیئے کو مزید لٹکانا ہو۔

خواہ وہ لیبیاء، ایران، عراق، افغانستان، سوڈان کا اقتصادی مقاطعہ اور اُنہیں دہشت گرد قرار دینا ہو، یا بلقان میں اسلامی بوسنوی اور کوہ قاف کی سرزمین پر آزاد اسلامی چیچنوی ریاست کے راستے مسدود کرنے کا قابل مذمت طرز عمل ہو، سب وہ زخم ہیں جو مسلمان اب تک اقوام متحدہ ہی کے ہاتھوں سینے پر کھا چکے ہیں اور جس سے مسلمان کی قومی حیثیت مفلوج بنی ہوئی ہے اور بڑی قوم کی حیثیت سے عالمی سیاست میں جاندار کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔

مسلمان کی نسبت دنیا کی دیگر اقوام کے ساتھ اقوام متحدہ کا رویہ ہمیشہ ہی مشفقانہ رہا۔ ان اقوام میں کسی کے سر میں کبھی معمولی سا درد بھی اُٹھے تو پورا اقوام متحدہ لرز اُٹھتا ہے اور اس وقت تک بے چین رہتا ہے، جب تک تکلیف زدہ قوم کی تکلیف کا مداوا نہ ہو جاتا۔ انڈونیشیاء کے مٹھی بھر عیسائیوں کی چیخ و پکار پر اس کا یکدم حرکت میں آنا، قابل دید تعجیلی تگ و دو کے بعد راتوں رات انڈونیشیاء سے اُنہیں آزادی دلانا اور امیر جنوب مشرقی ایشیائی مسلم

ممالک کو گھیرنے کے لئے مشرقی تیمور کے نام سے ایک اور اسرائیلی طرز ناسور ریاست کی بنیاد رکھنا اور حال ہی میں اسلامی ریاست سوڈان کو دو ٹکڑے کرنا، اقوام متحدہ کی غیر مسلم اقوام سے محبت اور خاص کر مسلمان کے ساتھ اس کے مسلسل روا رکھے جانے والے دوہرے معیار کی تازہ نشانیاں ہیں۔

میرؔ کتنے سادہ ہے بیمار ہوئے جس کے سبب
اُس عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

●●●

راہ نجات

قارئین محترم! گذشتہ صفحات پر ثبت مسلمانوں کو دائمی غلامی و ذلت کی طرف دھکیلنے والے جملہ عوامل واسباب کی چند نکات پر مشتمل یہ وہ فہرست ہے جو بڑے غور وخوض کے بعد ناچیز کے ذہن میں ترتیب پائی اور پھر ناچیز کے ناپختہ قلم سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں آپ کی خدمت میں زیر نظر کاغذ پر منتقل ہوئی۔ اس سے اگر کوئی اختلاف کرنا چاہیں، تو خوش آمدید۔ ہر اختلاف اور ہر اعتراض سر آنکھوں پر، لیکن یہ ضرور یاد رہے کہ فہرست میں درج تمام نکات روز روشن کی طرح عیاں زمینی حقائق ہیں اور حقائق کی آنکھیں بناوٹ کی کسی دُھول سے خیرہ نہیں کی جاسکتیں۔

برادرم یہ سب کچھ جاننے کے بعد ناچیز کے نزدیک اب ہم مسلمانوں کے پاس صرف دو ہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم بدستور اپنی قرن ہا قرن سے جاری اس مسلسل ذلت پر آنکھیں بند کردیں، ہاتھ پر ہاتھ رکھیں اور خاموش تماشائی بن کر اپنی بربادی کا یوں ہی تماشہ دیکھتے رہیں۔ ہماری صلاحیتیں اور توانائیاں محض پیٹ کا دوزخ بھرنے تک محدود ہو کر رہ جائیں، دنیا کے ہر ظلم کو ہنستے خوشی سہتے رہیں، دین اسلام اور آلِ اسلام سے ہر ایرے غیرے نتو خیرے کا مذاق اور تمسخر کو برداشت کرتے رہیں۔ یعنی حرف آخر یہ کہ ہم خود کو ایک ایسا روبوٹ بنادیں جس کا ریموٹ کنٹرول دنیا کی دیگر اقوام کے ہاتھ میں ہو، وہ جس طرح چاہیں ہم سے کام لیں اور ہم میں اُن کی مرضی کے خلاف حرکت کرنے کی قوت نہ رہے۔ بحیثیت قوم وملت ہم اپنے نصب العین کو یکسر بھلادیں۔ دشمنان اسلام کی خلاف اسلام سرگرمیوں میں ہم بھی اُن کے ہم نوا و معاون بنے رہیں اور مکمل بے حسی کی چادر اوڑھ کر مے خانوں میں اُن کے جاموں

سے ہم بھی جا میں ٹھکراتے پھریں، دائمی غلامی کو اپنا مقدر جانیں اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اغیار کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔

اور یا یہ کہ ہم اس کے برعکس ایک نئے راستے کا تعین کریں، اپنے آپ کو دنیا سے ہر حال میں منوانے کی ٹھان لیں، بحیثیت قوم و ملت اپنے نصب العین سے ایفاء کرنے کا عہد کریں، عزت کی زندگی کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دیں، دل و دماغ میں اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل کرنے کی نئی خواہش انگڑائی لے اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ہر لحاظ سے محفوظ اور ایک نئی طاقت اور ملت اسلامیہ کی تعمیر کا بیڑہ اُٹھائیں، طوق غلامی کو اُتار پھینکیں اور ایک نئی شان سے اُٹھ کر دنیا کو اپنی موجودگی کا احساس کرا دیں۔

یہ دو راستے ہیں اور اُن میں سے اپنے لئے ایک کا انتخاب بہر حال ہم نے کرنا ہے۔ اُن میں سے اگرچہ ایک سہل ہے اور بعض تن آسان اور جان ہے تو جہان ہے کہ اُصولوں پر جینے والے کچھ لوگ بھی اُسے اپنانے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ مگر قدم قدم پر ذلت ہے، اس راستے پر چل کر ہم جینے کے حقدار تو ٹھہریں گے، دن رات تو کٹیں گے، تاہم وقت کا ہر لمحہ اور ہر گھڑی مسلمانوں کے ماتھے پر نت نئی رسوائی ملتی رہے گی۔ اور بعید نہیں کہ ایک دن ایسا بھی آئے کہ ہمیں اسلامی پہچان رکھنا تو در کنار، اسلامی نام رکھنا بھی دشوار ہو جائے۔

جبکہ دوسرا راستہ نجات کا راستہ ہے، آزادی کا راستہ ہے، غیرت و جواں مردی اور بہادری کا راستہ ہے اور جس پر چل کر راہی سیدھا عظمت سے بھرپور اُس لہلہاتی منزل پر پہنچتا ہے، جہاں جسم بھی کِھل اُٹھتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ روح بھی آسودہ رہتی ہے۔

ان دو راستوں میں اتنا بڑا تفاوت دیکھنے کے بعد میرا خیال نہیں کہ کوئی ذی عقل و ذی

ہوش مسلمان اول الذکر راستے کی طرف میلان رکھے گا۔ کیونکہ دانائی بھی مزید اُس پر جانے سے روکتی ہے اور خوب سے خوب تر کل کی متلاشی انسانی فطرت کو بھی منزل صرف آخر الذکر راستے میں ہی نظر آتی ہے۔ لہذا سمجھ دار مسلمانوں کی اکثریت کی نظریں آخر الذکر راستے پر ہی جمیں گی اور اسی کو راہ سفر بنا کر منزل کی طرف سفر کا آغاز کریں گی۔

اگر میرا یہ خیال سچا ہے، یہ یقین کامل ہے اور دعویٰ پکا ہے کہ مسلمان بحیثیت مجموعی آخر الذکر راستے کو ہی راہ سفر بنائیں گے اور اسی پر چل کر منزل ڈھونڈنے کی جستجو کریں گے تو عزیزم اپنے اس مقصد کو سو فیصد کامیابی عطاء کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے اُن بنیادی عوامل کا خاتمہ کرنا ہو گا جن کے باعث مسلمان قوم گلے گلے تک بربادی کے دلدل میں دُھنسی ہوئی ہے. اور اُن اسباب کا سدباب کرنا ہو گا جو آہنی زنجیریں بن کر مسلمانوں کے ہاتھ پیروں میں بندھے ہوئے ہیں اور جو کہ عرصہ دراز سے مسلمان کی بلند پروازی میں حائل ہو رہے ہیں۔

یعنی سب سے پہلے اپنے آپ کا بغور جائزہ لینا ہو گا اور مسلمان ہو کر اسلام سے عملی دوری کا جو بدنما داغ ہمارے دامن پر ایک زمانے سے لگا ہوا آ رہا ہے۔ اسلام سے ذہنی اور دلی قربت پیدا کر کے ہمیں اس داغ کو مٹانا ہو گا، اسلام کو سمجھنا ہو گا اور پھر اُسے عملاً اپنانا ہو گا۔

فرقہ بندیوں کے خول سے باہر نکلنا ہو گا، کیونکہ مسلمان اس لعنت میں مبتلا ہو کر بہت کچھ گنوا چکے ہیں۔ عقیدہ توحید متزلزل ہوا ہے، اطیعو اللہ و اطیعو الرسول، کا ورد اگرچہ زبانوں سے جاری ہے، تاہم دلوں میں حقیقتاً کئی مصنوعی خداؤں کی خدائی قائم ہے، اطاعت عملاً اوروں کی ہو رہی ہے، اتحاد و یکجہتی پارہ پارہ ہو گئیں، قوتیں برباد ہو گئیں اور صلاحیتیں اپنی دنیا اُجاڑنے میں جُت گئیں، معمولی معمولی باتوں کو وجہ نزاع بنائے ہوئے ہیں اور اُسی پر باہم

دست و گریباں ہیں۔ اس تباہ کن سلسلے کو یہی پر روکنا ہو گا، مختلف مسلکوں کے علم اُٹھانے کے بجائے واحد اسلام کا جھنڈا تھام کر بڑھنا ہو گا، بے مثال یکجہتی کا مظاہرہ کرنا ہو گا اور ایک جسد واحد کا ثبوت دینا ہو گا۔

علاوہ ازیں ملت اسلامیہ پر چاروں طرف نسل اور زبان کی بنیاد پر باہمی منافرت و تعصب کی جو دُھند چھائی ہوئی ہے۔ اخوت و بھائی چارے کی شمع فروزاں کر کے اُس دُھند کو شکست دینی ہوگی، علمی تشنگی دور کرنی ہوگی کیونکہ چشم فلک نے اب تک یہ نہیں دیکھا کہ کہیں کوئی جاہل اُٹھا اور انقلاب برپا کر گیا۔ بلکہ دنیا میں اب تک جتنے بھی انقلابات برپا ہوئے ان سب کے پیچھے ہمیشہ ایک عالم ہی کا ہاتھ رہا، جاہل کا نہیں۔ اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر نوع کے علم سے رُغبت پیدا کرنی ہوگی، جستجو علم کو رواج دینا ہو گا اور ایک باخبر قوم بننا ہو گا۔

نصب العین سے فرار کی جو عادت ہے وہ ترک کرنی ہوگی، نفس کی غلامی سے نکل کر فقط اللہ رب العزت کی غلامی اختیار کرنی ہوگی، انفرادیت کی جگہ فکر اجتماعیت کو تقویت دینی ہوگی اور ساتھ ساتھ جو دیگر معاشرتی خرابیاں ہم میں مروج ہیں اور جس کے باعث غیر مہذب و ناشائستہ قوم ہونے کا جو سیاہ دھبہ ہم پر لگا ہوا ہے۔ اپنی معاشرت اور عادات و خصائل میں اچھائیاں پیدا کر کے اُس سیاہ دھبے کو ہمیں مٹانا ہو گا۔ یعنی دل میں ہمہ وقت خوف خدا لے کر چلنا ہو گا، جھوٹ سے پرہیز کرنا ہو گا، قول و فعل میں جو تضاد ہے اُسے عدم تضاد میں بدلنا ہو گا، حق و انصاف کا پاسدار بننا ہو گا، عوامی میل جول، شیریں مزاجی، خاکساری، آداب بزرگی کا لحاظ، برائیوں سے نفرت اور اس کے خاتمے کے لئے عملاً تگ و دو اور حد درجہ ایمانداری کو اپنی خاصیت اور پہچان بنانی ہوگی۔ یعنی اخلاق و شائستگی کے اعتبار سے ہم مسلمان اُس بلند درجے پر

ہو کہ دنیا میں جب بھی اور جہاں کہیں بھی اس حوالے سے کوئی مقابلہ (Contest) منعقد ہو تو ہم مسلمان ہی مجسمہ انسانیت و شرافت قرار پائیں اور دنیا کی دیگر اقوام کے مقابلے میں اول پوزیشن کا حقدار مانا جائے۔

اس کے بعد اُس بے ایمان لبرل و سیکولر قیادت سے بھی چھٹکارا پانا ہوگا، جو ملت اسلامیہ کی مجموعی ابتری کی ذمہ دار ہے اور جو اس تمام تر تباہ کن صورتحال کے جملہ اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے۔ جس نے پہلے موقع پاکر خلافت عثمانیہ کی صورت میں اسلامیان عالم کی امیدوں کا آخری چراغ بجھایا اور اب باقی ماندہ کام یعنی مسلمانان عالم کو مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹانے کی کارروائیوں میں جُت ہے۔ عافیت اسی میں ہے کہ اس نااہل، بانجھ ذہن اور ذاتی مفادات کے لیے قومی و ملی مفادات کو نیلام کرنے والی ہر وقت برائے فروخت کوتاہ بین قیادت کو منصب قیادت سے اتار پھینکیں۔ اور اپنی لگامیں اُن ہاتھوں میں تھمادیں جو ان کے برعکس ہو، جنہیں قوم کی دولت سے مغربی چور بازاروں (سوئیس بینک اور دیگر مغربی بنکس) میں ذاتی اکاونٹس کھولنے، پھر بھرنے اور پلاٹ پرمٹ کے حصول کی خواہش نہ ہو، جو حقیقی معنوں میں ہماری آواز، ہمارا نمائندہ اور ہمارا ترجمان ہو، جو دینی و دنیاوی علوم دونوں سے آراستہ ہو، جو فہم و فراست سے مزین ہو، جو کہ ملک و ملت کی محبت سے سرشار ہو، جو سچائی میں یکتا ہو، جو انسانیت و شرافت میں باکمال ہو اور جو دیانت میں لاثانی ولاجواب ہو۔

مغرب اور اہل مغرب سے دوستانہ تعلق جیسی خلاف قرآن خواہش پر ہمیں نظرثانی کرنی ہوگی۔ کیونکہ مغرب کے ساتھ نام ونہاد دوستی کے دام فریب میں رہ کر ہم کافی نقصان اُٹھا چکے ہیں۔ دوست بن کر ڈنک مارنا مغربی اقوام کا پُرانا وطیرہ ہے اور ملت اسلامیہ کا ہر ملک

کئی بار عملاً ان تجربات سے گزرا ہے اور کئی بار ڈسا جا چکا ہے۔ دوستی کی آڑ میں چھوٹی موٹی شرارتوں کے علاوہ فلسطین اور کشمیر جیسے بڑے مسائل بھی اُنہی کے پیدا کردہ اور دیئے ہوئے تحفے ہیں۔ جن کی وجہ سے آج سارا عالم اسلام شدید کرب و اذیت میں مبتلا ہے۔ ان کی شرارتوں اور زہریلا ڈنک سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ اُن کی طرف بڑھائے ہوئے دوستی کے ہاتھ واپس کھینچ لئے جائیں، لفظ دوستی کو فقط مسلمان کے لئے مخصوص کر دیں اور آئندہ ان سے دوستی کا خیال آتے ہی واضح قرآنی ہدایات، ان کا سابقہ کردار اور دیگر زمینی حقائق (Ground Realities) کو مد نظر رکھیں۔

جبکہ آخر میں اقوام متحدہ کے نام سے موسوم اس نام و نہاد عالمی ادارے سے اظہار برأت کرنا ہوگا۔ جو نہ صرف کارکردگی کے لحاظ سے ہمہ وقت ایک ناکام ادارہ ثابت ہوا بلکہ بظاہر عالمی ادارے کا لبادہ اُوڑھ کر درپردہ چند مخصوص اقوام کے مفادات کا محافظ بنا ہوا ہے اور عالمی منصف کی روپ میں قتل انصاف کا مرتکب ہے۔ اس شجر سے پیوست رہ کر مزید امید بہار نہیں رکھی جا سکتی۔ بلکہ بقاء اسی میں ہے کہ بحیثیت مجموعی اس شہرہ آفاق بے ضمیر عالمی ادارے سے ناتا توڑ لیں اور اس کی جگہ ایک متحرک بین الاسلامی ادارے کے لئے راہ ہموار کریں، جو کہ حقیقی معنوں میں اسلام کا (Supereme govt) ثابت ہو۔

ایک مسلمان محقق نے تو اَقوام متحدہ اور اس کے خلاف اسلام چارٹر کے اتباع کو طاغوت کا اتباع قرار دیا ہے. اور پھر اسی جوش خطابت میں مسلمان ممالک کے حکمرانوں کو مشورہ دیتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ:

"حکمران اقوام متحدہ کے چارٹر کی ہر اس شق کو رد کر دیں جو احکم

الحاکمین اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ آئین (کتاب اللہ و سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ہے. اگر دنیا کی دیگر اقوام اس بات کو قبول کرتی ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ حکمران اقوام متحدہ سے واپس آجائیں" (1)

قارئین! تصنیف ہذا کا موضوع یہ چند نکات ہی دراصل وہ عوامل اور اسباب ہیں جو حالت بدلنے کی خواہش مند مسلمان قوم کے آگے پہاڑ بن کر کھڑے ہیں اور جو حقیقی آزادی کا راستہ روکے ہوئے ہیں۔ دراصل یہی وہ گرہیں ہیں جن سے مسلمان قوم کی قسمت بندھی ہوئی ہے۔ لہٰذا بہتر منصوبہ بندی اور عقل و دانش کو بروئے کار لا کر اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے اور متعین کردہ منزل کی چوکھٹ بہر کیف چھونے کے لئے ہمیں یہ پہاڑ جیسی رکاوٹیں گرانی ہوں گی اور عزم واستقلال اور ثابت قدمی سے ہدف کے جانب بڑھنا ہوگا۔

یہ مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں بلکہ مختلف حلقوں پر مشتمل اُس زنجیر کے مانند ہے جس کا پہلا حلقہ کھولتے ہی باقی زنجیر خود بخود کھل جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان جلد محسوس کریں اور بحیثیت قوم و ملت عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے زنجیر کے اس پہلے حلقے کو کھولنے کی کوشش کریں۔ اپنی انفرادی اور تمدنی زندگی قرآن و سنت کے حوالے کردیں اور ایک کامل مومن بن کر اپنے اردگرد ایک مثالی اسلامی، اخوت سے معمور معاشرت تشکیل دیں جہاں صرف امن کی خوشبوئیں مہکتی ہو، محبت ہو، نفرت نہ ہو اور خوف وحزن نہ ہو۔ یعنی بقول شاعر کہ:

1- «اگر تم مومن ہو» ، صفحہ نمبر ۲۳۵ – ۲۳۴ .

ایک نگر ایسا بس جائے جس میں نفرت کہیں نہ ہو
آپس میں دھوکہ کرنے کی ظلم کی طاقت کہیں نہ ہو

اس کے مکیں ہو اور طرح کے، مسکن اور طرح کے ہو
اس کی ہوائیں اور طرح کی ، گلشن اور طرح کے ہو

جب ہم بدلیں گے اور ہر نوع کی آلائش سے پاک وخالص کامل مومن بنیں گے تو نیک سیرت اور صالح قیادت بھی اُبھرے گی۔ اور پھر وہی قیادت وہ کرشمے دکھائے گی جس کے لئے ہم عرصہ دراز سے چشم براہ ہیں۔ مومنین سے اللہ نے وعدہ کیا ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ ﴿٥٥﴾﴾ (سورہ نور)

ترجمہ: "تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور صالح عمل کرتے ہیں، اللہ کا ان سے یہ وعدہ ہے کہ وہ اُنہیں زمین میں اقتدار عطا فرمائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے کے لوگوں کو اقتدار عطا فرمایا تھا اور ان کے لئے ان کے اس دین کی جڑیں مضبوطی سے جما دے گا جسے اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے اور ان کی موجودہ حالتِ خوف کو حالتِ امن سے بدل دے گا"۔

اس راہ حریت کا مسافر بن کر ہمیں مشکلات پیش آسکتی ہیں، تکالیف و مصائب کا سامنا بھی ہو سکتا ہے، تاہم بہادر اور باہمت قومیں ایسی دل شکن صورتحال سے ہرگز گھبرایا نہیں کرتیں۔ بلکہ رب ذوالجلال پر توکل کر کے بلاخوف و خطر عزم صمیم کے ساتھ آگے بڑھتی ہیں اور منزل پر کامیابی کا جھنڈا اگاڑ کر ہی دم لیتی ہیں۔

ہمیں بہادر قوموں کی طرح خندہ پیشانی سے یہ عارضی مشکلات و مصائب سہنی ہوں گی، حوصلہ بلند رکھنا ہو گا، استقلال کے ساتھ متعین کردہ ہدف پر ہر حال میں نظریں جمائی رکھنی ہوں گی اور اس کی طرف یکسو ہو کر بڑھنا ہو گا۔ اللہ کی نصرت کے باعث جیت بالآخر ہماری ہی ہو گی۔ کیونکہ حالت بدلنا، غلامی کی گھٹن پر آزاد فضاؤں کو ترجیح دینا اس میں مستقلاً جینے کی خواہش کرنا اور اس کے حصول کے لئے عملاً تگ و دو کرنا حق کی لڑائی ہے اور معرکہ حق و باطل میں فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔ ترقی پسند شاعر حبیب جالب کا بھی یہی خیال تھا کہ:

آئے سر عالم کئی غاصب کئی قاتل
ظلمت کہاں ٹھہری ہے اُجالوں کے مقابل

حق ہی نے کئے پار اُمنڈتے ہوئے دریا
باطل کو ملا ہے نہ ملے گا کبھی ساحل

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

(وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغ)

مجھے حکم آذاں ہے

دُرگت میری بنی جو وہ سب پہ عیاں ہے
اسی لئے بولوں گا مجھے حکم آذاں ہے

حساس ہوں احساس ہے چُپ رہ نہیں سکتا
ظلمت کو اُجالا میں کبھی کہہ نہیں سکتا
سینے میں پڑا دل ہے میرے منہ میں زباں ہے
اسی لئے بولوں گا مجھے حکم آذاں ہے

کشمیر ہو، عراق ہو، یا ارضِ فلسطین
شیشان ہو، افغان ہو یا پاک سرزمین
مقتل بنے ہوئے ہیں ایک آہ و فغاں ہے
اسی لئے بولوں گا مجھے حکم آذاں ہے

پامال ہوئی حرمت، عصمت ہوئی تاراج
اللہ کی زمین پر ابلیس کا ہے راج
زمیں جل رہی ہے اور دُھواں دُھواں ہے
اسی لئے بولوں گا مجھے حکم آذاں ہے

تکتی ہیں بہنیں، مائیں میری راہیں دور سے
مانگتی ہیں مدد مجھ جیسے لاچار معذور سے
اُمت مُسلمہ پہ ہوا تنگ یہ جہاں ہے
اسی لئے بولوں گا مجھے حکم آذاں ہے

منصف سویا ہوا ہے انصاف ہے خاموش
دنیا کی محبت میں مسلماں بھی ہے مدہوش
دشمن بخندا ہے اور سائر پریشاں ہے
اسی لئے بولوں گا مجھے حکم آذاں ہے

●●●

حواشی وحوالہ جات

(۱)انسانی دنیاپر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر(مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

(۲)تاریخ اسلام(مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

(۳)روزنامہ شمال ۳دسمبر ۱۹۹۴ء

(۴)نومسلمات نمبر

(۵)پردہ(سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

(۶) مذہبی فرق پرستی اور اسلام، ترجمہ و تخلیص: مولانا مختار احمد الندوی

(۷)(مسئلہ قومیت) (سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

(۸)ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ(ثروت صولت)

(۹)تفہیم القرآن(جلد پنجم) (سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

(۱۰)تاریخ اسلام و مسلم سپین کی تاریخ(پروفیسر شفیع اللہ)

(۱۱)مختصر تاریخ اسلام

(۱۲) ہم کیوں مسلمان ہوئے(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

(۱۳)راہ عمل

(۱۴)فتنہ یہود(عنصر صابری)

(۱۵)کوڑھ کی کاشت(ڈاکٹر حقی حق)

(۱۶)شاز شیں بے نقاب(یاسر محمد خان)

(۱۷)ترجمان القرآن مارچ ۱۹۹۵ء

(۱۸)الحسنات اگست ۱۹۹۵ء

(۱۹)ضرب طیبہ مئی-جون ۲۰۰۲ء

(۲۰)اسلام اور عصر حاضر (پروفیسر احمد رفیق اختر)

(۲۱) مسلم دنیا۹۲- ۱۹۹۱ء

(۲۲)الرحیق المختوم (مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری)

(۲۳) محسن انسانیت (نعیم صدیقی)

(۲۴) تاریخ دعوت وعزیمت (مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

(۲۵) ہوئے تم دوست جس کے (ڈاکٹر حقی حق)

(۲۶) مسلم دنیا۹۷- ۱۹۹۶ء

(۲۷)ماہنامہ حکایت اکتوبر ۲۰۰۳ء

(۲۸)روزنامہ اوصاف ۴جولائی ۲۰۰۱ء

(۲۹)ماہنامہ ائین جون ۱۹۹۴ء

(۳۰) ہفتہ روزہ ایشیاء ۲۲- ۱۶اگست ۲۰۰۱ء

(۳۱)سیکولرزم (مباحث اور مغالطے)(طارق جان)

(۳۲)یہودی پروٹوکولز (مترجم محمد یحیی خان)

(۳۳)روزنامہ جنگ سنڈے میگزین ۲۲ تا ۲۸ جولائی ۲۰۰۱ء

(۳۴)ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم (زاہد ملک)

(۳۵)سی-ٹی-بی-ٹی اور اسلامی بم (معاذ حسن)

(۳۶) ہفتہ روزہ (ضرب مومن) یکم تا ۷ جنوری ۱۹۹۹ء

(۳۷)مجلّہ الدعوۃ جنوری ۱۹۹۳ء

(۳۸)مجلہ الدعوۃ اگست ۱۹۹۳ء

(۳۹)روزنامہ اوصاف ۸ نومبر ۲۰۰۱ء

(۴۰)بی بی سی ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۳ء

(۴۱)ویوز آن نیوز (ڈاکٹر شاہد مسعود)

(۴۲)اگر تم مومن ہو (تحقیق و تالیف عبد الرزاق)

(۴۳)اسلام، سائنس اور مسلمان (تحقیق و ترتیب ابو علی عبد الوکیل)

(۴۴)وکی پیڈیا

●●●

kutubistan.blogspot.com

افضل ہے تو عالم میں یہ رب کا ہے فرمان
عظیم ہے یہ رُتبہ اس رُتبے کو تو پہچان
اُٹھ جاؤ غلاظت سے اگر ہو مسلمان
پھر دشت وسمندر میں برپا کرو طوفان

جلوے اپنے دوبارہ سائر کو دکھا دو
جو راز اُن سے پنہاں ہے اُسے خوب سمجھا دو

Art Point Press Peshawar
0315-9618253